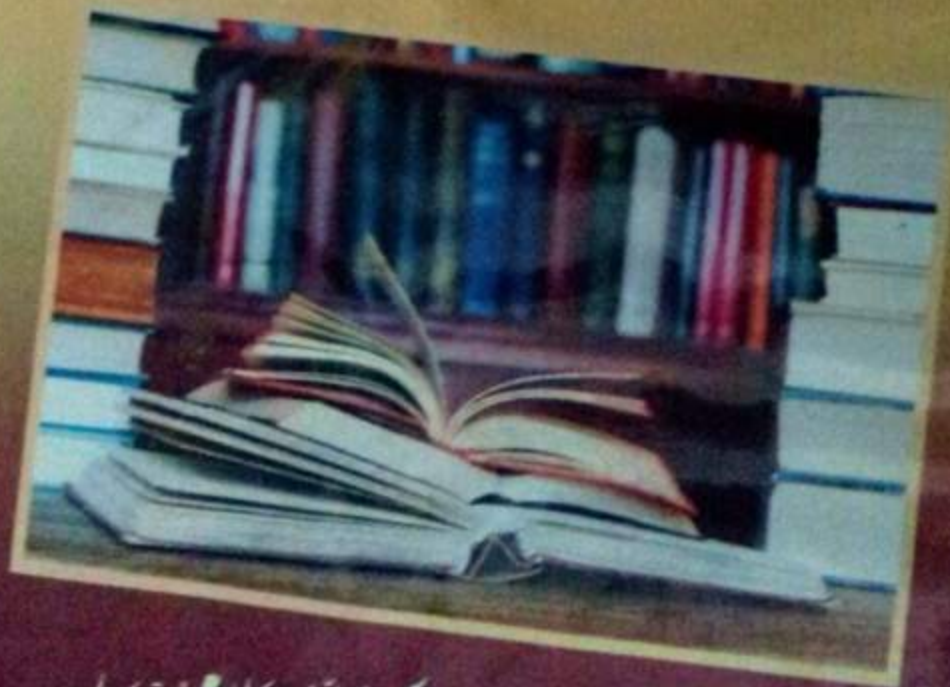




مِطَالَعَةُ الْعَرَبِيَّةِ



د. ابراهيم خال محمود صاحب

ایک تاریخی ہنگامی اور تحقیقی جلد

مطالعہ بریلویت

جلد ہفتم

مُصَنَّفُ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی

ڈائریکٹر اسلامک کونسل پی ایچ ڈی

تقریباً

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ناشران و تاجران کتب

بکڈ پوڈیو بند ۲۲۷۵۵۲ قادیان

حافظی



==== کتاب =====

مطالعہ بریلویت جلد ہفتم

==== مؤلف =====

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

==== اشاعت =====

۲۰۰۴ء

==== ناشر =====

حافظی بکریڈوڈیو بند ۲۲۷۵۵۲ فون

IAFZI BOOK DEPOT

JOHANN-247554 (U.P.)

tele-fax (91330) 222311 Mobile 9412556171

فہرست مضامین

مقدمہ

۲۷ فضل رسول بدایونی کو خط کا شکار بنایا ۲۹

بدعت فی العقائد پر مجرموں کے اپنے پیٹ خدام ۲۷ مولانا برکات احمد والدہ کے ساتھ دیوبند میں ۳۰

بدعت فی الاعمال کے مجرم اہلسنت میں گئے رہے ۲۷ مولانا محمد قاسم کے روحانی کمال کا مشاہدہ ۳۰

بدعت حسنہ کے سائے میں بدعات کی تردید ۲۷ مولانا برکات احمد مولانا احمد رضا خاں کی نظریں ۳۰

دہلی احناف ہند کا علمی مرکز تھا ۲۷ مولانا احمد رضا مولانا برکات احمد کی نظریں ۳۰

یورپین قوموں کی ہندوستان آمد ۲۷ سیال شریف کے خواجہ ضیاء الدین ۳۱

محدثین دہلی کے اعتماد کو مجروح کرنے کی کوششیں ۲۸ تحریک خلافت میں شیخ الہند کے ساتھ ۳۱

اختلاف کا پہلا معرکہ ۲۸ اجمیر شریف کے صدر مدرس احمد رضا کے خلاف ۳۱

مولانا اسماعیل اور فضل حق خیر آبادی میں ۲۸ مولانا احمد رضا کی علماء دیوبند کے خلاف ضد ۳۱

دونوں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ کے شاگرد ۲۸ پیر مہر علی شاہ کا مولانا اسماعیل شہید کو خراج تحسین ۳۱

یہ اختلاف صرف علمی درجے میں رہا ۲۸ فریقین کے مابعد مشابہت ہونے کا عقیدہ ۳۱

صحابہ کے علمی اختلاف کی ایک مثال ۲۸ گروہ کے عقیدہ توحید کی ایک جھلک ۳۱

علمی اختلاف مصیبت نہیں ۲۸ مابین طالع مہر گروہ کی مارچ ۱۹۹۹ء کی اشاعت ۳۲

اہل حجاز اور اہل عراق کے علمی اختلافات ۲۸ انبیاء و اولیاء رب اللہ سے مانگنے والے ہیں ۳۲

امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے اختلافات ۲۸ اصنام پر مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات ۳۲

امام احمد دارام بخاری کے اختلافات ۲۸ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کا عقیدہ توحید ۳۲

انما فضل حق نے جب لانا کے شہید ہونے کی خبر سنی ۲۹ کسی انسان کو مشکل کشا اور دانا کہنا ۳۳

ولاء برکات احمد کی مولانا اسماعیل کے بائیں رائے ۲۹ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ شرک ۳۳

انما عبد الحق خیر آبادی کی خدمت میں احمد رضا خاں ۲۹ محمود اثبات پر حضرت کا حجت بتلانا ۳۳

- ۳۳ مولانا عبدالسمیع رامپوری بدعات کے فروغ میں
- ۳۴ اہلسنت میں تقسیم صرف دیوبندی بریلوی کی نہیں
- ۳۵ پیرکرم شاہ صاحب کا دیوبندیوں کو اہلسنت کہنا
- ۳۶ پیرکرم شاہ کی مولانا محمد قاسم سے عقیدت
- ۳۷ پیرکرم شاہ کی احمد رضا سے عقیدت نہ تھی
- ۳۸ مولانا احمد رضا خاں کی اختلاف پسند طبیعت
- ۳۹ مفتی شجاعت علی قادری کی شہادت
- ۴۰ مولانا احمد رضا خاں پورے سوادِ عظیم کے خلاف
- ۴۱ اختلاف کا دوسرا محرک
- ۴۲ جمعہ کی اذان ثانی پر ملائے بدایوں کے اختلاف
- ۴۳ مولانا مسین الدین جمیری احمد رضا کے رد میں
- ۴۴ مولانا مسین الدین جمیری کی کتاب القول الاظہر
- ۴۵ مولانا احمد رضا کی کتاب اجلی الوار الرضا
- ۴۶ فری مسئلے پر قیامت صغریٰ کس نے قائم کی
- ۴۷ مولانا احمد رضا خاں کے ایمان پر غور کیجئے
- ۴۸ حضرت مجدد کے کلام سے اجماع کو باطل کرنا
- ۴۹ متعین کہہ لیے تھے استنباط درست نہیں
- ۵۰ مولانا احمد رضا خاں منرا باغیر مقدم تھے
- ۵۱ کیا ممکن ہے کہ پُرودی امت کا قائل باطل ہو
- ۵۲ مولانا مسین الدین جمیری کا خیر آبادی مسلک
- ۵۳ بریلویوں کا عقیدہ امتناع
- ۵۴ خیر آبادی لوگ کس صف کے لوگ تھے
- ۵۵ کچھ چھوٹی برادران مولانا جمیری کے معتقد
- ۵۶ بریلویوں کے اہل قلم حضرات پر
- ۵۷ مدینہ منزل نے مرآۃ التعنیف لکھی۔
- ۵۸ مولانا جمیری نے خان صاحب کے خلاف القول الاظہر لکھی
- ۵۹ ملائے بدایوں رامپور احمد دہلی کی تائید
- ۶۰ مولانا احمد رضا نے اسے مولانا انوار اللہ کی تالیف کہا
- ۶۱ خان صاحب کی علماء کے منہج اختلاف سے نا اہمستانی
- ۶۲ تجلیات انوار المعین کی روحانی صدا
- ۶۳ پہلا انکشاف
- ۶۴ پیر دان احمد رضا ایک بے شکام جماعت ہے
- ۶۵ دوسرا انکشاف
- ۶۶ رسالہ غیر معروف شخص کا ہر تو حسبِ مطبع سے
- ۶۷ الجنا چاہیے اسی سے شہرت ہے۔
- ۶۸ تیسرا انکشاف
- ۶۹ مولانا احمد رضا کی زبانِ لکھنؤ کے شہرہ کو ٹھوکر
- ۷۰ چوتھا انکشاف
- ۷۱ احمد رضا خاں نے پیسے لگا کر ہم خیال بنائے
- ۷۲ مولانا احمد رضا کی بارہ خصوصیات
- ۷۳ ۱۔ بند غلامی (جان چڑانا)

- ۱۔ الزام بیللم پترم ۴۴ بدایوں کے علماء کو پدربستی کا طعنہ ۴۷
- ۲۔ مخالفہ دینے کی عادت ۴۴ مخالفت کے جوش میں ہوش دے بیٹھنا ۴۸
- ۳۔ بہستان طرازی ۴۴ مدرس حرم نبوی مولانا عبدالقادر شبلی ۴۸
- ۴۔ خروج از دائرہ بحث ۴۴ موصوف کے انقباضت حسام اکھرمین میں ۴۸
- ۵۔ مجاہدہ الزام خصم کے لیے ۴۴ موصوف کی تجہیل جمعہ کی اذان ثانی میں ۴۸
- ۶۔ حق پرستی ۴۴ القول بالظاہر کے جواب میں مولانا احمد رضا خاں ۴۸
- ۷۔ باد بدستی ہوائی باتوں سے چلنا ۴۵ کاجچوں کا سامر قف۔ ۴۸
- ۸۔ دو سرور پر اپنی بات ٹھونشنا ۴۵ ۱۔ یہ مولانا انوار اللہ کی تالیف ہے ۴۸
- ۹۔ خلاف بیانی ۴۵ ۲۔ مجہول مؤلف لائق جواب نہیں ۴۸
- ۱۰۔ تحریف ۴۵ مولانا احمد رضا خاں کی مناظرے سے گریز پائی ۴۹
- ۱۱۔ خود فراموشی اپنے آپ کو نہ سمجھنا ۴۵ ۱۹۱۶ء کی ایک تاریخی دستاویز ۴۹
- ۱۲۔ مولانا اجمیری کی مولانا احمد رضا کو نصیحت ۴۵ فرقہ رضائیہ پیرہی پچھلے کی رائے ۵۰
- ۱۳۔ خود مجتہد بننے کی کوشش نہ کیجئے ۴۵ یہ پوری دنیا میں سب بڑھ کر نامہذب لوگ ہیں ۵۰
- ۱۴۔ احمد رضا کے پیروؤں کا دعویٰ ۴۵ مولانا اجمیری نے خانقاہ سے مناظرہ ۵۰
- ۱۵۔ احمد رضا نے علامہ شامی کی غلطیاں نکالیں ۴۵ کرنا منظور فرمایا۔ ۴۵
- ۱۶۔ اسلام میں اذان کا مقصد ۴۶ اس وقت کے علماء اعلام کس کے ساتھ ہے؟ ۵۰
- ۱۷۔ اعلان غائبین کے لیے ۴۶ صدی پہلے کی تاریخی شہادت ۵۰
- ۱۸۔ انصاف منعتین کے لیے ۴۶ اس اختلاف نے اعلیٰ حضرت کو کیا کیا اتنا بختے ۵۰
- ۱۹۔ جمعہ کی پہلی اذان حضرت عثمانؓ کے عہد سے ۴۶ بے ایمان بے عقل بے حواس ۵۰
- ۲۰۔ حضرت علیؓ نے بھی کوئی مخالفت نہ کی ۴۷ اعلیٰ حضرت کا خصم کرن ہو گا؟ ۵۰
- ۲۱۔ خلفائے راشدینؓ کی قائم کردہ سنتیں ۴۷ یہ مناظرہ کے وقت بتایا جائے گا ۵۰

سات خطوں کی نشاندہی اور تولنا

۵۱

احمد رضا اور ان کے حامیوں کی پوکھا سبٹ

۵۲

اصل دستاویز

فرقہ رضا خانیت کا مناظرہ سے قرار

۱۹۱۶ء

جہید از جناب شیخ محمد بن دوق سلاز

۵۹

مولانا معین الدین لے مناظرہ فرمایا

۶۳

پہلا خط جو مولوی عبدالکفریم کو بھیجا گیا

۶۴

مولانا احمد رضا خاں کی تحریر کا مطالبہ

۶۳

مولوی عبدالکفریم کا جواب

۶۴

مناظرہ کی تعریف کیا ہے ؟

۶۵

مجادلہ کی تعریف کیا ہے ؟

۶۵

لائق دید شرائط مناظرہ

۶۵

مولانا عبدالکفریم کے نام دوسرا خط

۶۸

سب شرطیں منظور ہیں

۷۰

اعلیٰ حضرت نہ آسکیں تو غنائندہ ہی بھیج دیں

۷۰

اب کسی شرط میں ترمیم نہ کریں

۷۱

مولانا عبدالکفریم کا دوسرا خط

۷۱

آئندہ کوئی تحریر ہمیں نہ بھیجیں

۷۱

تجربہ سے بڑھ کر کوئی پابجی نہ ہوگا

۷۲

مولانا عبدالکفریم کے نام تیسرا خط

۷۲

موصوف نے وصولی سے انکار کر دیا

۷۲

چوتھا ذیلی خط ۱۴ جمادی الثانی

۷۶

مولانا احمد رضا خاں کے نام بارہواست ایک خط
از مولوی محمد اسماعیل خٹک الرشید علی جی

۷۶

مولانا احمد رضا خاں کے نام ایک اور خط
از عبدالحمید ۱۳ جمادی الثانی

۷۸

مولانا احمد رضا خاں کی طرف سے
فقیر عبدالسلام منوی کا جواب از بریلی

۸۰

منہج پشاور کے مولوی احمد اللہ کو مقرر کیا گیا

۸۱

مولوی احمد اللہ کا کوئی ایڈریس نہ دیا گیا

۸۲

بریلی والوں نے خط وصول کرنے سے انکار کر دیا

۸۲

احمد رضا خاں کی اس میں کوئی منظوری نہ تھی

۸۳

فقیر عبدالسلام کے نام دوبارہ گزارش

۸۳

بریلی والوں نے خط وصول کرنے سے انکار کر دیا

۸۳

رجسٹری واپس کر دی گئی

۸۳

مولانا احمد رضا کے نام بارہواست ایک اور خط

۸۳

از اسماعیل چھپہ قصبہ جاوہر

۸۴

۱۸ جمادی الثانی

۸۴

خاں صاحب نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا

۸۴

مناظرہ کی تمام کوششیں نامکمل ہو گئیں

۸۴

القول الاظہر

فیما يتعلق بالاذان عند المنبر

استفتاء

۸۷

۸۷

۸۷

۸۸

۸۸

۸۸

۸۸

۸۸

۹۰

۹۰

۹۰

۹۰

۹۰

۹۰

۹۰

۹۰

۹۱

۹۱

امام اعظم کے ہاں حدیث تو اتنی زیادتی نہیں تھی ۹۱

برہن قوی کو چھوڑ کر دلیل ضعیف کا سہارا ۹۱

امام اعظم سیدنا حضرت عمرؓ کے مقلد ہے ۹۱

فاطمہ بن قیس کی روایت خبر واحد تھی ۹۱

حضرت عمرؓ کا ارشاد ۹۱

لا ندع کتاب اللہ بقول اموات ۹۱

کلام پر اجماع ہو تو اتنا کہلاتا ہے ۹۲

کلام پر اجماع ہو تو اسے اتفاق کہتے ہیں ۹۲

عقل بھی اجماع و تواتر کی پابند ٹھہرتی ہے ۹۲

امت کا اجماع آیت کنندہ خیلۃ کی رُسے ۹۲

امت کی دو اعلیٰ صفیں ۹۲

اس کا ہر امر معروف اور ہر نہی منکر ہے ۹۲

امت کبھی باطل پر جمع نہیں ہو سکتی ۹۳

امت کے برحق ہونے پر دوسری قرآنی شہادت ۹۳

وینتبع غیر سبیل المؤمنین ذلہ ما تولیٰ ۹۳

امت کے برحق ہونے کی تیسری قرآنی شہادت ۹۳

حدیث لا تجتمع اتقی علی ضلالہ ۹۳

حدیث ما راہ المسلمون حنا ۹۴

حدیث اتبعوا السواد الاعظم ۹۴

احمد رضا نے اذان داخل مسجد کو بدعت کہہ دیا ۹۵

اسے بدعت کہنے پر چند دوسرے مذہبے ۹۵

جب اذان مسجد میں دینا مکروہ ہے
جمہ کی اذان ثنائی مسجد میں کیوں ہو۔

مین یدی المنبر کا معنی عند المنبر ہے

الجباب

نماز پنجگانہ کی اذان واقعی مسجد سے باہر

جبہ کی اذان ثنائی کی دو خصوصیات

۱۔ امام کے عین سامنے ہو

۲۔ منبر کے پاس داخل مسجد ہو

احمد رضا کا فتویٰ کہ یہ اذان بھی باہر ہو

مولانا احمد رضا کا استدلال از حدیث

ابوداؤد میں علی باب المسجد کے الفاظ

مستقبل الامام میں دونوں صورتوں کی گنجائش

حضرت معین الدین عجمی کا استدلال از سنت

خبر واحد تعامل کا مقابلہ نہیں کر سکتی

کچھ اور مولوی بھی اس مسئلہ میں بریلوی ہو گئے

مولانا احمد رضا کا اجماع سے فرار

تقابل امت اور اجماع کی اہمیت

احکام شرعیہ کا استنباط چار اولہ سے

- ۱۰۲ کہ یہ عقائد میں ہے فروغ میں نہیں
- ۹۵ آنحضرتؐ کی رعایت امت کی سیرت
- ۱۰۲ ائمہ اربعہ کے تفردات اس حدیث کے تحت نہیں
- ۹۵ حدیث میں اجماع مسلمین کا سامنا نہیں کیا جاسکتا
- ۱۰۲ جواب
- ۹۵ حضرت مجدد اہل ثانی کے کلام سے
- ۱۰۲ جمہور کا خلاف اور اجماع میں فرق
- ۹۵ اجماع کو باطل ٹھہرانے کی بریلوی کرشمش
- ۱۰۲ بغیر ائمہ اربعہ اتفاق کے کہیں اجماع نہیں ہو سکتا
- ۹۵ امام ربانیؒ کے قول کے حق میں
- ۱۰۳ دور مجتہدین کے بعد کسی کو حق تفرد نہیں
- ۹۵ احمد رضا خاں نے اجماع کو عام رواج کا نام دیا
- ۱۰۲ غیر متقدمین عقائد میں اہل سنت کے خلاف میں
- ۹۶ اجماع اور چیز ہے اور تعامل اور چیز
- ۱۰۲ دور رسالت سے بعد کے باعث علم دین میں کمی
- ۹۶ امام ربانیؒ کی عبارت میں ہی احمد رضا کی تردید
- ۱۰۲ امام احمد اہل امام بخاری کے علم حدیث میں فرق
- ۹۶ پروری دنیا میں دوسری اذان جہم کہیں باہر نہیں گئی
- ۱۰۲ سادھے چھ لاکھ حدیثیں دینا سے اٹھ گئیں
- ۹۸ مولانا احمد رضا قتادیہ علمائے حریم کے خلاف
- ۱۰۲ امام ابوحنیفہ کا علم حدیث امام بخاری سے ملے
- ۹۹ مولانا احمد رضا عقائد میں علمائے حریم کے قائل
- ۱۰۵ اجماع کرنا پتہ کہنے کی ایک بریلوی تجویز
- ۹۹ تعامل اہل مدینہ فروغی مسائل میں
- ۱۰۵ علامہ شامی کی عبارت کی صحیح تفہیم
- ۹۹ تعامل اہل مدینہ اور توضیح ترمذی کی عبارت
- ۱۰۵ اور مولانا احمد رضا کی غلط فہمی
- ۹۹ مدینہ سے غبت کا اخراج
- ۱۰۶ احمد رضا کا دعویٰ کہ جمعہ کی اذان ثانی
- ۱۰۰ تعامل اہل مدینہ کو اور وہ بھی وقعت دی ہے
- ۱۰۶ مسجد میں صدر اول سے نہیں یہ حادث ہے
- ۱۰۰ حدیث صحیح بھی اجماع قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی
- ۱۰۶ مولانا احمد رضا اس کے حادث ہونے کا حوالہ دیں
- ۱۰۰ اس حدیث میں آگے کئی احتمالات ہیں
- ۱۰۰ حدیث استناد مجتہد کا کام ہے متقدم کا نہیں
- ۱۰۶ شامی کی عبارت میں الا اذا کان من
- ۱۰۰ امام ترمذی کی کتاب العلل سے استناد
- ۱۰۶ الناس كافة فی الجہان کلہما کا تشنار
- ۱۰۲ احمد رضا تعامل کو نفس قطعی کے خلاف لے آئے
- ۱۰۲ فاضل بریلوی کا اپنے لیے تفرد کا اثبات
- ۱۰۶ نفس قطعی کے خلاف واقعی تعامل کوئی چیز نہیں
- ۱۰۲ حدیث اتبعوا السواد الاعظم میں تاویل

- ۱۰۷ اس تفسیر شرطیہ کا مقدم محال ہے
- ۱۰۷ ما بین ایدہ بھیجی قرآنی آیات
- ۱۰۷ یہ حدیث اجماع و تعامل کا متنازعہ نہیں کر سکتی
- ۱۰۷ عند ملیک مقتد میں قریب مکانی مراد نہیں
- ۱۰۸ احمد رضا کے نزدیک محمد بن اسحق ثقہ ہیں
- ۱۰۸ عین یدی اور غنہ کے تفسیری حنفی
- ۱۰۸ شاہ ولی اللہ کے ہاں تنہا حکم کا اہل کون ہے؟
- ۱۰۹ صحیح بخاری کا ایک ہزار وغیرہ ہم تک نہیں پہنچ سکا
- ۱۰۹ صحیح بخاری میں والدہ کردہ الا نخی کی روایت
- ۱۱۰ احمد رضا کی پیش کردہ حدیث کا جواب
- ۱۱۰ علی باب المسجد کی بجائے صحیح الفاظ علی المسجد
- ۱۱۱ محمد بن اسحق پر وارد کی گئیں جرحیں
- ۱۱۶ حلال و حرام کے مسائل میں یہ حجت نہیں

تجلیات انوار المعین

- ۱۱۷ اذان جمعہ میں پہلے دور کا تعامل
- ۱۱۸ اذان جمعہ میں حضرت عثمان کے دور میں تبدیلی
- ۱۱۹ حضرت مولانا عبدالحی کھنوی کا تجزیہ
- ۱۱۹ حافظ ابن حجر کی مہلب سے روایت
- ۱۱۹ اذان اول کے اضافے سے اذان ثانی {
اعلام کے لیے نہ رہی۔
- ۱۲۰ عہد نبوی میں محرابوں کا وجود نہ تھا
- ۱۲۲ مسجد کے تین دروازوں کی تعیین
- ۱۲۲ مولانا احمد رضا کا نظرمین یدی کے حقیقی
معنی ترک کرنا۔
- ۱۲۴ عند مبارکہ عن القرب کما فی جامع الموزن
- ۱۳۱ مقدمہ
- ۱۳۶ احمد رضا خاں کا اذان جمعہ کو مسجد بدر کرنا
- ۱۳۶ اسے بدعت سید کہہ کر شہیدوں کا اعلان
- ۱۳۶ احمد رضا خاں غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر
- ۱۳۶ احمد رضا خاں عبد اللہ حکیم الدی کے نقش قدم پر
- ۱۳۶ احمد رضا خاں کی شوریدہ سر جاہل جماعت
- ۱۳۶ علماء کو مرعوب کرنے کے لیے پندرہ سوالات
- ۱۳۶ علماء کے قاری نہ ہونے کا سہارا لینا
- ۱۳۶ احمد رضا خاں قرأت سے اشتغال تھے

۱۴۳ مسنت غیر معروف مخاطب کے لائق نہیں پہلی ہرنچری دوسری ندوی تیسری دیوبندی ۱۴۰

۱۴۳ علماء بدایوں کا انہیں مناظرہ کا چیلنج اسی موج میں علماء دیوبندی کی کفریات کا شمار ۱۴۰

۱۴۳ بدایوں سے آٹھ دفعہ اشہدات چھپے مولانا انوار اللہ کا خط احمد رضا کے نام ۱۴۰

۱۴۳ مولانا احمد رضا خان کو نمائندہ مقرر کرنے کی ابتداء حضرت کے خط میں مصنف کا نام صریح مذکور تھا ۱۴۰

۱۴۳ مولانا احمد رضا کا اجلی انوار الرضا میں جواب بیس سوالات مولانا انوار اللہ کے نام ۱۴۰

۱۴۳ جابلوں کے مخاطب نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق کیا اب بھی مصنف مجہول رہا؟ ۱۴۱

۱۴۳ مولانا انوار اللہ فاروقی کی فرمائش پر چھپا اعلیٰ حضرت کے مشنری حشرات الارض پر نکلے ۱۴۱

۱۴۳ اس لیے وہ مخاطب نہیں نہ کہ مجہول مصنف

۱۴۳ کیا حضور نے بھی کبھی برابر کے شخص کی تلاش کی؟ ۱۴۵

۱۴۳ احمد رضا کا آستانہ لکھنؤ کے کوٹھے کے برابر ۱۴۶

۱۴۳ اب تحریری مناظرے سے بھی بھاگنے لگے ۱۴۶

۱۴۳ ڈوڑھ سال بعد صرف ایک جملہ صادر فرمایا ۱۴۶

۱۴۳ جابلوں کے مخاطب نہ کچھ مفید نہ ہمارے لائق ۱۴۷

۱۴۳ اجلی انوار الرضا بادھورام کی تحریر پر مہکتی ہے ۱۴۷

۱۴۳ محمد بن اسحق کی روایت استدلال بڑی دیدہ دلیری ۱۴۸

۱۴۳ اعلیٰ حضرت کا اس سے استناد اور بھی باطل ٹھہرا ۱۴۸

۱۴۳ فرنگی محل کے مولانا عبدالحی کی تائید ۱۴۸

۱۴۳ فاضل عبدالقادر کو جابل بنادیا ۱۴۹

۱۴۳ علماء بدایوں اور علماء رامپور کی خدمت ۱۴۹

۱۴۳ مولانا انوار اللہ پر الزام کہ رسالہ مجھے نہ بھیجا ۱۴۹

۱۴۳ اجلی انوار الرضا کی مختلف الانواع لہریں ۱۴۹

تجلیات انوار المعین

۱۴۴ پہلی تجلی

۱۴۴ مولانا بریلوی کا اشکبار و علم بسیط

۱۴۴ مولانا احمد رضا خان جہل مرکب

۱۴۵ فاضل بریلوی کی تیرہ خصوصیات

۱۴۵ ۱۔ بند خلاصی

۱۴۵ مولانا احمد رضا کا اپنے دعوے سے فرار

۱۴۵ فاضل بریلوی کا اقرار کہ اختلاف صرف فرعی تھا

۱۴۵ مولانا بریلوی نے اپنی چٹائی آپ ڈھادی

۱۴۵ نقص و استفسار میں فرق نہ کر سکے

۱۴۶ ۲۔ الزام بہالم یقزم

۱۴۶ مولانا عبد الغفار خاں رامپوری پر الزام بہالم یقزم

۱۴۶ مولانا امیری محمد بن اسحق کی رسوائی کو صحیح نہیں مانتے

- ۱۵۸ اعلیٰ حضرت کی زبردستی ۱۴۷ حدیث کو رد کرنے کی غلط راہ
- ۱۵۸ اذان جمعہ مسجد میں ہونا تو ارش سے اجماع نہیں ۱۴۸ ۵. خروج از دائرہ بحث
- ۱۵۸ اعلیٰ حضرت کا تعصب و جہل ۱۴۸ پوری امت کے مقابل فقہ مالکی کا سپہا
- ۱۵۹ توارث روشنی میں اجماع سے بھی بڑھ کر ہے ۱۴۸ ۶. صاحب کی پادروہا باتیں
- ۱۵۹ مگر اعلیٰ حضرت اس کو سمجھ نہیں پاتے ۱۴۸ فقہ مالکی میں بھی خارج مسجد کا حکم نہیں
- ۱۶۰ ۳. مخالفہ وہی ۱۴۸ ۷. محاذلہ
- ۱۶۰ علماء بدایوں کو دور مضمحلہ کا مخالفہ دینا ۱۴۹ ۸. اہل محل کے مشارالہ میں بلا وجہ جھگڑا
- ۱۶۰ اعلیٰ حضرت کے دور کا عجب تماشا ۱۴۹ ۹. خان صاحب کی بے تکی باتیں
- ۱۶۱ اعلیٰ حضرت بیٹ الخلاء میں رونق افروز ۱۵۰ ۱۰. خان صاحب خود اپنے چکر میں آگئے
- ۱۶۲ اعلیٰ حضرت کی اعلیٰ حضرت کی فطرت میں ۱۵۰ ۱۱. ابن حجر کی عبارت میں اجماع صاحب {
- ۱۶۲ اعلیٰ حضرت کا دعویٰ بھی دور کے چکر میں ۱۵۱ ۱۲. کے نقطہ کا مطالبہ
- ۱۶۲ مولانا احمد رضا کی دیدہ و دانستہ مخالفہ وہی ۱۵۱ ۱۳. ابن حجر کی فیصلہ کن عبارت
- ۱۶۳ متفرع اور موقوف علیہ میں فرق نہ کر سکے ۱۵۲ ۱۴. مولانا احمد رضا کا اذان اول کا انکاد
- ۱۶۳ اعلیٰ حضرت کی فنونِ عقلیہ سے نا آشنا ۱۵۲ ۱۵. اذان پہلے اعلام کے لیے ممتی
- ۱۶۳ القول الاظہر میں تواتر و اجماع کی حقیقت ۱۵۲ ۱۶. دور عثمانی میں انصاف کے لیے ہوگی
- ۱۶۳ اعلیٰ حضرت کی طفلانہ کٹ جھتی ۱۵۵ ۱۷. ۴. خصوصیت حق پوشی
- ۱۶۵ ۵. بہتان طرازی ۱۵۵ ۱۸. نقل اجماع کے تین مختلف پیرائے
- ۱۶۵ اعلیٰ الرضا کے ۱۵۲ ۱۹. ۲۵ پر ایک نظر ۱۵۵ ۲۰. خان صاحب کا قصد اظہار حق کو روکنا
- ۱۶۵ احمد رضا کی بصارت اور بصیرت دونوں میں ضعف ۱۵۶ ۲۱. ۸. خصوصیت باد بدستی
- ۱۶۵ مولانا احمد رضا کا افتراء محض ۱۵۶ ۲۲. اہل مغرب کے بیرون مسجد اذان کا ایہام
- ۱۶۵ فقہ صغریٰ اور فقہ کبریٰ کی ایک مثال ۱۵۷ ۲۳. فتح الباری کے ذباب کا ذکر نہ عبارت کھی

- ایک شاعر اور جاہل کا مقابلہ ۱۶۷ صحابہ پر الزام دھڑ کی ایک صورت نکال لی ۱۷۵
- مقیان کا بل نے اٹھنہ کر دہی کا الزام دیا ۱۶۸ اپنے کو صحابہ کے برابر جھٹنا شیعہ نہیں ہے ۱۷۵
- اٹھنہ کس طرح ایک جاہل کی تقلید میں لگے ۱۶۹ خان صاحب اپنے کو فعلی سے مجتہد سمجھ بیٹھے ۱۷۶
- اٹھنہ سے فتح الباری کے حوالے کا مطالبہ ۱۶۹ ۱۲. تحکم و حکومت طلبی ۱۷۷
۹. کج بحثی ۱۶۹ ہاں میں ہاں ملانے والوں کو بڑا بنا دینا ۱۷۷
- اٹھنہ نے بیہوشی انکار کا سبب بنیاد رکھا ۱۷۰ شیخ عبدالقادر شبلی کا کیا حال کیا ۱۷۷
- برہمروت کی طرف مستند ہو یا روایت کی طرف ۱۷۰ اٹھنہ اور میں اور احمد رضا خاں اور ۱۷۸
- ان اجماعوں کو ختم کرنے کی راہ ڈال دی ۱۷۰
۱۰. خلاف بیانی ۱۷۱
- من شد میں کرن داخل ہوا ۱۷۱
- احمد رضا کا اقرار کہ مستد فرعی ہے ۱۷۱ احمد رضا خاں کی فہمائش کی ضرورت ہے ۱۸۲
- اٹھنہ کے سوالات نقص اجماع کے متعلق ۱۷۲ احمد رضا خاں قبول حق کی کوئی امید نہیں ہی ۱۸۳
۱۱. انفراد و تحریف ۱۷۲ ہاں اٹھنہ اٹھنہ کو راہ مستقیم پر لاسکتا ہے ۱۸۳
- مجتہد کا اختلاف خلاف جمہور ہے ۱۷۲
- خلاف اجماع نہیں ہے ۱۷۲
- اجماع متقدم ہونے کا خلاف معتبر نہیں ۱۷۲
- غیر مجتہد کا اختلاف بالکل بے اثر ہے ۱۷۳
- جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں فرق ۱۷۳ بریلوی مجدد میں زور دے کہ کاتب کا ثواب سمجھیں ۱۸۱
- اٹھنہ ایک عبارت کو بے دریغ ہضم کر گئے ۱۷۴ لایوڈون فی السجدة تمام متون خالی ہیں ۱۸۴
۱۲. خود فراموشی ۱۷۴ ابن ہمام کہتے ہیں یہ شعر شاخ کا قول ہے ۱۸۵
- خاں صاحب کا خیال کہ ہم بھی صحابہ کے ہم پل ہیں ۱۷۴ علامہ کیلنی کتب مجربہ سے نہیں ۱۸۵

دوسری سہلی

فہمائش اول

عبارت میں لٹ پھیرنا ۱۸۳

عبارت انا کہ دوسرے پر تفسیق و تکفیر کا حکم لگا دینا ۱۸۳

بریلوی مجدد میں زور دے کہ کاتب کا ثواب سمجھیں ۱۸۱

لایوڈون فی السجدة تمام متون خالی ہیں ۱۸۴

ابن ہمام کہتے ہیں یہ شعر شاخ کا قول ہے ۱۸۵

علامہ کیلنی کتب مجربہ سے نہیں ۱۸۵

فہمائش دوم

۱۹۷	جواب مشائخ کرام		
۱۹۷	جواب اعلیٰ حضرت	۱۸۷	اعلیٰ کے قیاسی تئکے
۱۹۷	استفتاء سوم	۱۸۸	لائوڈون فی المسجد سے مشائخ کی مراد کیا تھی
۱۹۷	دو دنوں متفق	۱۸۸	افان مسجد کی نسبت آنحضرتؐ کے تخیلات
۱۹۸	استفتاء چہارم	۱۸۹	تقریبات مشائخ حنفیہ
۱۹۸	دو دنوں متفق	۱۸۹	علامہ شامی کا بیان رد المحتار میں
۱۹۸	استفتاء پنجم	۱۸۹	۲۔ قتادے عالمگیری کی عبارت
۱۹۸	جواب مشائخ کرام	۱۹۱	مولانا احمد رضا خاں کی نامتقولیت
۱۹۹	جواب اعلیٰ حضرت	۱۹۱	مولانا احمد رضا احادیث صحیحہ کے بھی خلاف
۲۰۰	مولانا احمد رضا کی دھوکہ دہی	۱۹۲	علامہ شامی کی شرح احادیث
	فہمائش سوم	۱۹۲	اور اذان کی ملت غایتہ
۲۰۰	مولانا احمد رضا کے خلاف ٹکڑی	۱۹۳	اعلیٰ حضرت کی طبع سازی
۲۰۰	قاضی خاں کے پیچھے حملہ کو اڑا دیا	۱۹۳	مسجد میں اذان نہ ہونے کی حکمت
۲۰۰	مذہب اندرون مسجد مانا گیا	۱۹۳	عبارت اول
۲۰۱	احمد رضا کو احترام حق سے لرزہ	۱۹۴	عبارت دوم
۲۰۱	احمد رضا اہل حق میں سے نہیں	۱۹۴	عبارت سوم
۲۰۲	احمد رضا غلطیات پر اتر آئے	۱۹۵	احمد رضا خاں اہل مشائخ کے مسلک میں فرق
	فہمائش چہارم	۱۹۵	استفتاء اول
۲۰۲	بلادہ تبیم سے سند لانا	۱۹۵	جواب مشائخ کرام
۲۰۳	احمد رضا کا عدم اسی پر کٹنا	۱۹۵	جواب اعلیٰ حضرت
۲۰۳	بین یدیدہ ڈیڑھ گز کی قید نہیں	۱۹۶	استفتاء دوم

- ۲۱۲ در پہلہ وار بات کرنا
- ۲۱۳ مزاج گالی کی بجائے پہلہ وار الفاظ
- ۲۱۴ ایسے الفاظ میں لفظ تین سے انس
- ۲۱۵ بایں لوگوں کا دو کا راسخو یوں کو تین کا
- ۲۱۶ تین چوٹوں پر تین روپیہ
- ۲۱۷ تیسرا سب میں سیدھا
- ۲۱۸ خلعت کی فطافہی اگر وہ اسے بخش کہے
- ۲۱۹ خان حبیب کے نفیس محاورات
- ۲۲۰ بخش محاورات پر شہید دل موافقت
- ۲۲۱ اہل حضرت کی ایک خاص عادت
- ۲۲۲ بالآخر مجددیت کی دھڑلے بٹھانا
- ۲۲۳ اعلیٰ حضرت کے سو قیام فقرے
- ۲۲۴ اعلیٰ حضرت دخول سے کہاں پہنچے
- ۲۲۵ اعلیٰ حضرت کی بخش گئی اور باشوں جیسی
- ۲۲۶ اعلیٰ حضرت مشرکین عرب کی پیروی میں
- ۲۲۷ اعلیٰ حضرت نے علماء کو مروت قرار دیا
- ۲۲۸ بنا غیظ و غضب صرف نفس پروری
- ۲۲۹ فتنہ امدنی علماء کو
- ۲۳۰ اعلیٰ حضرت نیت کے واحد ٹھیکیدار
- ۲۳۱ سنی بننے کے لیے ربی کا سوداگری محلہ
- ۲۳۲ پیچھے کا ہتھیار
- ۲۱۵ حضرت علیؑ اور عبداللہ بن مسعودؓ میں
حاضر یہ کہ عدت میں اختلاف
- ۲۱۶ اعلیٰ حضرت احتیاط کہنے کے لائق بھی نہ ہے
- ۲۱۷ اعلیٰ حضرت مسلمانوں پر تشدد نہ کریں
- ۲۱۸ **فہماشش پنجم**
- ۲۱۹ حضرت بلالؓ کی اذان اندرون مسجد
- ۲۲۰ مسجد کی چھت مسجد کے حکم میں
- ۲۲۱ حافظ ابن ہمام کی تصریح کہ مسجد
- ۲۲۲ آسمان تک مسجد ہے
- ۲۲۳ اعلیٰ حضرت کا حضرت بلالؓ پر حملہ
- ۲۲۴ ان تمام ذلتوں کا سرچشمہ
- ۲۲۵ **تیسری تجلی**
- ۲۲۶ اعلیٰ حضرت بھی تو صرف مفتی تھے
- ۲۲۷ دی مسئلہ میں وجاہت نہ چاہیے
- ۲۲۸ اعلیٰ حضرت کا معاصرین سے تقابل
- ۲۲۹ اعلیٰ حضرت نے کبھی تدریس نہ کی
- ۲۳۰ کثرت تصنیف سے عجب نہیں بنتے
- ۲۳۱ ادب صدالین ان سے بڑھ گئے
- ۲۳۲ جناب حکیم برکات احمد کی تالیفات
- ۲۳۳ وہ فضائل جن سے اعلیٰ حضرت مجد وجے

- ۲۲۱ اعلیٰ حضرت کے برابر یہ کسی میں فضیلت نہیں
- ۲۲۲ ہند میں صوفیہ سلسلہ رکھتے تھے
- ۲۲۳ اعلیٰ حضرت میں خشونت و غفلت
- ۲۲۴ اعلیٰ حضرت کی سیرت پر چند سوالات
- ۲۲۵ کیا کبھی ان کے ہاں راحت و نرمی دیکھی گئی؟
- ۲۲۶ ۱. اس مجدد نے کتنے مسلمان اور بنائے؟
- ۲۲۷ ۲. مدعی تجدید کے اس قول و فعل میں مطابقت؟
- ۲۲۸ ۳. مدعی تجدید میں کیا شان تو وضع تھی؟
- ۲۲۹ ۴. مجدد صاحب کا لوگوں سے سرد گفتگو
- ۲۳۰ ۵. مجدد صاحب کی لوگوں کے عیوب و اغماض کی عادت
- ۲۳۱ ۶. مجدد صاحب کا حدود سے تجاوز کرنا
- ۲۳۲ ۷. مجدد تجدید کے کلمات و لازاری
- ۲۳۳ اعلیٰ حضرت کا ایک صوفی کے طور پر جائزہ
- ۲۳۴ جملہ کائنات مغیر اسماء الہی ہے
- ۲۳۵ مجدد صرف اسم جلال کا منظر کیوں؟
- ۲۳۶ تمام مصائب ایک طرف دوسری
- ۲۳۷ طرف اس کی مصیبت غلطی
- ۲۳۸ اعلیٰ حضرت کی ذات عذاب الہی کا منتظر
- ۲۳۹ وہ کون غلط یا مدوسہ جہاں اس کا جلال نہیں پڑے
- ۲۴۰ جلال کا پہلا شرارہ
- ۲۴۱ جلیوں کے پرچہ شمس العلوم پر الزام ہے ادبی
- ۲۴۲ دلی زمان سے علماء بدالیوں کی تکثیر
- ۲۴۳ احمد رضا خاں کا مولانا جاجی پر حملہ
- ۲۴۴ جلال کا دوسرا شرارہ
- ۲۴۵ احمد رضا کا مولانا نظامی نجوی پر حملہ
- ۲۴۶ احمد رضا کا حدیث رسول پر حملہ
- ۲۴۷ احمد رضا وجوب استحسانی کو نہ سمجھ پائے
- ۲۴۸ جلال کا تیسرا شرارہ
- ۲۴۹ پرچہ شمس العلوم پر ایک اور اعتراض
- ۲۵۰ حضرت ادیس قمری کو دیوانہ کہا
- ۲۵۱ احمد رضا کا حضرت امیر خسرو پر حملہ
- ۲۵۲ جبریل کو مرغ اور فرشتوں کو گس کہا
- ۲۵۳ احمد رضا کے دہلی ہونے کا ابہام
- ۲۵۴ جلال کا چوتھا شرارہ
- ۲۵۵ حضور کے چہرے کو کھڑا کہنا تعین ہے
- ۲۵۶ میرٹھ کے میاں یزدانی کا شعر
- ۲۵۷ احمد رضا لوگوں کو نجدی کے پیرو بنا رہے ہیں
- ۲۵۸ جلال کا پانچواں شرارہ
- ۲۵۹ کیف تشنہ کو کہتے ہیں اس کا
- ۲۶۰ شان اقدس میں استعمال ہے ادبی؟
- ۲۶۱ صحابہ پر شراب کا ابہام پیدا کرنا
- ۲۶۲ احمد رضا کی حضورؐ کی شان میں گستاخی

جہاں کا چٹا شرارہ

مجھ کو قسین کی دمن سوا ہے

دین کی گردش ملنے کا الزام

جہاں کا ساں شرارہ

حشاک بعثت بڑی نعمت نہیں

جہاں کے پرچہ مذاکر علیہ پر احراض

نہاں مجھ سے بکرا نکار

فضیلت ۳ عمل بالحدیث

۲۳۶

فضیلت ۴ کبر و انانیت

۲۳۶

لوگ اعلیٰ حضرت کو دہائی سمجھتے ہیں

۲۳۶

اپنی ماسی میں من بن مباح سے بڑھ گئے

۲۳۶

پہلی دہائیت

۲۳۶

حضرت اور حضرت عثمانؓ میں مقابلہ پیدا کیا

۲۳۷

حضرت عثمانؓ کی دلا دیر پند پرستی کا الزام

۲۳۷

یہ تو اعلیٰ حضرت کے راضی ہونے کا ثبوت ہوا

۲۳۷

اس سے دہائیت ثابت نہ ہوئی

۲۳۷

دوسری دہائیت

۲۳۸

مولانا عبدالغفار رامپوری کے دعویٰ کی تردید

۲۳۸

حضرت کیسے تشریف لے آئے تھے ؟

۲۳۸

کیا حضرت عثمانؓ اعظم بغداد کے گنبد میں بند ہیں ؟

۲۳۹

تیسری دہائیت

۲۳۹

بدایوں کے پرچہ مذاکرہ علیہ پر حملہ

۲۳۹

ارادت نے آنکھیں تنہوں سے عین

۲۳۹

اس کا ثبوت معارج میں کہیں نہیں ملا

۲۳۹

حضرت کی نعمت سے اعلیٰ حضرت کی بیزاری

۲۴۰

مجاز و استعارہ کا وجود ماننے سے انکار

۲۴۰

اعلیٰ حضرت کے اصول پر کوئی نعمت نہ کہہ سکے گا

۲۴۰

ہر سنی اعلیٰ حضرت کے نزدیک دہائی ہے

۲۴۱

خان صاحب کے اپنی شان میں اپنے قرعے

۲۴۱

خود ہی امام اہل سنت

۲۴۱

امام بے ہمتا ہونے کا دعوے

۲۴۱

محمدی کچھار کا شیر شہزادہ حیدری سے اٹھا

۲۴۲

جس کے علم سے حق کی پیشانی جگمگا اٹھی

۲۴۲

حند نے مجھے آفتاب کمال بنادیا

۲۴۲

محمدی شیر چار طرف تدار چور رہا ہے

۲۴۳

اپنے چھوٹے صاحبزادے کی عزت

۲۴۵

آل الرحمن کہہ کر کی تو خود کیا مجھے ؟ جن

۲۴۵

(استغفر اللہ)

۲۴۵

اعلیٰ حضرت سے آخری گزشت

۲۴۵

صفت اقول الاظہر ہے تو کونسی

محنت فی مذ کی محنت یہ آپ کو کیا سر بھی۔

ہم بے محاب آپ سے مخالبہ چاہتے ہیں ۲۴۶

مقدمہ حکیم الاسلام قادری محمد طیب

مولانا احمد رضا خاں پرودہ تبرے

۲۴۹

پرودہ تبرے غیر جانبدار نظر میں

۲۴۹

جناب ماہر تقلیدی بدایونی کی ان پر رائے

۲۴۹

حضرت حکیم الاسلام سے آپ کے دیرینہ تعلقاً

۲۴۹

بدایونی صاحب سے بعض نگرانیات میں اختلاف

۲۴۹

بریلی کے مجتہد عائد اور مشرک آمیز جذبات

۲۵۰

بریلویوں کا اقدام ترین نظریہ بخیر فی مشغلہ

۲۵۰

دیوبند کا بعض امور میں قادری صاحب سے اختلاف

۲۵۱

علماء دیوبند مدعیہ صحابہ سے مسلسل طے آپ ہیں

۲۵۲

علماء دیوبند اہل سنت سے علیحدہ فرقہ نہیں

۲۵۲

اہل سنت کے چہرے قیامت کو روشن ہوں گے

۲۵۲

اہل بدعت کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے

۲۵۲

اہل سنت کا لقب عبد محمد سے چلا آ رہا ہے

۲۵۳

اہل سنت اور اہل بدعت کا تقابل

۲۵۳

صحابہ ہی حق و باطل کے امتیاز کا صحیح معیار ہیں

۲۵۳

علماء دیوبند کوئی فرقہ نہیں اصل ملت ہیں

۲۵۴

وقت اصول و کلیات کی تبدیلی سے ہوتا ہے

۲۵۴

اعتقاد ہی اختلافات سے فرقے نہیں بنتے

۲۵۴

غلو کبھی غلبہ محبت سے ہوتا ہے

۲۵۴

اور کبھی عداوت کی راہ سے۔

۲۵۴

غلو کبھی عقل و خرد میں ہوتا ہے

۲۵۴

غلو کبھی عداوت کی راہ سے ہوتا ہے

۲۵۴

غلو کبھی نفسانی جذبات کی راہ سے

۲۵۴

علماء دیوبند کی دعوت اعتدال کی رہی

۲۵۴

علماء دیوبند میں علم صحیح اور عشق مخلوق کا امتزاج

۲۵۵

علماء دیوبند کی مقبولیت کی بنا محض علم نہیں

۲۵۶

علم عشق کی جامعیت اور اعتدال ہے۔

۲۵۶

علماء دیوبند جامع بین الدنایہ والدنات

۲۵۶

علماء دیوبند جامع بین العقل والعقل

۲۵۶

علماء دیوبند جامع بین العلم والعشق

۲۵۶

علماء دیوبند جامع بین المال والعال

۲۵۶

علماء دیوبند جامع بین الفقہ والسلوک

۲۵۶

بریلوی حضرات اپنے منہ پر و گرام

۲۵۶

کے تحت ناکام ہوئے۔

۲۵۶

وہ خالق و مخلوق میں فاصلے قائم نہ رکھ سکے

۲۵۷

وہ معصوم اور ظالم معصوم کا فرق قائم نہ رکھ سکے

۲۵۷

ذاتی اور عطائی کے فرق سے وہ سب ٹانگے

۲۵۷

- سجدہ مذکور بھی اور اللہ والوں کو بھی ۲۵۷
 طواف بیت اللہ کا بھی اور قبروں کا بھی ۲۵۷
 مرادیں غلطے بھی اور قبروں سے بھی ۲۵۷
 اللہ کے نام پر قربانی اور عزالت پر بھی ۲۵۷
 اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر حضور بھی حاضر مناظر ۲۵۷
 خدا سے نسبت عبدیت اور بندوں کی بھی عبدیت ۲۵۷
 عبد اللہ نام تو عبد المصطفیٰ بھی نام ۲۵۷
 مستوی عرض ہی زمین پر جلوہ گر ہوا ۲۵۸
 علماء دیوبند کی دینی محنت کے چھ محور ۲۵۸
 تعلیم کے میدان میں مدارس کا جال ۲۵۸
 دعوت و تبلیغ میں دنیا کے ہر ملک میں مجاہدیں ۲۵۸
 ایک صدی سے حقوق طلبی کی سیاسی سطح پر محنت ۲۵۸
 ہم انگریز مخالف تحریک میں نمایاں کردار ۲۵۸
 امت کی باطل تحریکوں کے ہر محاذ پر مہانت ۲۵۹
 اخلاقی تربیت کے لیے سلاسل بیعت و ارشاد ۲۵۹
 بریلوی اسلام کے چار نقوش ۲۵۹
 ۱. احمد اور احمد میں صرف میم کا فرق ہے ۲۶۰
 ۲. یا اللہ اور یا محمدؐ کہہ دیا علی اور یا غوث بھی پکارو ۲۶۰
 ۳. پنج وقتہ اذان میں بھی یا رسول اللہ کی پکار ۲۶۰
 ۴. جیسے اللہ کا دباؤ اپنے بندوں پر ایسے ہی ۲۶۰
 اہل اللہ کا دباؤ اپنے اپنے شہروں میں ۲۶۰

تبصرہ ماہر القادری البدایونی

- پروفیسر سعید احمد کا بیان ۲۶۹
 مولانا احمد رضا خاں علماء حجاز کی نظر میں ۲۶۹
 پروفیسر سعید کا کنز الایمان کی ناقبولیت کا اقرار ۲۶۹
 مسعود رضا کا اقرار کہ احمد رضا کی سوانح نہ لکھی گئی ۲۶۹
 مولانا احمد رضا پر مداحی کے سوا کچھ نہیں لکھا گیا ۲۶۹
 بریلوی اپنے ممدوح کا کوئی ڈھنگ ۲۷۰
 کاتبہ کردہ نہ کر سکے ۲۷۰
 نئے ملکی حالات میں احمد رضا خاں ۲۷۰
 پر کتابیں آنا شروع ہو گئیں ۲۷۰
 مولانا احمد رضا پر کتابیں محنت ۲۷۰
 تقسیم کی جانے لگیں ۲۷۰
 ۲۶۲ صفحات کا مجموعہ بھی تقسیم کیا گیا ۲۷۰

- ۲۸۰ ماہر القادری بدایونی علماء بدایوں کس طرح بد کے
- ۲۸۰ مولانا عبد القدیر کے مدرسہ قادریہ میں قیام
- ۲۸۰ ماہنامہ نظام الملک چھپوانے کی تجویز
- ۲۸۰ باب الفقہ کے لیے فقہ کی کتابیں دیکھیں
- ۲۸۰ ان میں کہیں ان بریلوی رسوں کا ذکر نہ پایا
- ۲۸۱ قبول پر پھل چڑھانے کے لیے {
- ۲۸۱ سند لانے کی کوشش۔
- ۲۸۱ عرضیاں مکہ ک قبروں کی جالیوں پر لٹکا دینا
- ۲۸۱ مولانا عبد القدیر سے سوال کیا یہ بدعات نہیں؟
- ۲۸۱ جواب از مولانا عبد القدیر بدایونی؛
- ۲۸۱ بدعت صرف مولوی اشرف علی کا نام ہے۔
- ۲۸۲ مولانا اسماعیل شہید کو دن رات بدنام کرنے کی کوشش
- ۲۸۳ احمد رضا خاں آل عثمان (دترکوں) کی مخالفت میں
- ۲۸۳ تحریک خلافت کے خلاف ددام ہیش لکھی
- ۲۸۳ علماء دیوبند کے اصلاحی رسا برابر بھیتے رہے
- ۲۸۳ تھانہ بھولن الامداد۔ النور البہادی
- ۲۸۳ دیوبند سے المنفی القاسم الرشید
- ۲۸۴ دیوبند سے ہمیشہ خبر ہی پھیلا ہے
- ۲۸۵ مسعودی کا اقرار کہ احمد رضا کے {
- ۲۸۵ مزاج میں شدت تھی۔
- ۲۸۵ شرک و بدعت کا پہلا مرکز بدایوں تھا
- ۲۸۰ مدرسہ کے دین و مذہب کی اشاعت وقت کے
- ۲۸۰ یاسی اتحاد کے مطابق عمل میں لائی گئی۔
- ۲۸۱ فیضیت کی ذمت کسی تعارف کی محتاج نہیں
- ۲۸۱ پناہ طبقہ بریلی سے اور تعلیم یافتہ دیوبند متاثر ہے
- ۲۸۲ دیوبند لوگ دینی مدرسوں کا جال دہلی اور سہ سہجیل
- ۲۸۲ لاہور ڈیپٹل مینٹھو (علی گڑھ) ویلور (مدراں)
- ۲۸۲ شمالی ارکاٹ اور تشر لہدیانہ عائد ہر کراچی میں
- ۲۸۳ سرحدی میں دیوبندی مدرسوں کی کثرت
- ۲۸۳ افریقہ مالیش برما سنجارا افغانستان میں
- ۲۸۳ علماء دیوبند کی حدیثی خدمات کے دس تذکرے
- ۲۸۴ بدایوں میں سو فیصد بریلوی (دوسرے کے پابند) تھے
- ۲۸۴ میر دل میں اٹھ بیٹ لہو علماء دیوبند سے نفرت
- ۲۸۴ لٹھے بیٹھے یا غوث اور یاد ستگر کا درد
- ۲۸۴ حضرت غوث پاک کا نام بے وضو لینے {
- ۲۸۴ سے زبان کٹ جاتی۔
- ۲۸۴ گیارہویں کا تبرک زبان تلے آنے پر پرنزائے موت
- ۲۸۴ درخت کے پتے پتے پر غوث اعظم بیٹھے دیکھے
- ۲۸۴ قصبہ گنور میں ہر سال رجبی شریف ہوتی
- ۲۸۴ مولوی فخر شاہ کی تقریر میرا دلاد سے کہتے ہیں
- ۲۸۴ تم اپنی عمدتوں کو ہمارے پاس لاؤ {
- ۲۸۴ پھر دیکھو اولاد ہوئی ہے یا نہ؟ تنقیر اللہ

فضل رسول بدایونی نے پیچھے دہا پیچہ کو موضوع بنایا ۲۸۵

مکین کو ہندوؤں کے شرک نہ کھلا شرک ہے

احمد رضا نے عبدالقادر بدایونی پر قصیدہ لکھا ۲۸۵

بریلویوں کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی

جہد کی اذان ثانی پر ملا۔ بدایوں سے بھی اختلاف ۲۸۵

قدست اپنے بندوں کو عطا کر رکھی ہے

علماء بدایوں نے احمد رضا پر توہین کا دعویٰ کر دیا ۲۸۵

شیطان نے دل میں ڈالا کہ خدا کا نام لے

دوباب حامد علی والی ریلپور نے اسے حکم کرایا ۲۸۵

ڈاڑھی منڈلنے پر قتل کی وعید گھڑی

مولانا احمد رضا نے دہا پیوں اور دیوبندیوں کو

شرک ایمان کے لیے زہر قاتل ہے

قادیا نیوں پیر لیں اور شیعوں سے ملا دیا۔ ۲۸۵

صحابہ پر حضرت یحییٰ کا مومن ہونا نہ کھلا

دہا پی رافضی قادیا نی وغیرہم مرتدین ۲۸۶

اولیاء اللہ کے بارے میں عقیدہ کہ وہ

ان سب کے ذیحے محض نفس مراد قطعی ۲۸۶

سب کچھ جانتے ہیں۔

ندوة العلماء کے خلاف بھی الجہاد لازمہ دی ۲۸۶

واقعہ انکس سے استدلال

۱۸۹۹ء فتاویٰ الحرمین برجہ ندوة المسین ۲۸۷

تبصرہ بدایونی قادیا نی برتر جمہ احمد رضا قادیا

علماء دیوبند کی اردو عبارت علماء عرب کے

حکام شیر محمد احمد رضا کے علم کی لہروں میں

سائنس اپنے تراجم سے پیش کریں۔ ۲۸۷

علامہ شامی اور طحاوی کو انکی شاگردی کی آرزو

مولانا خلیل احمد تاقب میں سمجھے جا پہنچے ۲۸۷

حکام شیر محمد کی اپنی اردو کے دلچسپ نمونے

حقیقت کھلنے پر بعض علماء کا اپنے فتوؤں کو جرح ۲۸۷

ہشت اور اٹھ دہشت دونوں عصمت انبیاء کے قائل

بریلی سے تکفیر کی چانداری پھر بھی نہ ٹر کی ۲۸۸

مولانا احمد رضا کی علم کلام کے بانی ثابت نہیں ہو

احمد رضا نے صمد میں الوہی صفات پیش کیں ۲۸۸

ہاں محال میلاد کی مشعلیں انہوں نے ضرور روشن کیں

انبیاء کی قبروں میں ان کی ازدواجی زندگی دکھائی ۲۸۸

محال میلاد کی ابتداء آٹھ سال پہلے کیا بادشاہ کی

حضور کے مہراج جہاں کی ہاں ٹھہرانے والا شعر ۲۸۹

مولانا احمد رضا نے مختصر عمر پائی (۲۵ سال)

قرآن کی تعلیمات عقائد میں تصادم ۲۸۹

مولانا کا فتیہ کلام انکی سب کتابوں پر فوقیت لگے گی

صرفیہ میں احمد یحییٰ مکین اور اصحاب تلویز ۲۹۱

نزد الایمان میں زبان و ترجمہ کی غلطیاں

اور اللہ بھی داد دیتا ہے (شیخ الہند) ۲۱۶

اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہے (احمد رضا) ۲۱۶

۲۱۷ { مکر کے معنی کسی شخص کو حیلہ سے اس کے مقصد سے پھیر دینا ہے۔

۲۱۱ { نیدع مع اللہ میں دعوت کا ترجمہ ہرے کی بجائے پوجنے سے کیا ہے۔

۲۱۷ محمود بھی ہوتا ہے اور کبھی مذموم بھی (الفردا)

۲۱۱ { ہنواؤں تکہ میں دعوت کا ترجمہ پوجنا ہوتا معنی ہوگا کہ جبری نمازوں سے روکا گیا ہے۔

۲۱۷ ۷۔ نسوا اللہ فلسفہ

۲۱۷ خدا کے لیے بھول جانے کا لفظ نہیں آسکتا

۲۱۲ ہذا خبیہ دایا لستین ترجمہ حکم آیت ہے

۲۱۷ اللہ نے ان کو چھوڑ دیا (احمد رضا)

۲۱۲ لانا انیم الدین مراد آبادی اس آیت پر تخریف

۲۱۸ { رب اپنے بندے کو چھوڑ کیسے سکتا ہے اللہ یستہزی بہ۔

۲۱۲ حاکم کا تقابلی مطالعہ

۲۱۸ اللہ کی طرف غیر اللہ کی نسبت ناجائز نہیں

۲۱۳ فذلک الکتاب لاریب فیہ

۲۱۹ یہ شیت تکوینی کا بیان ہے

۲۱۳ انا احمد رضا خاں حضرت ابن عباس کے خلاف

۲۱۹ ۸۔ ولقد همت به و هت بهما (سورہ یوسف)

۲۱۳ لانا احمد رضا آٹھ جلیل القدر تفسیر کا خلاف کیا

۲۲۰ نفس کے کٹنے پر مؤاخذہ نہیں ہوتا

۲۱۴ لانا احمد رضا خاں کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے

۲۲۰ دل کے دوسرے پر شرفا پیکر نہیں

۲۱۴ ۱۸۔ البقرہ کی آیت ۲۱ میں تتقون کا ترجمہ

۲۲۰ ہم کے دعویٰ اپنے عمل کے اعتبار عدا ہیں

۲۱۴ ۱۹۔ اهل بلفیض اللہ میں لانا تھا تو کسی ترجمہ پر قرآن

۲۲۱ ۹۔ انک لفی ضلالک القدیم دیک

۲۱۸ لانا احمد رضا اس میں شاہ عبدالعزیز کے خلاف

۲۲۱ حضرت ابن عباس نے ضلال سے خلا ملو لی ہے

۲۱۹ ۱۰۔ یجادعون اللہ و هو خادعہم میں

۲۲۲ ۱۰۔ ووجدک ضالاً فہدی

۲۱۹ دعا کا لفظ درست نہیں۔

۲۲۳ وہ انہیں فاقل کر کے مارے گا۔ (احمد رضا خاں)

۲۱۹ وہ انہیں فاقل کر کے مارے گا۔ (احمد رضا خاں)

۲۲۳ خود رفتہ کے معنی فرہنگ تصفیہ میں

۲۱۹ ۵۔ ویکدون ویکدون اللہ

- ۲۲۳ آپ سے باہر مدح بخشی اور بے خبری
- ۲۲۳ موزوں ترجمہ نادائق راہ ہے
۱۱. حتی اذا استيس الرسل واطنوا انهم قد كفوا
- ۲۲۴ ناامید ہونے لگے (شیخ الہندؒ)
- ظاہری اسباب کی امید نہ رہی (احمد رضا) ۲۲۴
- لوگوں سے یوں ہو گئے خدا سے نہیں
۱۲. قال هؤلاء بنی ان کنتم فاعلین (ابن حجر) ۲۲۴
- اگر تم میرے کہنا کر دیکھنا عملی مصلح سے ہو گا ۲۲۵
- ان کنتم فاعلین سے جہانزدہ مراد ہے ۲۲۶
- ہن اظہر لکم سے یہ بات از خود عیاں ہے ۲۲۶
۱۳. وعصی اادم ربه فتوى. (طہ) ۲۲۶
- مولانا عاشق الہی کا ترجمہ اور احمد رضا کا ترجمہ ۲۲۶
- عصی کے معنی لغت میں نافرمانی کے ہی ہیں ۲۲۶
- نفرش کے نہیں لغزش کو ملت کہتے ہیں ۲۲۶
۱۴. فظن ان لن نقدر عليه (انبیاء) ۲۲۷
- قدر سے مراد دار و درگزر ہے یہ نہیں کہ اس ۲۲۷
- کی قدرت ہی چیلنج کر دی جاتے ۲۲۷
- ظن سے مراد گمان کا درجہ ہے یقینی ۲۲۷
- اور عقیدے کی بات نہیں۔ ۲۲۷
- حضرت یونس کی لغزش نیا دہ گرفت ۲۲۷
- کے پچالے میں اتاری گئی۔ ۲۲۷
۱۵. قال فعلها واما من الصالحين (پہ) ۲۲۸
- قبلی کا قتل گونا گونی میں ہوا مگر عمل یہ بڑی ۲۲۸
۱۶. واما من الصالحين (صالحین) ۲۲۸
۱۷. واستغفر لذنبيك وللمؤمنين والمؤمنات ۲۲۸
- قرآن میں ذنب کی نسبت جو حضرت کی طرف کی گئی ۲۲۸
- مولانا احمد صاحب نے یہ اسے آپ کی طرف نہیں کیے پڑو کی ۲۲۸
- طرف نسبت کیں کیا یہ قرآن پر اعتراض نہیں؟ ۲۲۸
- سپر ترساح اہلسنت ہاں قاذر نبوت نہیں ۲۲۸
- بنی کا معصوم ہونا معصوم ہونا سبوح و ۲۲۸
- قدوس کے درجہ میں نہیں۔ ۲۲۸
- ایسا ہر تو اللہ کی طرف عفو کا اعلان کیوں ہوا؟ ۲۲۸
۱۸. عفا الله ذنبا لم اذنت لهم. (توبہ) ۲۲۸
۱۹. والنجم اذا هوى. ۲۲۸
- نجم سے مراد تارا ہے یا حضور؟ ۲۲۸
- مفردات میں معنی مارا ہی دیا گیا ہے ۲۲۸
- حضرت ابن عباس نے ثریا ستارے سے مراد لے ۲۲۸
- مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ کی چند جھکیاں ۲۲۸
۱. انك لعلی خلق عظیم ۲۲۸
۲. خلق کا ترجمہ خوبو ۲۲۸

- ۲۳۶ ۴۳۷ ۱. فاد امتس الانسان ضر دعانا
۲۳۷ ۴۳۷ ۲. دعانا کا ترجمہ ”ہمیں بلاتا ہے“
۲۳۷ ۴۳۷ ۳. صحیح ترجمہ نہیں پکارتا ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۴. اور ارادہ فی برحقہ
۲۳۷ ۴۳۷ ۵. یادہ محجہ پر مہر فرماتا ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۶. فضل و رحمت کی بجائے مہر
۲۳۷ ۴۳۷ ۷. لیتخذ بعضہم بعضا سخویا
۲۳۷ ۴۳۷ ۸. کہ ایک دوسرے کی ہنسی بنائے
۲۳۷ ۴۳۷ ۹. ہنسی بنانا نہ روزمرہ ہے نہ محاورہ
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۰. ہنسی اڑانا ہوتا ہے نہ ہنسی بنانا
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۱. هدف المتقین
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۲. ہدایت ہے ڈروالوں کے لیے
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۳. بہتر ترجمہ پرہیز گاروں کے لیے
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۴. الحمد للہ رب العالمین
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۵. حمد کا ترجمہ خوبیاں کیا ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۶. صحیح ترجمہ حمد و ثنا
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۷. رب کا ترجمہ مالک کر دیا
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۸. فی الحجارة و اشد قسوة
۲۳۷ ۴۳۷ ۱۹. بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۰. سخت کر کر کہنا کھنسنے میں استعمال نہیں ہوتا
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۱. و علی ابصارہم غشادہ
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۲. اور ان کی آنکھوں پر گھساٹا ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۳. گھساٹا فلاف کر کہتے ہیں
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۴. دوسرا ترجمہ نہایت سیاہ
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۵. صحیح ترجمہ پردہ چاہیے تھا
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۶. ۹. ضاع معطو المنذرين (الشراہ)
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۷. کیا ہی برابر سادہ تھا ڈرائے گیوں کو
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۸. ڈرائے گیوں کیسی دیہاتی زبان ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۲۹. ۱۰. رب تجنی و اہلی معا یطون
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۰. مجھے ان کے کام سے بچا
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۱. ۱۱. کات فی اوبینہ و قرا. (رقمان)
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۲. جیسے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۳. ٹینٹ کے معنی فلفل سمجھے ہیں
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۴. جیسے ان کے دونوں کان بہرے ہیں
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۵. ۱۲. وان نقاسرتم فترضع لہا خوی
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۶. اگر باہم مضائقہ کرو عجیب ترجمہ ہے
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۷. مولانا احمد رضا خاں نے مخصوص عقیدوں کے لیے راہ سہوار کی ہے۔
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۸. بنی کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے والا کیا
۲۳۷ ۴۳۷ ۳۹. ساری امت عطائی درجہ میں عالم الغیب
۲۳۷ ۴۳۷ ۴۰. حضور کی اس عقیدے سے ناپسندیدگی
۲۳۷ ۴۳۷ ۴۱. قرآن کی آیت نفی علم غیب پر

۳۴۱ اہل بدعت کی ذاتی اور صفاتی کی تفریق

۳۴۲ بریلویوں کا عقیدہ کہ رساری دنیا کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہی چلا رہے ہیں۔

تیسرے بریلیائیے کنز الایمان

۳۴۳ مولانا احمد رضا کی مداحی میں تمام پچھلے علماء پر بخیر تری چھینٹے۔

۳۴۴ اگر عزمین کے پیچھے ہم سناذ کیوں پڑھیں

۳۴۵ انتخابات میں عرس و وفا ختم کے نام پر ووٹ

۳۴۶ اس دوران احمد رضا پر

۳۴۷ پٹھے کھے لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے لٹریچر پیدا کرنے کی ہم

۳۴۸ نظام اسلام کی بجائے نظام مصطفیٰ

۳۴۹ کنز الایمان پر فاران میں تبصرہ

۳۵۰ اس کے برہم ہو کر ایک اور نیا رسالہ

۳۵۱ کنز الایمان میں زبان کی غلطیاں

۳۵۲ مابہر القادری کا عقیدہ دربارہ عصمت انبیاء

۳۵۳ مابہر القادری کے بغیر رنگ پر تبصرہ

۳۵۴ شان رسالت کے انکار کا الزام

۳۵۵ قادری صاحب کی ایک نفیس نعت

قادری صاحب پر تکرار کو نمونہ لکھنے کا الزام ۳۵۱

۳۵۲ پنڈت رتن ناتھ کے ہاں سے استعمال

۳۵۳ لفظ اہل سنت و اجماعت پر اعتراض

۳۵۴ ذات اقدس نہیں ذات مقدسہ کہنا چاہیے تھا

۳۵۵ سیرت النبی میں اس کا اس طرح استعمال

۳۵۶ شکل کشائی میں لفظ مشکل سہر کا بے گھرہ گیا

۳۵۷ مولانا غلام رسول سعیدی کی شکل کشائی میں لکھ رہے تھے

۳۵۸ مابہر القادری پر واحد جمع نہ جاننے کا الزام

۳۵۹ ناسخ لکھنوی سے سند مل گئی

۳۶۰ سپرد ساج قادری عصمت نہیں

۳۶۱ غیب اور علم غیب پر بحث

۳۶۲ غلام رسول سعیدی کنز الایمان کی صفائی دینے

۳۶۳ کی بجائے مابہر القادری کی اردو کو لے بیٹھے۔

۳۶۴ مکتبہ بیلی کی اردو تالیفات کے چند نمونے

۳۶۵ مولانا سعیدی بھی علامہ شامی کی غلطیاں نکالنے لگے

۳۶۶ نظام حیدر آباد کو انگریزوں نے اعلیٰ حضرت کا خطاب دیا

۳۶۷ ذاب حمید اللہ والی ممبر پال کو بھی اعلیٰ حضرت کا خطاب دیا

۳۶۸ بریلویوں نے احمد رضا کو اعلیٰ حضرت کا خطاب دیا

۳۶۹ مولانا احمد رضا درسی کتابیں کیوں نہ پڑھ سکے

۳۷۰ رحمانی سنت رسول کا ذکر اور مبلغ تھا

- سیرت النبی کے جیسے بحث نہیں ہیں ۲۷۱
 حامد اشرف اپنی محفلوں میں سیرت کا عام ذکر ۳۷۱
 تے لیکن انہوں نے کسی ایک دن جشن نہیں منایا ۲۷۱
 فضل سیلاؤنیک بادشاہ کی نکالی ہوئی رسم ہے ۲۷۲
 بیشتر صحابیہ کے مزارات بے چراغ و بے غلاف ہیں ۳۷۳
- جو محلہ بن پاجامہ پہنچتے تھے ان کا عمل صیت نہ تھا ۲۷۴
 چوتھی سے فاسق و فاجر بہتر ہو گیا ہے ۲۷۵
 تلاوت کے وقت احترازا کھڑا ہونا درست نہیں ۲۷۶
 قرآنی آیات میں دعوت کے معنی لیجئے کہ نہیں ہیں ۲۷۷



blank page

مقدمہ

مولانا احمد رضا خاں خیر آبادی علماء کی نظر میں

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اہل سنت کے بالمقابل اہل بدعت دوسری صدی میں ہی ریختے لگے۔ بدعت فی العقائد کے مجرموں نے اپنے اپنے پلیٹ فارم علیحدہ ترتیب دے لئے لیکن بدعت فی الاعمال کے مجرم اہل سنت کی صفوں میں برابر گھسے رہے اور انہیں کسی معروف مقتدر عالم نے علمی استناد مہیا نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس امت پر پہلا ہزار سال گزر گیا اور بدعت کو اہل سنت کے حلقوں میں کہیں جماعتی سرپرستی نہ ملی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (1034ھ) کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل سنت کے حلقوں میں کہیں کہیں بدعات کے تاریک بادل پیشک اشے اور کئی درویشوں نے بدعت حسنہ کے سائے میں ان کے لئے اپنی کھڑکیاں کھول دی تھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی اہل بدعت نے کہیں اپنی علیحدہ دیواریں کھڑی نہ کی تھیں اور نہ ہی اہل سنت کے قلعہ میں اہل بدعت اپنے لئے کوئی علیحدہ دروازہ کھول پائے تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے پیروں میں محدثین دہلی کتاب و سنت کے مسند آراء علم (تدریس میں ہو یا تبلیغ میں) ہوئے۔ دہلی کے مسند علمی کے آخری دور میں حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اہل حق دہلوی کی صد اور کتاب و سنت کی علمی آواز تھے۔ یہ گھر حنفیہ کا علمی گھرانہ کہلاتا تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ سیاسی سطح پر یورپ تو میں ہندوستان آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس سے پہلے ان کا یہاں داخلہ صرف تجارتی پیرائے میں تھا۔ ان یورپی اقوام میں انگریز سب سے زیادہ شاطر اور ہوشیار نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

انگریزوں نے تحت ہند مسلمانوں سے چھینا تھا سو یہ ان کی سیاسی ضرورت تھی کہ جس طرح بھی بن پائے اپنے استحکام کے لئے مسلمانوں میں اختلافات کی دیواریں کھڑی کریں اور یہاں کے اہل سنت مسلمانوں میں محدثین دہلی کے علمی اعتماد کو محروم کر دیں۔ نہ یہ حلقہ علم ختم ہونے اس پر بہار رہے۔ ہر خیال کے علماء

یہاں رہیں اور مسلمانوں میں ان کی کوئی ایک سیاسی قوت قائم نہ رہنے پائے۔

اختلاف کا پہلا معرکہ مولانا محمد اسماعیل اور مولانا فضل حق میں

یہ دونوں حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا معاشرت اور برابر کی علمی شہرت کے جوش میں مسئلہ امکان نظیر میں اختلاف ہو گیا۔ تاہم ان حضرات نے اسے ایک علمی اختلاف کے درجہ میں ہی رکھا اور اسے کبھی اصول کا اختلاف قرار نہ دیا نہ امتناع نظیر کے قائلین نے امکان کے قائلین پر کبھی توہین رسالت کی تہمت لگائی نہ کبھی آپس میں وہ زبان استعمال کی جو آج کے بریلوی خطیب علماء دیوبند کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ یہ علمی اختلاف اس درجہ میں رہا جس درجہ میں صحابہ میں بعض آپس کے اختلافات ہوئے کسی نے کسی کی تفسیق نہ کی۔ صحابہ میں صرف سیاسی اختلاف ہی نہ ہوئے بلکہ بعض دینی مسائل میں بھی اختلافات ہوئے تھے تاہم انہوں نے انہیں کبھی امت کا اختلاف نہ بننے دیا۔ ایک مسئلے میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے ان کے اپنے استاد حضرت زید بن ثابت (..... ہ) سے مختلف تھا۔ بیشتر لوگوں نے ان اقوال مختلفہ میں سے ایک کو اختیار کیا اور حضرت ابن عباس سے گزارش کی:

لَا تَاخْلُجْ قَوْلًا وَتَدْعَ فَوَلَّ زَيْدٌ۔ (صحیح بخاری جلد 1 ص 237)

(ترجمہ) ہم آپ کا قول نہ لیں گے اور حضرت زید کا قول نہ چھوڑیں گے۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ و تابعین کے دور میں بھی فتوے علماء کے اقوال پر دیئے جاتے تھے۔ ہر شخص مسئلے کو خود کتاب و سنت سے حاصل نہ کرتا تھا اور اہل علم حضرات اس دور کے آئمہ علم شائع جاتے تھے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں فقہی اختلافات میں اختلاف کو مصیبت نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اہل حق کبھی نہ سمجھتے تھے کہ اختلاف امت فہمت ہے وہ اختلاف امت کو رحمت اور وسعت علم سمجھتے تھے۔ صحابہ اور تابعین میں ایسے اختلافات پر مقابلے کے محاذ نہ بنے تھے اور نہ ان سے کوئی فقہی فرقے آگے بنے تھے۔ اہل حجاز اور اہل عراق کے علمی اختلافات سے کون واقف نہیں مگر یہ اختلافات گروہ بندی کے اختلافات نہ تھے۔ علماء عراق کے (مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ 150ھ) اور حضرت امام سفیان النوری (161ھ) کے بھی آپس میں بہت اختلافات تھے مگر دونوں مسائل مشہورہ میں ایک ہی مسلک (عمل اہل کوفہ) پر چلے تھے۔ اگر امام ابوحنیفہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے تو حضرت سفیان نوری بھی رفع الیدین عند الرکوع کے قائل نہ تھے۔ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام احمد (241ھ) میں بھی کئی اختلافات تھے۔ استاد (حضرت امام احمد) اس مسلک کے تھے کہ اگر کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں مگر ان کے شاگرد امام بخاری کہتے تھے جو امام کے

پیچھے فاتح نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امت میں یہ اختلافات کوئی نئی بات نہیں، علم کے سائے جب دور تک پھیلتے ہیں تو کہیں پتے آپس میں ٹکرائے جاتے ہیں۔

مولانا فضل حق اور مولانا محمد اسطیعیل کے اختلافات بھی کچھ اسی قسم کے وہ۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ جب مولانا فضل حق کو مولانا اسطیعیل کی شہادت کی خبر ملی تو آپ طلبہ کو سبق پڑھا رہے تھے۔ یہ خبر ملی تو سبق پڑھنا چھوڑ دیا اور بجھے دل سے فرمایا:

”اسطیعیل کو ہم مولوی ہی نہیں مانتے تھے وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اولیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر علم حاصل کیا تو دود چراغ کھا کر اور اسطیعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعداد سے۔“ (الحیاء بعد السمات ص 110)

خیر آبادی سلسلہ کے نامور عالم حکیم محمود احمد صاحب برکاتی بھی حضرت مولانا محمد اسطیعیل کے بارے میں لکھتے ہیں:-

شاہ محمد اسطیعیل جید عالم تھی اسکے ذہن میں حدت تھی حافظہ قوی تھا علوم متحضر تھے دماغ نکلتے رس تھا۔ بلند کردار اور متقی تھے اور انکی پوری زندگی اختیار اور صلحا کی سی تھی اپنی جان تو انہوں نے اس شان سے جان آفرین کی سپرد کی اور اس ذوق و شوق سے لیلائے شہادت کو لیک کہا کہ ہر مومن کے دل سی آواز آتی ہے کہ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ (حیات شاہ محمد الحق دہلوی - 38)

حضرت مولانا علامہ عبدالحق خیر آبادی بھی اختلاف کی اسی نرم پالیسی پر رہے اور انہوں نے ردو ہابیہ کے اس قسم کے اختلافات کو کبھی ایک خطبہ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ مولانا احمد رضا خان جب ان کی خدمت میں منطق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے مولانا احمد رضا خان سے پوچھا بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ آپ نے کہا تدریس و تصنیف اور افتاء۔ انہوں نے پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ردو ہابیہ میں..... اس پر مولانا عبدالحق نے فرمایا:-

ایک وہ ہمارا بدایونی خطبی ہے (فضل رسول بدایونی) کہ ہر وقت اس خطبہ میں جنتا رہتا ہے۔ (ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص 332)

اس سے پتہ چلا کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کا نقطہ آغاز مولانا فضل حق خیر آبادی ہرگز نہ تھے۔ یہ نقطہ فساد مولوی فضل رسول بدایونی سے چلا جنہیں انگریزی ملازمت نے یہ خطبہ لگا رکھا تھا یہی وجہ ہے کہ آئندہ کے خیر آبادی سلسلہ کے علماء کبھی مولانا اسطیعیل شہید کے خلاف نہ سنے گئے جو اختلاف مولانا اسطیعیل شہید اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں چلا تھا وہ فرقہ بندی تک نہ جاسکا تھا۔

خیر آبادی سلسلے کے مشہور عالم مولانا حکیم برکات احمد (1347ھ) آخرد تک حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتوی کے معتقد رہے مولانا حکیم برکات احمد مولانا حکیم دایم علی (1325ھ) کے صاحبزادے تھے۔ حکیم دایم علی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بہت قریبی دوست تھے اور دونوں حضرت حاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ حکیم دایم علی ایک دفعہ اپنے بیٹے برکات احمد کو مولانا محمد قاسم کی زیارت کرانے کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ مولانا برکات احمد نے وہاں مولانا محمد قاسم کو کس روحانی شان میں دیکھا۔ اسے انہی کی زبان سے سنئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا حکیم محمود احمد صاحب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے کہا:-

مجھے ان سے (مولانا محمد قاسم نانوتوی) ملانے کے لئے (والد صاحب) دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو (مولانا محمد قاسم) مجھ سے مسجد میں سو رہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذکر تھا اور ذکر بھی بالجبر کر رہا تھا۔ (حکیم سید برکات احمد ص 185 مولفہ حکیم محمود احمد برکاتی)

یہ حکیم برکات احمد گون ہیں جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اس روحانی مقام کی خبر دے رہے ہیں۔ اسے مولانا احمد رضا خان سے پوچھئے۔ آپ ان کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:-

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اتر ا مجھے بلا مبالغہ و خوشو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھڑے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھئے۔ (ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ دوم ص)

اس وقت عملاً ان کی نماز جنازہ ہو چکی تھی معلوم نہیں کہ اب یہ دوبارہ نماز جنازہ کیوں پڑھی جا رہی تھی؟ یہ اس لئے کہ شاید پہلی نماز صحیح ادا نہ ہوئی ہو۔

ان مولانا حکیم برکات احمد کی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بارے میں یہ شہادت بتاتی ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ علماء دیوبند کے بارے میں اچھے عقیدہ پر اور نیک گمان ہی رہے ہیں۔ شرعی اختلافات نے انہیں ان سے اتنا دور نہیں ہونے دیا کہ ضلالت اور گمراہی یا فسق و کفر کی دیواریں درمیان میں کھڑی کر لیں۔

اب یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا برکات احمد مولانا احمد رضا خان کے بارے میں کیا ذہن رکھتے تھے۔ حکیم محمود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے پوری زندگی میں صرف ایک بار مولانا احمد رضا خان کا نام لیا اور وہ بھی ایک خط میں آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مولانا احمد رضا خان کس طرح علماء دیوبند کے خلاف ایک محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: ایک دفعہ والد صاحب نے فرمایا:-

مجھ کو نہ مولوی احمد رضا خان سے بحث ہے نہ اہل دیوبند سے کچھ تعرض میرے عقائد عقائد سلف ہیں ان سے

تجاوہ نہیں کرتا۔ آج تک میں نے مولانا احمد رضا خان کی تصانیف نہیں دیکھیں البتہ یہ سنتا ہوں کہ یہ اس عقیدے میں مشہور ہیں، تفصیل ان کے عقیدے کی مجھے معلوم نہیں اور نہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ (حکیم سید برکات احمد ص 285)

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ خیر آبادی حضرات مولانا احمد رضا خان کے عقیدہ سے کس قدر لا تعلق اور دور ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی ان دنوں کوئی خاص علمی شہرت نہ تھی۔ اونچے اہل علم کے ہاں ابکی کوئی علمی شہرت نہ تھی۔

سیال شریف کے سجادہ نشین جناب خولجہ ضیاء الدین نے علمائے دیوبند سے تو تعلقات رکھے۔ تحریک خلافت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا کھلے طور پر ساتھ دیا لیکن مولانا احمد رضا خان کا ان کے شوق تکفیر میں بالکل ساتھ نہ دیا۔

حضرت مولانا معین الدین اجیری خیر آبادی اجیری کے تھے دیوبند کے نہ تھے نہ دیوبند پڑھے تھے۔ حضرت مولانا عبدالحق خیر آبادی کے شاگرد تھے اور اجیری شریف میں مدرسہ معینیہ کے صدر مدرس تھے۔ آپ نے جس طرح مولانا احمد رضا خان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اس سے یہ بات کھلے طور پر سمجھ آ جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی علمائے دیوبند کے خلاف محاذ آرائی خود ان کے علم و فضل کی رُو سے نہ تھی۔ ان کی علماء دیوبند کے خلاف ایک ضد تھی جس کی وہ پوری عمر پرورش کرتے رہے اور اسے اپنا دین و مذہب کہتے رہے اور اسکی اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (.....) سے اس اختلاف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اپنی رائے یہ ظاہر فرمائی:-

اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فرقتیں اسمعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے۔ شکر اللہ تعالیٰ رحمہم راقم السطور دونوں کو ماجور و مشاب جانتا ہے۔ (ضمیمہ رسالہ بحالہ بردو سالہ فتاویٰ مہر یہ ص 15)

اختلاف کرنے والے دونوں ماجور و مشاب کب ہوتے ہیں؟ جب اختلاف اجتہادی درجے میں ہو۔ عقائد میں اختلاف نہ ہو صرف عمل میں ہو۔ مولانا اسماعیل شہید سے بعض عبارات کے اختلاف کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اجتہادی درجہ میں رکھا اور دونوں حلقوں کو مشاب و ماجور فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت پیر صاحب کا مولانا اسماعیل شہید سے ہرگز عقائد کا اختلاف نہ تھا نہ دونوں بزرگ تو حید باری تعالیٰ کے باب میں دو علیحدہ علیحدہ راہوں پر کھڑے تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے عقیدہ تو حید کی ایک جھلک

حضرت کے عقیدہ توحید کی یہ جھلک آپ جناب پیر نصیر الدین صاحب گولڑوی کی اس نظم میں دیکھئے جو آپ نے توحید باری تعالیٰ پر لکھی۔ مولانا احمد رضا خان کے پیر و کیا گولڑہ شریف کی اس صدائے توحید سے اتفاق کر سکتے ہیں؟ ایسے ان کے نصیب کہاں؟

بجائے اس کے کہ بریلوی حضرات پیر مرعلی شاہ صاحب گولڑوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اس عملے اختلاف میں دربار گولڑہ کا ساتھ دیتے انہوں نے مولانا احمد رضا خان کو بھی اپنا اعلیٰ حضرت کہا اور پیر صاحب گولڑوی صرف حضرت رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان ہی رہے یہاں تک کہ بریلوی علماء نے حکم کھلا پیر جناب نصیر الدین صاحب گولڑوی پر جرح کی۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

ماہنامہ طلوع مہر گولڑہ میں مارچ 1999ء کی اشاعت میں ان اعتراضات کا ذکر ہے جو مولانا احمد رضا خان کے پیروں نے جناب پیر نصیر الدین صاحب گولڑوی پر کئے۔ ان میں تیسرا اور چوتھا اعتراض یہ رہا۔ تیسرا یہ کہ بشمول انبیاء و اولیاء میں نے سب کو اللہ سے مانگنے والوں میں شمار کیا ہے۔ چوتھا یہ کہ یہ آیت تورات کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کے مخاطبین مشرکین ہیں میں نے اہل ایمان کو مخاطب بنایا ہے اور نعوذ باللہ انبیاء و اولیاء کو اہتمام قرار دیا ہے۔ (طلوع مہر ص 2)

پیر صاحب گولڑوی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

انبیاء و اولیاء اپنے آپ کو اللہ کا نہ صرف محتاج سمجھتے تھے بلکہ اپنی اپنی حاجات اس کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے۔ گویا ایسا کرنا سنت انبیاء و اولیاء ہے۔ اب جو لوگ ان کی اس واضح سنت پر عمل نہیں کرتے اور مختلف توجہات پیش کر کے اپنے ذہنی مفروضات اور اختراعی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں۔

محول بالا مقبوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب میری رباعی کے تیسرے مصرع کو پڑھئے:-

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

یعنی جن سے تو مانگ رہا ہے تو خود اللہ سے مانگتے ہیں۔ (ص 4)

پیر صاحب گولڑوی پہلے یہ بھی کہتے ہیں:-

پس یہ کہنا کا مقام اور مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات کو انسانوں پر منطبق کرنا درست نہیں غلط ظہر۔ (ص 3)

پیر نصیر الدین صاحب نے توحید کا یہ سبق اپنے دادا پیر مرعلی شاہ صاحب سے ہی لیا ہے کسی دیوبندی سے نہیں۔ حضرت پیر مرعلی شاہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ

کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور ظہور میں ایسا نہ آ یا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کئی اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو۔ یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔ (مکتوبات طبیات مہر چشتیہ ص 127)

اس سے پتہ چلا کہ انبیاء و اولیاء کے عقائد کل ہونے کا عقیدہ اہل حق کا ہرگز نہیں۔ یہ بریلویوں کے اپنے ذہن کی اختراع ہے جو حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔ پیر نصیر الدین صاحب نے داد امر حوم کے زیر اثر طلوع مہر میں اپنی بات اس طرح لکھی ہے:- کسی انسان کو مشکل کشا، دانا، دھگیر اور غریب نواز کے الفاظ کا حقیقتاً مستحق سمجھنا شرک ہے۔ (4) اور یہ بھی لکھا ہے:-

اللہ کے سوا کسی اور سے مانگنے سے روکنا سنت انبیاء پر عمل کرنا ہے۔ (ص 6)

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خان کے عقائد سے متفق ہوئے تو اپنا عقیدہ ہرگز ان کھلے لفظوں میں بیان نہ کرتے۔ آپ مولانا احمد رضا خان کا ایک شعر ملاحظہ کریں اور دیکھیں کس بے دردی سے آپ نے قضا و قدر کے سارے فیصلے آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ آپ حضور ﷺ سے اپنی تقدیر بہتر بنانے کی اس طرح استدعا کرتے ہیں

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے مخدو اثبات کے دفتر پر کردار اتیرا (حدائق بخشش حصہ اول ص 3)

قرآن کریم میں ہے کہ مخدو اثبات کا دفتر اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے مٹائے اور جسے چاہے رکھے اس پر قبضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دلا نا کیا یہ کھلا شرک نہیں۔ سو یہ بات کھلے سورج کی طرح روشن ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب ہرگز مولانا احمد رضا خان کے عقیدہ کے نہ تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم ملاحظہ ہو

ویمحو اللہ مالیہشاء ویثبت وعنده ام الكتاب۔ (پ.....)

(ترجمہ)

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں ہم اس پر کچھ بحث دوسری اور پانچویں جلد میں کر آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان کو گولڑہ میں ہرگز کوئی پذیرائی نصیب نہ ہوئی تھی نہ وہاں انہیں کبھی کوئی علمی حیثیت حاصل رہی۔ جس طرح مولانا احمد رضا خان خیر آبادی علماء کی نظر میں حق پر نہ تھے

سیال شریف اور گولڑہ شریف کے علمی حلقوں میں بھی آپ کوئی علمی اعتماد رکھتے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کی اصل مولانا فضل حق خیر آبادی یا ان کے سلسلہ کے علماء ہرگز نہ تھے ان کی اصل مولوی فضل رسول بدایونی (..... ہ) ہیں۔ انہوں نے شاہ محمد مفتی محدث دہلوی کے خلاف فتوے دیئے اور مولانا اسماعیل کو کافر کہا۔ ان کے بعد مولوی عبدالمسیح رام پوری آئے انہوں نے بھی عقائد کی بجائے عملی بدعات پر زیادہ بحث کی لیکن جس شخص نے ان اختلافات میں کفر و اسلام کے باقاعدہ فاصلے پیدا کئے اور انہیں وقت کے سیاسی تقاضوں میں علمی استناد مہیا کیا اور ترکی خلافت کے خلاف فتوے دیئے وہ مولانا احمد رضا خان ہیں اور اسی جہت سے انہیں فرقہ (بریلویہ) کا اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔

خیر آبادی حضرات یا گولڑہ کے اکابر ہرگز ان کے ساتھ نہ تھے وہ برابر اہلسنت ہی رہے۔

عام لوگ تاریخ کے اس حصے سے بہت کم واقف ہیں ان کے ذہن میں پورے ملک کا سواد اعظم دیوبندی اور بریلوی صرف دو حصوں میں بٹا ہوا ہے حالانکہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

حقیقت یہ نہیں برصغیر پاک و ہند ان دو میں ہی نہیں بٹا ہوا ان میں علمائے دیوبند کے علاوہ فرنگی محل کے علماء علماء رامپور علمائے بدایوں خیر آبادی حضرات اور علمائے دیوبند یہ سب حضرات اپنے مستقل مسالک رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ملکی سطح پر ان اختلافات نے دیوبندی بریلوی اختلافات ہی کا نام پایا لیکن اس میں یہ بات ہرگز نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ ان اختلافات میں مولانا احمد رضا خان نے علمائے دیوبند کے خلاف جو تکفیر کی دیوار کھینچی امت کے ان غیر جانبدار علمی حلقوں نے اس میں مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہ دیا۔ سو ہندوستان میں اصل نقطہ اختلاف مولانا احمد رضا خان ہی ہیں۔ پس یہ جاننے کے لئے کہ مولانا احمد رضا خان کی اس اختلاف پسندی میں کوئی ذمہ داری علماء دیوبند پر بھی آتی ہے یا اس کی وجہ مولانا احمد رضا خان کی وہ خاص طبیعت ہی ہے کہ یہ کسی دوسرے سے اختلاف کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ اسے جاننے کے لئے یہ ان کے اپنے حلقے کی شہادت ہے۔ بریلویوں کے مفتی شجاعت علی قادری لکھتے ہیں:-

یہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا احمد رضا خان نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو۔ اگر ایسا کوئی شخص نکل آتا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔

یہ عبارت مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد کی ہے۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کی اختلاف پسند طبیعت نے کچھ اور نئے اختلافات بھی میدان میں لا ڈالے جنہیں علماء ہمدیوں پہلے چھوڑ چکے تھے۔ اب ان میں بھی معرکہ آرائی ہوئی۔ ان میں ایک اختلاف جمود کی اذان ثانی کا بھی ہوا۔ امت

اسے صدیوں پہلے حل کر چکی تھی مگر مولانا احمد رضا خان اسے بدعت کہنے پر ثواب دارین حاصل کر رہے تھے اور جمعہ کی اذان مسجد کے اندر کہنے کو کھلے طور پر بدعت کہہ رہے تھے۔

اختلاف کا دوسرا معرکہ علماء بدایوں سے اختلاف

بدایونی علماء اہل بدعت کا ہر اول دستہ تھے۔ بریلی اہل بدعت کا کوئی بڑا مرکز نہ تھا۔ بریلی کے دو بڑے مدرسے تھے دونوں علماء دیوبند کے زیر اثر تھے۔ مولانا احمد رضا خان کو بعض اوقات جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی موزوں جگہ نہ ملتی تھی۔ ان کے اپنے استاد مولانا غلام حسین حضرت شیخ الہند دیوبندی کے شاگرد تھے۔ یہ بدایونی علماء کی تائید و حمایت تھی جس نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو ایک علمی مرکز بنادیا تھا ورنہ مولانا اسٹیل کے خلاف پہلے اٹھنے والے مولوی فضل رسول بدایونی ہیں۔ اگر بدایونی علماء مولانا احمد رضا خان کی حمایت میں نہ رہتے تو شاید آج یہاں مولانا احمد رضا خان کو جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا مگر اختلاف پسندی کے اس جوش میں مولانا احمد رضا خان نے علماء بدایوں کو بھی نہ چھوڑا اور اختلاف کا ایک نیا موضوع نکالا۔ اس موضوع پر کہ جمعہ کی اذان ثانی جو مسجدوں کے اندر امام کے سامنے ہوتی ہے اسے مسجدوں کے باہر لایا جائے۔ آپ نے موجودہ رائج طریقہ کو بدعت سیئہ ٹھہرایا اور اس کے مٹانے پر شہیدوں کے ثواب کی بشارت دی۔ اس میں اس تعامل امت کی بھی کچھ پروانہ کی کہ یہ عمل مسلمانوں میں صدیوں سے چلا آ رہا ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت ایک غلطی پر جمع ہو جائے وہ اس بات کو بھی نہ سمجھے کہ امت کا اجماع معصوم ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب علی الانفراد معصوم ہیں یہ امت علی سبیل الاجماع معصوم ہے۔ اس پر خدا کی حفاظت کا سایہ موجود ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری امت ساری امت ایک خلاف شریعت کام پر جمع ہو جائے۔

علماء بدایوں نے خیر آبادی علماء سے بھی استفسار کیا اور جواب فقہ حنفی کے مطابق مانگا۔ حضرت مولانا محمد معین الدین امجدی نے القول الاظہر کے نام سے اس کا جواب لکھا مولانا احمد رضا خان نے اس کے جواب الجواب کا اعلان کیا مگر علماء وہ جواب دے نہ پائے اور انتظار درانتظار کے باوجود القول الاظہر کا جواب نہیں دیکھا نہ جاسکا۔

مولانا احمد رضا خان نے اپنی ایک کتاب اعلیٰ انوار الرضا کے بارے میں اچانک دعوے کر دیا کہ یہ القول الاظہر کا جواب ہے لیکن جس نے بھی القول الاظہر پڑھ کر اسے پڑھا وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں اور تو بہت کچھ ہے مگر القول الاظہر کا کوئی جواب اس میں نہیں ہے۔

بیس اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان اپنے وقت کے ان علماء (جو علماء دیوبند میں سے نہ تھے) کی نظر میں کیا تھے اور آپ کس علمی زبان میں بولتے تھے اور

ان کا اپنے مخالفین کے مقابل ہر ایہ سخن کیا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری کے یہ فقرات ملاحظہ ہوں۔

یہ قیامت مغزی جو محض ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے دنیا میں قائم ہو گئی ہے بدستور روپوش رہتی لیکن جبکہ یہ مسلمانوں کے ادبار کا زمانہ ہے بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ (القول الاظہر)
مسلمانوں پر یہ دورادہ بار کون لائے؟ مولانا احمد رضا خان۔

اس اختلاف سے مولانا احمد رضا خان کا مزاج سمجھنے میں بڑی سہولت رہے گی آپ ان علماء میں سے تھے جو بات سینا نہیں چاہتے تھے بات بڑھانا چاہتے تھے اور بات اصول کی بھی نہیں محض ایک فردی اختلاف پر بھی قیامت برپا کرنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

یہ رائے کسی دیوبندی عالم کی نہیں ہے ایک ان کے تخیال عالم کی ہے۔ حق بات کہنے پر اللہ انہیں بہتر جزاء عطا فرمائے۔ پھر حق کہنے میں آپ نے مولانا احمد رضا خان کے ایمان میں بھی شک ظاہر کر دیا۔
"کیا کوئی سچا مسلمان اس حکم سے سرتابی کر کے یہ جرات کر سکتا ہے کہ تمام امت مرحومہ کو بدعتی قرار دے۔"
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا احمد رضا خان تمام امت مرحومہ کا خلاف کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور وہ دل سے یہ بات نہ مانتے ہوں گے کہ پوری امت کسی باطل امر پر جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ عقیدہ کن لوگوں کا ہے؟ کہ ساری امت بھی حق سے بھٹل سکتی ہے شیعہ لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ امت غلط طور پر حضرت ابو بکر کی خلافت پر جمع ہو گئی تھی۔ ہم اس پر یہاں کچھ کہنا نہیں چاہتے۔
پھر القول الاظہر میں یہ سرفی بھی ملاحظہ ہو۔

فاضل بریلوی کی حضرت محمدؐ کے کلام سے اجماع کو باطل کرنے کی کوشش
اجماع کو باطل کرنے سے کسی کے پاس کچھ نہیں رہتا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت قرآن کریم کی حفاظت اسی
اجماع کے سائے میں معصوم ٹھہریں ورنہ مسلمان عصمت اور ابدی حفاظت سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔
مقلدین کے لئے نئے نئے استنباط درست نہیں

حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی نے حقیقتاً الفقہ میں اس پر بہت زور دیا ہے کہ آئمہ اجتہاد نے کتاب و سنت سے جو احکام مستنبط کر دیئے ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہئے کوئی مقلد استنباط کے درپے نہ ہو۔
مولانا احمد رضا خان کے مزاج میں تھا کہ آئمہ فقہ کے فیصلوں کو ماننے کی بجائے قرآن و سنت سے نئے نئے استنباط کریں۔ خان صاحب مزاجاً الحمد للہ (غیر مقلد) تھے۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ القول الاظہر میں انہیں اس بری عادت سے اس طرح روکتے ہیں:-

کوئی مقلد استنباط کے درپے ہو جائے تو پھر فرمائیے اس میں اور غیر مقلد میں کیا فرق رہا۔ اس امر کا فاضل

بریلوی اور ان کے اتباع کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ سلسلہ استنباط کو یک لخت بند کر دیں اور اپنی قدیم روش کو ہاتھ سے نہ دیں ورنہ آج تو یہ مسئلہ استنباط ہوا ہے کل دوسرے کی نوبت آئے گی پھر زور پکڑنے کے بعد یہ طغیانی کسی کے بس میں نہ رہے گی

مراد ما نصیحت بودو گفتیم..... حوالہ با خدا کر دیم ورفیقتم
اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل سنت کے لئے غیر مقلدین کے طریقے پر چلے آنا دینی مستقبل کے لئے سخت مضر ہے۔ افسوس کہ مولانا احمد رضا خان کے پیروں نے بھی یہی عادت اپنائی اور جہاں وہ فقہ حنفی سے اپنا مسئلہ اور موقف نہ بتلا سکے وہاں قرآن وحدیث سے اپنا غیر مجتہدانہ استنباط کرنے لگے۔ ان کے عوام جو مقلد اور غیر مقلد کے اصولی فاصلوں کو پہچان نہیں سکتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے سارے مسائل قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور ان کی جب اپنے عوام سے بحث ہو تو دونوں طرف کے جہلاء میں ان آیات اور احادیث پر اس طرح بحث ہوتی ہے کہ گویا امام ابو یوسف اور امام اوزاعی آپس میں بحث کر رہے ہیں (استغفر اللہ)
اس صورتحال میں قرآن وحدیث کو عوام کے ہاتھوں میں دینے کا گناہ کس کے سر پر آئے گا؟ مولانا احمد رضا خان کے سر پر..... جو اپنے غیر مقلدانہ مزاج کے باعث اپنے عقائد اور مسائل فقہ سے نہیں لیتے براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط اور اجتہاد کرتے ہیں۔ بریلویوں کی کتابوں (جیسے جاء الحق اور مقیاس حنفیت) میں آپ کو یہی روش ملے گی جیسے کوئی غیر مقلد عالم بیٹھا ہے اور قرآن وحدیث سے نئے نئے استنباط کر کے اپنی بدعات ثابت کر رہا ہے۔ اب کون ہے جو ان جاہل مجتہدین کا سامنا کرے۔
کیا یہ ممکن ہے کہ پوری امت کا تعامل شراب اور سود کی حلت پر ہو جائے؟ ہرگز نہیں یہ قطعاً نہیں ہو سکتا سود اور شراب اسلام میں حرام قطعی ہیں اور اس امت کا اجماع کبھی ان کے طلال ہونے پر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی باطل پر جمع نہ ہونے دیں گے لیکن مولانا احمد رضا خان اسے ممکن سمجھتے ہیں کہ امت کا تعامل ان کی حلت پر ہو جائے۔ آپ کتب فقہ سے نقل کرتے ہیں:-

الاتروا انھم لو تعاسلوا علی بیع الخمر اور علی الربا لا یفتی بانحل
مولانا احمد رضا خان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امت کا تعامل باطل پر بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ صدر اول سے نہ چلا آ رہا ہو۔ اس دلیل سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آج امت کا یہ تعامل کہ وہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کہتے ہیں ایک امر باطل پر ہے اور یہ جائز نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اب جبکہ ساری امت اس پر جمع ہو چکی ہے کیا امت کا یہ اجماع نظام الکی میں معصوم درجے کا نہ ہوگا؟ مولانا احمد رضا خان اپنے جوش میں اس سے ساری امت کو باطل پر جمع ہونے کا الزام دے رہے ہیں۔ ہم مولانا احمد رضا خان کی حجت اجماع کو کمزور کرنے کی اس تدبیر سے اتفاق نہیں کرتے۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گلوڑوی کا رد عمل:

پیر صاحب گلوڑوی کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمت اللہ سے خلافت ملنے سے پہلے سیال شریف سے خلافت مل چکی تھی۔ آپ نے بھی مولانا احمد رضا خان کے فتوے تکفیر پر دستخط نہ کئے بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کھل کر تعریف کی۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید اور خیر آبادی حضرات میں امکانِ نظیر اور امتناعِ نظیر کا اختلاف تھا۔ پیر صاحب گلوڑوی خیر آبادی حضرات کے بھیال تھے۔ حضرت پیر صاحب گلوڑ شریف کی یہ عبارت آپ پہلے دیکھ آئے ہیں:-

”اس مقام پر امکان یا امتناعِ نظیر آنحضرت ﷺ کے متعلق ایسا باقی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فرقتیں اسماعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ شیخ محمد راقم السطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے“ (ضمیمہ رسالہ بحالہ بردو سالہ وقت لای مہریہ ص 15)

شمالی پنجاب میں بگوی خاندان کے علماء

شمالی پنجاب میں بھیرہ وغیرہ کی مضافات میں بگوی خاندان کے علماء خاص شہرت کی مالک رہے۔ انکے مورث اعلیٰ مولانا احمد الدین بگوی حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ نے حضرت شاہ اسماعیل شہید کے خلاف مولوی فضل رسول بدایونی اور عبدالسمیع رامپوری کا ساتھ نہ دیا گو مولانا احمد رضا خان نے بھی مولانا اسماعیل شہید کی تکفیر نہ کی تھی لیکن مولانا احمد الدین بگوی جو بھیرہ کی تاریخی جامع مسجد کے جنوب میں دفن ہیں حضرت مولانا شہید کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والا غازی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا مولوی محمد اسماعیل ظاہر حال میں دنیا سے صاف و پاک ہو کے گیا ہے۔۔۔ جو کوئی ایسے عالم فاضل متبع سنت کے حق میں بدظنی اور کفر کا اعتقاد کرے وہ آپ ہی اسی بلا میں مبتلا ہے اور منکر ہے آیات و احادیث کا یا کلمہ حدیث اس کے حلق سے نیچے اتر ہی نہیں۔ (عشرہ کاملہ آٹھواں سوال فخر المطالع دہلی طبع 1272)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شمالی پنجاب کے علماء کبار نے بھی مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہ دیا۔ اس آخری دور میں بھیرہ کی علمی شہرت مولانا پیر کرم شاہ کے نام سے ہوئی ہے آپ علماء دیوبند کو صریح لفظوں میں اہل سنت کہتے ہیں۔ دیوبندی بریلوی اختلاف کو وہ اہل سنت کا داخلی انتشار سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ مقام رسالت اور ختم نبوت کے عقائد میں دونوں میں کلی موافقت ہے۔ آپ لکھتے ہیں اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل سنت والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے جس

نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور عاقبتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم قیامت اور دیگر ضروریات دینی میں کلی موافقت ہے۔ ضیاء القرآن جلد 1
 پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں متعدد مقامات پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی تائید کی ہے اور مولانا احمد رضا خان کا نام شاید ہی دوسرے سے زیادہ کہیں لیا ہو۔ ہم چند حوالے درج کرتے ہیں جہاں موصوف نے حضرت علامہ عثمانی کے حوالے دیئے ہیں۔

ضیاء القرآن جلد اول ص 492 ص 513 ص 620۔ جلد دوم ص 21 ص 163
 ص 421 ص 684۔ جلد سوم ص 163 ص 203 ص 372 ص 419۔ جلد چہارم
 ص 81۔ جلد پنجم ص 505 ص 598۔

حضرت شیخ الہند کا نام بھی جلد 1 ص 290 جلد 4 ص 519 پر لیا ہے

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کا ذکر خیر جلد 3 ص 587 جلد 5 ص 24 پر کیا ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم کا نام بھی جلد 4 ص 10 پر آیا ہے۔ علماء دیوبند کو یہ خراج تحسین کسی دیوبندی کی طرف سے نہیں دیا جا رہا ہے پیر کرم شاہ صاحب کی طرف سے علماء دیوبند کا ایک علمی اعزاز ہے۔ مولانا احمد رضا خان کا ذکر ضیاء القرآن جلد 5 ص 600 اور جلد 4 ص 10 کے سوا شاید ہی کہیں ملے۔
 پروفیسر مسعود احمد صاحب اپنے والد مولانا مظہر الدین کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت میں مختلف جماعتیں موجود ہیں مگر حضرت مولانا مظہر الدین نے خود کو کبھی کسی جماعت سے وابستہ نہیں فرمایا۔ حضرت کا مسلک تائید حق تھا خواہ وہ کسی جماعت میں ہو یہی وہ معتدل راستہ تھا جس کی وجہ سے ہر کتب فکر کے لوگ حضرت کی بے انتہا قدر و منزلت کرتے تھے۔ (مقدمہ فتاویٰ مظہری) کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہو سکتا ہے کہ دیوبندی حضرات عقیدہ اہل سنت والجماعت ہی ہیں اور اسے خود وہ لوگ بھی مانتے تھے جنہیں بریلوی لوگ اپنے بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ حالات مولانا احمد رضا خان کی بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہیں کہ اہل علم کے کسی حلقے سے ان کے دین و مذہب کی کہیں تائید نہیں ہوئی کہ اہل سنت والجماعت کو مستقل طور پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

مولانا معین الدین اجمیری کا مسلک:

حضرت مولانا معین الدین اجمیری خیر آبادی اجمیر کے تھے دیوبند کے نہ تھے۔ آپ امتناع نظیر کی تائید میں

عربی کا ایک شعر نقل کرتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ خیر آبادی مسلک کے تھے مولانا اسطیل شہید کے بچپن میں نہ تھے۔

روزیکہ شمر دند عدیلش زمحالات تاریخ تولد بنو شقند عدم را
بریلوی حضرات اسی وجہ سے مولانا معین الدین اجمیری کو اپنے اکابرین میں شمار کرتے ہیں کہ آپ امکان کے نہیں امتناع نظیر کے قائل تھے۔ مولانا محمد اشرف کچھوچھوی کے بیٹوں مدنی میاں اور ہاشمی میاں نے اپنے پرچہ ماہنامہ المیزان کا ایک نمبر مولانا احمد رضا خان کے بارے میں شائع کیا ہے۔ انہوں نے خیر آبادی حضرات کو اپنے علماء کی فہرست میں جگہ دی ہے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کے بارے میں مولانا معین الدین اجمیری کی شہادت ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے۔ یہ شہادت علماء دیوبند کی نہیں خود ان حضرات کے اپنے گھر کی ہے۔ سو بریلوی حضرات جب حضرت مولانا اجمیری کے قلم سے مولانا احمد رضا خان کا تعارف کریں تو اس کی ایک ایک سطر کو درست اور صحیح جانیں اور اسے ایک مسلک نور سمجھیں۔ ہم یہاں صرف یہی کہیں گے۔ مدنی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری کچھوچھوی برادران نے المیزان کے احمد رضا خان نمبر میں مولانا معین الدین اجمیری کا تعارف اس طرح کرایا ہے:-

شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب ”ہنگامہ اجمیر“ سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کر لی تھی۔ چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہلسنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔

ہاشمی میاں نے مولانا کو اپنے علماء اہل سنت میں جس اعزاز سے جگہ دی ہے وہ اپنی جگہ ظاہر ہے۔ بریلویوں نے اپنے اہل قلم حضرات کی ایک انجمن سنی رائٹرز گلڈ کے نام سے قائم کی ہے اس کے ایک رکن حافظ عبدالستار قادری نے اپنے علماء کی قلمی خدمات پر ایک کتاب مرآۃ الاصانف کے نام سے لکھی۔ یہ ان کی چودھویں صدی کی آخری تصنیف سمجھی جاتی ہے جو 29 ذوالحجہ 1400ھ کو شائع ہوئی۔ اسے حامد اینڈ کمپنی نے مدینہ منزل اردو بازار سے شائع کیا ہے۔ یہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی ایک علمی پیشکش ہے۔ جناب محمد صدیق ہزاروی رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

تصانیف اہلسنت کی اس گرانقدر فہرست مرآۃ الاصانف کے نمبر شمار 710 اور 1139 میں مولانا معین الدین اجمیری کی بھی تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

آپ مولانا اجمیری کی ان کتابوں کو غور سے پڑھیں تو آپ کو ان میں مولانا احمد رضا خان کی صحیح تصویر نظر آ

جائے گی۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری نہایت مرتعجب و بزرگ تھے۔ انہوں نے مولانا احمد رضا خان کی علمی اصلاح کے لئے ”القول الاظہر“ جیسی بے مثال کتاب لکھی۔ مولانا احمد رضا خان نے ایک فتویٰ جاری کیا تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد سے باہر ہونی چاہئے۔ معلوم نہیں انہیں اس کی کیا ضرورت پڑی؟ صرف شوق اختلاف تھا جو مولانا کو ادھر لے آیا۔ جب پہلی اذان مسجد سے باہر ہو چکی تو اب اس اذان کے مسجد سے باہر لے جانے پر یہ اصرار کیوں؟ مقلد ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود مولانا احمد رضا خان نے محمد بن اسحاق کی روایت سے مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کے اس صریح فتوے کو مسترد کر دیا کہ جمعہ کی اذان ثانی اس طرح ہونی چاہئے جس طرح اقامت مسجد کے اندر ہوتی ہے اور اس پر سالہا سال سے امت کا جو قرار چلا آ رہا ہے اسے مسترد کر دیا۔ آپ کے تخیل علماء میں سے علماء بدایوں علماء نے راپور علماء دہلی اور خیر آبادی علماء خصوصاً اور حضرت مولانا معین الدین اجمیری وغیرہم نے مولانا احمد رضا خان کی پرزور تردید کی۔ حضرت مولانا اجمیری نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے: القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان

عند المنبر

یہ رسالہ 46 صفحات پر مشتمل ہے 1369ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ مولانا احمد رضا خان اس رسالہ کی اشاعت اور اس کے دلائل کی متانت اور ردائت سے بوکھلا اٹھے اور پہلا یہ جھوٹ گھڑا کہ یہ رسالہ مولانا معین الدین اجمیری کی تالیف نہیں بلکہ یہ حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی کی تالیف ہے۔ مگر رسالہ پر ان کا نام نہیں مولانا اجمیری کا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اس کے جواب میں رسالہ ”اجلی انوار الرضا“ لکھا جس میں مولانا اجمیری کے القول الاظہر کا بزم خود جواب دیا۔ اعلیٰ حضرت کے اس رسالہ میں القول الاظہر کا کہیں واضح جواب نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ انہوں نے کسی اور موضوع پر لکھا ہے اور جلدی جواب دینے کے دعوے کے لئے اب اسی کا نام القول الاظہر کا جواب رکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا اجمیری نے پھر تجلیات انوار المعین لکھی۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:-

”اجلی انوار الرضا جس کے متعلق خواب میں اعلیٰ حضرت کو بشارت ہوئی ہے کہ یہ القول الاظہر کا جواب ہے“

مولانا احمد رضا خان کا دعویٰ تھا کہ یہ ”اجلی انوار الرضا“ ”القول الاظہر“ کا جواب ہے۔ مولانا اجمیری کا خیال تھا کہ یہ محض اعلیٰ حضرت کا خواب ہے وگرنہ کہاں مولانا احمد رضا خان اور کہاں مولانا اجمیری کے دلائل کا رد۔ تاہم اس سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان کس مزاج اور کس سلیقہ کے آدمی تھے۔ آپ جس کے بھی درپے ہوئے اس طرح ہوئے کہ آپ کا اختلاف علماء کا سا اختلاف نہ

رہتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خان کسی دنگل میں کھڑے ہیں اور دوسرے کو اپنا علمی مقابل نہیں دشمن سمجھے ہوئے ہیں۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ موضوع کیا ہے اور یہ کہ وہ خود کیا کہہ رہے ہیں بس ایک پہلو ان کی طرح لٹھ لے کر کھڑے ہیں۔ خود کہتے ہیں:-

وہ رضا کے نعرے کی مار ہے کہ خود کے سینے میں خار ہے۔ کے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار دار سے پار ہے۔ قارئین کرام کچھ انصاف کیجئے بھلا یہ علماء کی زبان ہے یا علماء میں احقاق حق کا یہ کوئی عملی نمونہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے مولانا احمد رضا خان علماء کے صحیح اختلاف سے بالکل نا آشنا تھے نہ علماء کے ساتھ کبھی مل کر بیٹھے اور نہ وہ اس معرکہ کے آدی تھے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کہ ان کے اس شوق اختلاف نے بہت سے وہ موضوعات سامنے لا کھڑے کئے جو پہلے کبھی اختلافی نہ سمجھے گئے تھے۔ عوام میں انتشار پیدا ہوتا گیا اور علماء اعلام نے نئی فرقہ بندی کے اس دور میں ان موضوعات پر مستقل کتابیں لکھیں اور وہ مسائل اور کھڑے جو اس سے پہلے شاید ہی کسی وقت زیر بحث آئے ہوں۔

انہی میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ کی تصنیفات القول الاظہر اور تجلیات انوار المعین ہیں۔ القول الاظہر میں اس مسئلے کا بیان ہے کہ جبکہ اذان ثانی مسجد میں امام کے سامنے ہونی چاہئے یا مسجد سے باہر اور دوسرے رسالہ تجلیات انوار المعین میں خود مولانا احمد رضا خان کی صفات اور خصوصیات سے بحث کی گئی ہے جو شاید ہی وقت کے کسی اور عالم میں کبھی پائی گئی ہوں۔

مولانا معین الدین اجمیری پر مولانا احمد رضا خان کی جو حقیقت کھلی اس میں مولانا احمد رضا خان کی اپنی تحریرات کے علاوہ اس پاک خطہ زمین کا بھی بہت دخل ہے جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ فرودکش ہیں۔ مولانا اجمیری انہی کی درس گاہ میں صدر مدرس تھے۔ آپ کو وہاں مولانا احمد رضا خان کے بارے میں جو انکشافات ہوئے انہی کا نام تجلیات انوار المعین ہے۔ مولانا اجمیری انہیں اپنے انوار برگز نہیں کہہ رہے نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے ستائش خود بخود گردن نہ بد مرد دانا را۔ سو یہ حضرت خواجہ

خواجگان سرا دلایئے چشت اہل بہشت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نور اللہ مرقدہ کے انوار ہیں جو بریلی کے طلعت کدہ پر بڑی تیزی سے پڑے اور انہی نے ”تجلیات انوار المعین“ کا نام پایا۔ یہ پوری کتاب آپ کے سامنے آرہی ہے تاہم اس کے چند اہم عنوان ہم یہاں بھی آپ کے سامنے نمایاں کئے دیتے ہیں۔

پہلا انکشاف

پیروان احمد رضا خان ایک مختصر سی بے ہنگام جماعت ہے:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے فیض سے یہ راز کھلا کہ پیروان مولانا احمد رضا خان کبھی اکثریت میں نہ ہوں گے۔ یہ ایک مختصری جماعت ہے جو بالکل غیر منظم اور بے ترتیب ہے۔ انہیں کوئی علمی یا فکری سلیقہ حاصل نہ ہوگا۔ مولانا اجمیری بریلوی فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”کچھ مختصری پیے ہنگام جماعت“ ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو (مولانا احمد رضا خان کو) مجدد ماننے والی سردست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بگڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑے گا“ ہمارا نمبر تو قادیانی کے بعد کا ہی ہے ہم اس سے آگے کیسے ہو سکتے ہیں۔

دوسرا انکشاف

رسالہ غیر معروف شخص کا ہو تو صاحب مطبع سے الجھنا چاہئے:

مولانا معین الدین اجمیری نے احمد رضا خان کے مسئلہ کو ”جمعہ کی دوسری اذان مسجد سے باہر دینی چاہئے“ کے خلاف رسالہ ”القول الاظہر“ لکھا جسے مولانا محمد انوار اللہ خان معین المہام امور مذہبی حیدر آباد دکن نے شائع کرایا۔ مولانا احمد رضا خان نے لکھا کہ القول الاظہر کے اصل مصنف مولانا انوار اللہ ہیں اور اپنے اس جھوٹ کی تائید میں لکھا۔

”رسالہ ایک غیر معروف شخص کے نام سے تھا اور لوح پر صاحب موصوف کی فرمائش سے طبع ہونا مکتوب مجاہد اہل اور جملہ سے مخاطب نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق“ (اجلی انوار الرضا ص 2) تصنیف کو اصل مصنف سے منسوب نہ کرنا عجب شان جہالت ہے جو اعلیٰ حضرت میں پائی گئی اور مجبول کس کو کہہ رہے ہیں؟ علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کو۔۔۔ جناب خواجہ قمر الدین سیالوی کے استاد محترم کو۔۔۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب نے مولانا حامد رضا خان کو سیال شریف آنے کی اجازت نہ دی تھی۔ آپ از خود دیوبند پہنچ گئے تھے۔

تیسرا انکشاف

مولانا احمد رضا لکھنؤ کے مشہور کوٹھوں پر:

مولانا معین الدین اجمیری مولانا احمد رضا خان کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں ”بارگاہ اعلیٰ حضرت سے وہ درفشانی اور گوہر باری ہوئی کہ خلقت حیران ہے کہ ان کا ظہور بارگاہ رضوی سے ہوا ہے یا لکھنؤ کے مشہور کوٹھوں سے“ گویا اعلیٰ حضرت انہی کی زبان بولتے تھے

چوتھا انکشاف

مولانا احمد رضا خان نے پیسے لگا کر اپنے بخیال بنائے:

مولانا مصین الدین اجیری لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص مشنریوں سے انصاف کی توقع اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ ان کو اعلیٰ حضرت کی ذات سے منافع دنیوی حاصل ہیں۔ انہی پر ان کا کارخانہ زندگی چل رہا ہے اور اس لئے وہ دنیا کے قدر شناس، علم و عقل سے پاک و مقدس ہر ایک کے مخاطب سے آزادی بخشے کے لائق ہیں۔“

یہ چار تجلیاں ہم نے اپنی ترتیب سے لکھی ہیں۔ یہ دراصل حضرت خواجہ اجیری کے فیض کی کرنیں ہیں جنہوں نے روحانی طور پر ہمیں مولانا احمد رضا خان کی حقیقت سے آشنا کیا ہے ورنہ ہم بھی انہیں مجدد مانے ہوتے۔ افسوس کہ بریلوی حضرات مولانا احمد رضا خان کو اپنے دنیوی فوائد (مولانا احمد رضا خان کو یہ دنیوی فوائد کہاں سے ملتے تھے؟ اس کے لئے مولانا احمد رضا خان کا وہ قتلوی کافی ہے کہ انگریزوں سے اپنے دینی مدارس کے لئے گرانٹ لینا جائز ہے اور ان سے ترک موالات کرنا جائز نہیں) کے باعث بالکل نہ سمجھ سکے۔ مولانا اجیری لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کے حواریو! لو! وہ تم کو اعلیٰ حضرت کے کمالات سے روشناس کرائیں۔ تم نے ساری عمران کے ساتھ صحبت اور مخاطبت میں گزاردی پھر بھی ان کے کمالات سے بے خبر رہے۔ ہم پر صرف ایک ہی مخاطبت کی بدولت ان کے تمام کمالات و خصوصیات کا انکشاف ہو گیا۔“

اس کے بعد مولانا اجیری نے مولانا احمد رضا خان کی یہ بارہ خصوصیات نمبر وار ذکر کی ہیں:

1- بند خلاصی: (جان چھڑانا) خود دعوے کر کے پھر اس بات پر آنا کہ فرعی احکام میں قطع و جزم کی کچھ حاجت نہیں۔

2- التزام بمالہ ملتزم: دوسرا جس بات کو نہ ماننا ہوا سے زبردستی اس پر لازم لانا۔ آپ علماء دیوبند پر اسی راہ سے برستے گئے۔

3- مغالطہ دہی: آپ نے سد الفرائض میں علماء بدایوں پر دور اسی راہ سے لازم کیا ہے۔ آپ مغالطہ دینے کے لئے عبارات میں قطع و برید بھی کرتے تھے۔

4- بہتان طرازی: اس میں بقول مولانا اجیری اعلیٰ حضرت بصارت اور بصیرت دونوں میں ضعف کا شکار ہیں۔

5- خروج از دائرہ بحث: اصل موضوع سے نکل جانا اور حاشیے کی بحثوں میں الجھ جانا آپ کا خاص فن ہے۔

6- مجادلہ: جب اپنے کئے پر پانی بھرتے دیکھا اور اپنے کو مجبور پایا تو مجادلہ کی راہ اختیار کر لی۔

7- حق پوشی: مولانا اجیری نے اس میں مولانا احمد رضا خان سے قصداً اظہار حق نہ کرنے کی شکایت کی

ہے۔

8- باددستی: جب کچھ بن نہیں پڑتا تو ہوائی باتیں شروع کر دیتے ہیں جس کی سند درکنار حوالے کا بھی اندراج نہیں ہوتا۔

9- کج بحثی: اعلیٰ حضرت جواب سے عاجزی کے وقت اس حربہ خاص کو استعمال کرتے ہیں۔

10- خلاف بیانی: اس سے مراد 'نہ کہی ہوئی بات' دوسروں کے سر تھوپنا ہے۔ اعلیٰ انوار الرضائیں خان صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

11- افتراء و تحریف: مولانا جمیری فرماتے ہیں 'خان صاحب کی تالیفات کی بنیاد افتراء و تحریف پر ہے۔

12- خود فراموشی: خان صاحب اپنے مرتبہ کو فراموش کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ پر اپنی ذات کو قیاس کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت مولانا معین الدین جمیری نے مولانا احمد رضا خان کی ان بارہ خصوصیات میں سے ہر ایک پر پورے سطر سے بحث کی ہے۔ ان کا کچھ مختصر سا مفہوم ہم نے ساتھ ساتھ نقل کر دیا ہے۔ یہ ان کے شخصی کمالات ہیں اس سے زیادہ کسی انسان کی ذات پر بحث نہ کرنی چاہئے کسی شخص کو اس کی عادات سے زبردستی نہیں روکا جاسکتا۔ حضرت مولانا معین الدین جمیری نے انہیں علمی طور پر اپنے آپ کو پہچاننے اور اہلسنت (مقلدین) کی راہ پر لگانے کی نہایت مخلصانہ سعی کی ہے۔

حضرت مولانا جمیری کی مولانا احمد رضا خان کو نصیحت

حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف اس سے استدلال نہ تو ان کا منصب ہے اور نہ آئندہ ان کو کسی خفی ہونے کی وجہ سے اس پر مصر ہونا چاہئے ورنہ سب سے بڑھ کر ان کو الزام دینے والی خود ان کی کتابیں اور ان کی تصانیف ہوں گی۔ (ص.....)

یہ مولانا جمیری کی تصریح ہے کہ مولانا احمد رضا خان ہرگز منصب اجتہاد کے نہ تھے۔ اب مولانا احمد رضا خان کے ان پڑھ پیروؤں کو بھی دیکھئے کس دیدہ دلیری سے وہ آپ کے لئے اونچا فقہی مقام ثابت کرتے ہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی ضیائے کثر الایمان میں لکھتے ہیں:

رہے ابن عابدین (علامہ شامی) اور سید طحاوی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے قتلے میں ان لوگوں کی متعدد فقہی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اس لئے ان کو اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کے منزله میں ذکر کرنا واقعہ کے مطابق ہے مبالغہ نہیں ہے۔

ایک اہم فہمائش

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے قارئین حضرت مولانا محسن الدین جمیری کا وہ پورا رسالہ (القول الاظہر) مطالعہ فرمائیں جو مولانا احمد رضا خان کے اس غلط مسئلہ کے جواب میں لکھا گیا۔ اس سے آپ کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ مولانا احمد رضا خان کس طرح اتفاقی مسائل کو اختلاف سے بدلتے تھے اور کس طرح تعادل امت سے نکل کر غیر مقلد بننے کا ان کو شوق تھا۔ مولانا احمد رضا خان کی مسلکی پوزیشن آپ اس کے مطالعہ سے ہی معلوم کر سکیں گے۔ ہم اس کا کچھ مختصر خاکہ یہاں بھی پیش کئے دیتے ہیں تاکہ اس کی تفصیل میں جانے کے لئے یہ خاکہ آپ کی کچھ مدد کر سکے۔

اسلام میں اذان کا مقصد

اسلام میں اذان (1) اعلام غائبین کے لئے ہوتی ہے تاکہ دور دراز کے لوگ اسے سن لیں اور نماز کے لئے آسکیں اور یہ بھی جان جائیں کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اذان اس مقصد کے لئے کسی اونچی جگہ پر ہی مسجد سے باہر ہو سکتی ہے۔

(2) جمعہ کی دوسری اذان انصات حاضرین کے لئے ہے کہ جو لوگ مسجد میں نماز جمعہ کے لئے آچکے انہیں علم ہو جائے کہ امام اب منبر پر آچکا ہے۔ اب سب حاضرین سلام و کلام سے محنت رہیں اور چپ رہیں۔ یہ اذان منبر کے سامنے دی جاتی ہے۔ یہ انصات متعین کے لئے ہے۔ جمعہ کے لئے وہ اذان جو عام نمازوں کے لئے ہوتی ہے پہلے نہ تھی جس طرح عید کی نماز کے لئے اذان نہیں ہوتی ہے۔

جمعہ کے دن کوئی مسجد میں آئے تو ایک وقت انصات حاضرین کے لئے آئے گا اس وقت کے داخل ہونے پر اس وقت کا سب کو پتہ دینا دین فطرت میں موجود ہونا چاہئے۔ وہ وقت کب ہے؟ حضرت سلمان فارسی حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:-

يَنْصَبُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ۔ (صحیح بخاری جلد 1 ص 127)

(ترجمہ) جب امام بولنا شروع کرے تو حاضرین میں سے ہر ایک چپ رہے۔

سو اس انصات کے لئے یہ جمعہ کی دوسری اذان ہے جو نئی یہ اذان ہوئی وقت انصات شروع ہو گیا۔ اب کسی کو بولنے کی اجازت نہیں۔ بیچ وقت اذان اور جمعہ کی اذان میں نئی فرق ہے۔ پہلے دور میں جب مسلمانوں کی تعداد مختصر تھی یہی اذان جمعہ کی اذان تھی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے۔ جب مسلم آبادی بڑھ گئی تو دور کے لوگوں کو بتانے کے لئے کہ جمعہ یہاں ہوتا ہے یا یہ کہ آفتاب ڈھل گیا ہے مسافر نماز ظہر پڑھ سکتے ہیں ایک اور اذان جاری کی گئی۔ اس سے یہ ضرورت پوری کرنی مقصود تھی اور سب صحابہ کے اتفاق

سے حضرت عثمان نے اسے جاری فرمایا۔ حضرت علیؑ نے بھی اس سے کوئی اختلاف نہ کیا۔
 حضرت عثمان کا اسے قائم کرنا بتلاتا ہے کہ جمعہ کی وہ اذان جو منبر کے سامنے پہلے سے چلی آ رہی تھی یہ وہ
 اذان ہرگز نہیں جو پنجگانہ نمازوں کے لئے ان کا وقت داخل ہونے پر دی جاتی ہے۔ یہ دونوں قسم کی اذانوں
 میں ایک جو ہری فرق ہے جس کی وجہ سے ان دونوں اذانوں کا محل مختلف رکھا گیا، پنجگانہ نمازوں کی اذان
 مسجد سے باہر ہوتی رہی اور جمعہ کی اذان منبر کے سامنے یہ اذان حضرت عثمان کے وقت سے مسجد میں ہو
 رہی ہے۔ پہلے جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کی طرح تھا جس طرح نماز عید کے لئے اذان نہیں جمعہ
 کے لئے بھی بلانے کی اذان نہ تھی نہ اس کے لئے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہ صرف انصاف
 مصتین کے لئے تھی۔ جب مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور اسی طرح ان کی مصروفیات زیادہ ہو گئیں تو
 صحابہ نے ایک ضرورت کے لئے جمعہ کی پہلی اذان جاری کی۔ یہ اذان ان سنتوں میں سے ہے جو خلفائے
 راشدین کے عمل سے امت میں جاری ہوئیں۔ قرآن کو ایک کتابی شکل میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ
 نے تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا اور حضرت عثمان نے دور کے لوگوں کو نماز جمعہ پر متنبہ کرنے
 کے لئے جمعہ کی پہلی اذان جاری کی۔ تینوں خلفائے کے ان کاموں کی پوری جماعت صحابہ نے بالا جماع
 تائید کی۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث پہلے سے روایت ہوتی آ رہی تھی:

عليكم بسنتي وسنته الخلفاء الراشد بن المهديين
 راشدین کے ان اعمال نے اس کو تکمیل بخشی۔

اس وقت ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں بتانا صرف یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے کسی حلقے میں نہ جمعہ کی
 اس اذان اول کا انکار ہو نہ جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں ہونے پر کسی نے لب کشائی کی۔ جمعہ کی اذان
 ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اٹھے اور حضرت عثمانؓ سے اختلاف
 کیا۔ جو مسئلہ شیعہ کے سوا کسی کے ہاں اختلافی نہ تھا اسے اختلافی بنا دیا نہ صرف اسے اختلافی بنایا کہ ہر ایک
 اس پر مثاب و ماجر ہو سکے بلکہ اسے بدعت سعیدہ قرار دیا کیونکہ اسے مٹانے والے کو آپ نے سوشیدوں
 کے ثواب کی بشارت دی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بدایوں کے علماء مولانا احمد رضا خان کے خلاف اٹھے تو مولانا احمد رضا خان نے انہیں حمایت پداری کا طعن دیا
 کیونکہ یہ بدایونی علماء نہ با عثمانی تھے۔ خیر آبادی علماء میں مولانا مصین الدین اجیری نے اس مسئلہ میں مولانا
 احمد رضا خان کے خلاف القول الاظہر لکھا جس کا کوئی صحیح جواب مولانا احمد رضا خان سے نہ بن سکا۔
 حضرت اجیری نے اس رسالہ میں مولانا احمد رضا خان کی اختلاف پسندی ان کی ضد ان کی علمی کمزوری اور
 ان کے اہل السنۃ کے مسائل مسئلہ سے نکلنے پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان صرف علمائے دیوبند کے ہاں ہی اہل سنت کے خلاف ایک نئے دین و مذہب کے جاری کرنے والے نہ تھے بلکہ خیر آبادی علماء کے ہاں بھی وہ ہرگز سنّی طریق کے پابند نہ رہے تھے اور ضد اور ہٹ دھرمی نے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ انصاف نام کا کوئی نقطہ ان کی لغت فکر میں نہ تھا۔

مخالفت کے جوش میں ہوش دے بیٹھنا

مولانا احمد رضا خان مخالفت کے جوش میں یہ بھی سوچ نہ پاتے تھے کہ میں اس باب میں پہلے کیا کہہ چکا ہوں۔

شفا مدرس حرم شریف نبوی مولانا عبدالقادر شبلی کے یہ القاب آپ خود سام الحرمین میں لکھ چکے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ہاں علم و فضل میں بڑے اونچے آدمی تھے۔ احمد رضا خان لکھتے ہیں:-
من فی العلم تصورونی الدرس تقرر و دقیق النظر و درود و صدر و توفیق من القادر الشیخ الفاضل عبدالقادر توفیق الشبلی الظہری البی

مگر جب مولانا عبدالقادر شبلی نے مولانا احمد رضا خان کے اس فتوے کو جو جمعہ کی اس اذان ثانی کے بارے میں تھا غلط قرار دیا تو مولانا احمد رضا خان نے انہیں احمق اور جاہل لکھا کہ یہ لوگ مخاطبہ کے لائق نہیں۔ ذرا اس جملہ پر غور فرمائیے۔

”جاہل یا جملہ سے مخاطب نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق“

اور یہ بھی لکھا: اول تا آخر اغلاط و خطا سے مملو جبل و سفاہت و افتراء و تافض و خیانت و ناہمی و مکاریہ کون سا کمال ہے جو گنتی کی ان سطروں میں نہیں۔

یہ وہ گمان فاسد ہے جس کی وجہ سے مولانا احمد رضا خان ہمیشہ اپنے کسی مخالف کو کبھی کوئی جواب صحیح دے نہ پائے اور ساری عمر یہ بدنامی اٹھاتی کہ آپ کبھی اپنے کسی مخالف سے مناظرہ نہ کر سکے۔

القول الاظہر کے جواب میں اجلی انوار الرضا کا قابل منظر مؤقف

مؤقف اول

مولانا احمد رضا خان نے پہلا یہ مؤقف اختیار کیا کہ القول الاظہر جس کے نام سے چھپا ہے وہ اس کا مصنف نہیں ہے۔ یہ اصل میں حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی کی تالیف ہے۔ تو جب اصل مصنف یوں چھپے بیٹھا ہے تو وہ مجھول ٹھہرا۔ اب بتائیے مجھول کیا کسی جواب کے لائق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ (اب ہمیں جواب دینے کی کیا ضرورت ہے)

حقیقت حال

حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی کی ریاست حیدرآباد میں مذہبی امور کے مدارالمہام تھے آپ کی فرمائش سے القول الاظہر چھپا تھا۔ مصنف کا نام اس پر صریحاً مکتوب ہے۔ اس پر مولانا احمد رضا خان کا یہ تجاویز عارفانہ اصل میں جواب سے گریز پائی کے لئے تھا۔

مولانا احمد رضا خان کبھی کسی عالم کے سامنے نہ آ سکے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صرف علمائے دیوبند کے خلاف تھے۔ ایسا نہیں آپ اپنے وقت کے جمہور علماء کے خلف تھے۔ علماء کا وہ کون سا طبقہ ہے جس کی مخالفت آپ نے نہ کی ہو۔ علمائے دیوبند صرف اپنے مدرسہ کی وجہ سے زیادہ معروف ہو گئے کیونکہ اس وقت پورے ایشیا میں اس مدرسہ کی علمی عبقریت کی کہیں نظیر نہ تھی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اہل سنت کے ہاں رامپور بدایوں، بریلی، میرٹھ، فرنگی محل اور دہلی کے علماء کی بھی ایک اچھی شہرت تھی اور مولانا احمد رضا خان کے ان مراکز کے علماء سے بھی شدت کے اختلافات رہے اور مولانا احمد رضا خان جس طرح کبھی علمائے دیوبند کے سامنے نہ آئے اسی طرح ان مراکز کے علماء کے سامنے بھی کبھی انہیں آنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم آپ کو پون صدی پیچھے لے چلیں۔ اس وقت فرقہ رضائیہ صرف مولانا احمد رضا خان کے پیروؤں کو سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت کے جمہور اہلسنت علماء، رامپور علماء، بدایوں علماء، میرٹھ اور علمائے دہلی مولانا احمد رضا خان پر وہابی ہونے کا فتوے دے چکے تھے اور مولانا احمد رضا خان اپنے علمی پیرائے میں غیر مقلدین کا موقف رکھتے تھے اور خلفائے راشدین کی قائم کردہ سنتوں کو سنت اسلام نہ سمجھتے تھے۔ یہ اذان جمعہ کا مسئلہ بھی انہی مسائل میں سے ہے جن میں مولانا احمد رضا خان نے کھل کر حضرت عثمان غنیؓ سے اختلاف کیا اور علماء بدایوں کو پد پرستی کا طعنہ دیا۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ کو خلفائے راشدین میں سے ماننا اہل سنت کی ضروریات مذہب میں سے ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے 1916ء کا ایک پرانا رسالہ ہلالی پریس دہلی کا چھپا ہوا رکھا ہے اس کا سال اشاعت 1916ء اس پر درج ہے۔ ہندوستان کے ایک قصبہ جاوڈ ضلع منج (گوالیار) کے شیخ محمد اس کے مرتب ہیں۔ شیخ محمد کا بندو قوں کا ایک کارخانہ تھا جس کی وجہ سے انہیں بندوق ساز کہتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان ویسے ہی اس بندوق سے ڈرتے رہے اور انکے سامنے انکی ہمت نہ کی۔

ان کے اس رسالہ کا نام ہے: فرقہ رضائیہ کا مناظرہ سے فرار اور اوپر بصورت ہلالیہ آیت لکھی ہے: کاظم حر مسعفر ہفت من قسورہ۔ (پ 29 المدثر 52) (ترجمہ) گویا وہد کے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگ رہے ہوں۔

اس رسالہ کے ص 6 پر لکھا ہے:-

”انصاف سے دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمام دنیا میں فرقہ رضاء سے بڑھ کر کوئی دوسرا فرقہ نامہذب و سخت گوشتیں ہے ہم نے حضرت فخر المصطفیٰ مولانا مولوی معین الدین صاحب صدر آرائے مسند درس اجمیر شریف کی خدمت میں مناظرہ کے لئے عرض کیا اور انہوں نے منظور فرمایا“

وقت کے علماء اعلام کس کے ساتھ تھے

اب اگر یہ مناظرہ ہو تو مولانا احمد رضا خان کے بالمقابل وقت کے سب علماء اعلام حضرت مولانا اجمیری کے ساتھ تھے۔ مناظرہ میں کہاں کہاں کے علماء ان کے ساتھ بیٹھیں گے اسے اس رسالہ کے ص 21 پرلاحظہ فرمائیں:-

”اگر یہ مسئلہ سچا اور حق ہے تو تم مولانا (احمد رضا خان صاحب) صاحب کو بلو اگر مناظرہ کرواؤ ہمارے علماء رامپور ہدایوں اجمیر شریف بریلی اور دہلی سے آنے کو تیار ہیں“

اس سے یہ بی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان دنوں معتبر سنی علماء میں شمار نہ ہوتے تھے وہ نہ خلفائے راشدین کی سنت کو سنت اسلام سمجھتے تھے نہ وہ مقلدین کی کوئی ادارہ رکھتے تھے۔ غیر مقلدین کی طرح وہ قرآن وحدیث سے نئے نئے استنباط اور نئے نئے اجتہاد کرنے کے عادی تھے:-

پس ہمہ یہ حقیقت ہے کہ وہ کبھی اپنے کسی مخالف عالم کے سامنے بحث و مناظرہ کے لئے نہ آنے نہ آنے کی کبھی انہوں نے جرات کی۔ مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد مولوی عبدالکریم چٹوڑی (اودے پور سے) اپنے مخالفین پر اظہارِ فسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی شان بہت کم کر دی ہے آپ لکھتے ہیں:-

ایک فروغی مسئلہ میں ایسے زبردست جلیل القدر بقول علمائے حرمین امام وسید و فردا علی حضرت عظیم البرکت کو بے ایمان بے تقویٰ بے عقل بے حواس بتا دیا۔ (رسالہ مذکور ص 15)

اعلیٰ حضرت کا جب یہ حال ہو گیا تو آپ ہی سوچیں کہ ان کے ساتھ پھر کون رہا ہوگا۔ اسے بھی لگے ہاتھوں دیکھ لیجئے۔ شیخ محمد بندوق ساز لکھتے ہیں:-

”اس مسئلہ پر ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین ہماری ساتھی ہے ایک اعلیٰ حضرت ہی ہیں کہ منفرد ہیں۔ جب وہ تحقیق حق پر آمادہ ہو گئے تو ہمارے ہاں سے بھی جو وقت پر بہن پڑے گا ان کا خضم ہو جائے گا اور بات محقق ہو جائے گی“ (ایضاً ص 14)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کو اپنے وقت میں علماء دیوبند کے سامنا اور علمائے اہلسنت کی حمایت بھی نہیں حاصل نہ تھی۔ اذانِ جمعہ کے مسئلہ اور حضرت عثمان غنی کی مخالفت نے انہیں پوری ملت

اسلامی سے الگ کر رکھا تھا۔ ہم کہاں تک تفصیل میں جائیں یہ آٹھ خط ہیں جو یکے بعد دیگرے مولانا احمد رضا خان کے معتقد مولوی عبدالکریم مولوی عبدالسلام اور خود مولانا احمد رضا خان کو بھیجے گئے اور بار بار ان کو مناظرہ کے لئے بلایا گیا۔ علما اہل سنت کی اس لٹاکار کے آگے اعلیٰ حضرت بالکل بے بس تھے۔ ہم قدرے یہاں ان کا کچھ تذکرہ کئے دیتے ہیں۔

1- پہلا خط جادو شیعہ سے شیخ محمد (بندوق ساز) نے قاضی فتح محمد اور مولوی عبدالکریم کے نام 12 جمادی الاول 1334ھ کو لکھا اور انہیں کہا کہ اعلیٰ حضرت کو جس طرح بھی بن پڑے مناظرہ کے لئے لائیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے 23 جمادی الاول کو اوڑے پور سے اس کا جواب دیا کہ ہم اذان جمعہ خارج مسجد پر مناظرہ کے لئے تیار ہیں لیکن مولانا احمد رضا خان کے برابر کا کوئی عالم لاؤ ان کے پلے کے عالم کے بغیر ہم کسی سے مناظرہ نہ کریں گے۔

2- دوسرا خط شیخ محمد نے یکم جمادی الثانی کو لکھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اس کا جواب ارسال کیا اور اجلی انوار الرضا کے مطالعہ کا مشورہ دیا اور بس۔

3- شیخ محمد نے پھر 14 جمادی الثانی کو ایک خط لکھا جو واپس آ گیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے رجسٹری وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ مناظرہ کے لئے اعلیٰ حضرت تیار نہ ہوتے تھے اور نہ وہ اپنے کسی کو نائب کو اپنی ہار جیت کا ذمہ دار ماننے کے لئے تیار تھے۔

4- ایک خط مولوی محمد اسماعیل بن علی جی نے 4 جمادی الاول کو براہ راست مولانا احمد رضا خان کو بھیجا اور ان سے بعد ادب مناظرہ کرنے کے لئے کہا 'عام خلقت کی پریشانی کی رہائی دی۔ اعلیٰ حضرت سے ہزار شتیں کیس مگر اعلیٰ حضرت کو مسلمانوں کے حال پر کچھ رحم نہ آیا اور مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔

5- ایک خط مولوی عبدالحمید صاحب نے مولانا احمد رضا خان کو 12 جمادی الثانی کو لکھا۔ اس کا جواب مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد مولوی عبدالسلام رضوی نے دیا مگر اس میں مولانا احمد رضا خان کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہ دی گئی اور پشاور کے جس مولوی کو اپنا نمائندہ بنایا نہ اس مولوی احمد اللہ کا کوئی یہ دیا نہ یہ بتایا کہ انہوں نے کس کی طرف سے یہ ذمہ داری قبول کی ہے اور کیا ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ نہ انکی کوئی تحریر تھی نہ وہ مناظرہ کے لئے تیار ہیں۔

6- شیخ محمد بندوق ساز نے پھر 22 مئی کو مولانا احمد رضا خان کو براہ راست ایک خط لکھا کہ خدا را پبلک کے حال پر رحم کریں اور مناظرہ کے لئے قصہ جادو میں آئیں مگر خان صاحب نے کمال ہمت و ہرجسٹری واپس کر دی اور سامنے آنے کی ہمت نہ کی۔

7- پھر 18 جمادی الثانی کو جناب اسماعیل چھپ نے مولانا احمد رضا خان کو ایک خط لکھا اور ان کی بڑی

لجابت کی کہ کسی طرح وہ جمعہ کی اذان ثانی پر مناظرہ کریں مگر انہیں شاید علم نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت تو کبھی کسی عالم کے ساتھ مناظرہ نہ کر پائے تھے۔ جب وہ اس میدان کے ہی نہ تھے تو ان سے مناظرہ کرنے کی یہ بار بار درخواست بھی کی ان کی رگ حسیت میں ذرا ارتعاش پیدا نہ کر پائی اور اس کا نتیجہ یہ رہا کہ آج بریلویوں کی عام مسجدوں میں بھی جمعہ کی اذان ثانی حضرت عثمان کی سنت کے مطابق ہوتی ہے اور خود بریلویوں نے اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خان کو عملاً غلط تسلیم کیا ہوا ہے۔

ہو سکتا ہے ہمارے قارئین یہ مطالبہ کریں کہ ہم ان خطوط کا مطالعہ خود کرنا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان اتنے بے بس رہے ہوں کہ علماء بدایوں علماء رامپور علماء میرٹھ علماء اجمیر علماء بریلی اور علماء دہلی میں سے کسی کے سامنے نہ آ سکے ہوں۔ ہم ان کی تسلی کے لئے وہ خطوط ساتھ دے رہے ہیں جو فاضل حسین کے اہتمام سے 1916ء میں ہلائی پریس دہلی سے چھپے۔ اس وقت فرقہ رضائیہ ایک مختصر سی جماعت تھی جسے حیدرآباد کے حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی، حضرت مولانا حکیم برکات احمد سرتاج علماء خیر آباد مولانا علامہ معین الدین اجمیری، حضرت پیر مہر علی شاہ گلوڑوی، مولانا محمد حسین صاحب سیالوی، خواجہ ضیاء الدین حجادہ نشین سیال شریف کے نسبتی حلقوں میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ ازاں بعد ہم القول الاظہر بدیع قارئین کریں گے جس میں جمعہ کی اذان ثانی پر اصولی درجہ میں ضروری دلائل دے دیئے گئے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنی کتاب اجلی انوار الرضا کو یونہی القول الاظہر کا جواب کہہ دیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری کی تاریخی دستاویز تجلیات انوار المعین وجود میں آئی اور زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اس میں حضرت اجمیری نے تین تجلیات میں مولانا احمد رضا خان کو طشت از بام کر دیا ہے۔ اس پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے۔

مولانا احمد رضا خان کو ایک اور پہلو سے بھی مطالعہ کیجئے۔

آگے ہم اس پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے بحث کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان علماء بدایوں کی نظر میں کیا تھے؟

یہ صحیح ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد کرنے میں تمام علماء بدایوں مولانا احمد رضا خان کے خلاف تھے اور مولانا احمد رضا ان سب کو اولاد حضرت عثمان غنی ہونے کے باعث پُر پرستی کا طعنہ دیتے تھے لیکن جس شخص نے کھل کر مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروؤں پر تاریخی تنقید کی وہ مولانا عبدالقدیر بدایونی کے حلقہ کے جناب ماہر القادری بدایونی ہیں۔ آپ کو علماء دیوبند کی مخالفت میں علماء بدایوں کے دیگر علماء کے ساتھ نہ رہے تاہم ان کے بریلوی طرز کے پہلے مشرب سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے بدایونی علماء کی

اس راہ کو کیوں چھوڑا اسے خود انہی کے الفاظ میں مطالعہ فرمائیے:-

ایک بار حیدر آباد کن میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی خدمت میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ عرس کے موقعہ پر خاص طور پر اکثر زائرین قبروں کا طواف کرتے ہیں قبروں کو چومتے ہیں قبروں پر چادریں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں چادروں، گاگروں، پنکھوں اور صندل کے جلوس نکلتے ہیں قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں عریضیاں لکھ کر قبروں کی جالیاں اور دروازوں پر لٹکا دیتے ہیں تو حضرت ان میں کیا کوئی فعل بھی بدعت نہیں ہے؟

مولانا نے تند و تیز لہجہ میں جواب دیا: ”بدعت صرف مولوی اشرف علی کا نام ہے“ اس پر مولانا ماہر القادری بدایونی لکھتے ہیں:-

بس اس دن کے بعد ان مسائل پر میں نے مولانا عبدالقدیر بدایونی سے گفتگو نہیں کی۔

قارئین اب ملاحظہ کریں کہ مولانا احمد رضا خان، مولانا ماہر القادری البدایونی کی نظر میں کیا تھے۔ قادری صاحب نے چونکہ ہر بات نہایت معقول پیرائے میں دلیل کے ساتھ بیان کی ہے اس لئے جو بریلوی حضرات ان کے بخیل نہیں انہیں بھی قادری صاحب کے اس مضمون میں بہت مفید معلومات ملیں گی۔ جناب ماہر القادری صاحب کو اردو ادب میں جو منفرد مقام حاصل ہے کوئی بریلوی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ذکر عبادت بریلوی ہمیشہ ان کے مداح رہے سونا مناسب نہ ہوگا کہ ہم مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ قرآن کنز الایمان پر ان کی رائے لیں۔ اس سے ہمارے قارئین بیک نظر کنز الایمان کی تک پہنچ جائیں گے۔

مولانا احمد رضا خان علماء ادب کی نظر میں

مولانا قادری بدایونی نے کنز الایمان کے بارے میں اپنی رائے صرف اپنے مطالعہ سے قائم نہیں کی دو بریلوی تحریروں کے تنقیدی مطالعہ سے آپ اس حقیقت پر پہنچے ہیں کہ یہ ترجمہ عصر جدید میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں کر سکا۔ یہ دو تحریریں کن کن بزرگوں کی ہیں جنہوں نے کنز الایمان کے چھپے جو ہر لوگوں کے سامنے آشکار کئے؟ (۱) جناب ملک شیر محمد خان اعوان اور (۲) مولانا غلام رسول سعیدی۔ اول الذکر نے محاسن کنز الایمان کے نام سے 56 صفحات لکھے اور ثانی الذکر نے ضیائے کنز الایمان کے نام سے 55 صفحات لکھے۔ پہلے بزرگ سے صرف ایک صفحہ پیچھے رہے یہ دونوں رسالے مرکزی مجلس رضائے نوری مسجد لاہور سے شائع کئے اور یہ دونوں تمام ملک میں مفت تقسیم کئے گئے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کا خریدنے والا کوئی نہ تھا بلکہ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ فیض ہر گھر اور ہر قریہ میں پہنچے۔ مولانا ماہر القادری البدایونی نے ان دونوں رسالوں کو سامنے رکھ کر ان پر تبصرہ کیا ہے۔

ضیائے کنز الایمان میں زیادہ بحث کنز الایمان پر نہیں مولانا غلام رسول سعیدی نے زیادہ جرح خود مولانا ماہر القادری البدایونی اور ان کی اردو پر کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زیادہ غصہ اس تبصرہ پر ہے جو مولانا ماہر القادری نے ملک شیر محمد اعوان کے رسالہ محاسن کنز الایمان پر کیا تھا۔ چونکہ قادری صاحب کے اعتراضات کو وہ نہیں اٹھا سکے وہ قادری صاحب کی اردو کو زیر بحث لے آئے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا بدایونی نے ایک ماہر نقاد کے پیرائے میں ہر ایک اعتراض کا پورا جواب دیا ہے۔ واللہ الحمد۔

ہم یہاں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتے وہ یہ کہ قرآن کریم کے اردو تراجم کے ان مباحث میں جتنے تراجم زیر بحث آئے ہیں وہ ماسوائے ترجمہ شیخ الہند کے سب نئے تراجم ہیں۔ حضرت شیخ الہند اپنے ترجمہ میں آزاد نہیں وہ زیادہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (1230ھ) کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اب ملک شیر محمد اعوان یا غلام رسول سعیدی نے اس ترجمہ پر جو جو اعتراضات

اٹھائے ہیں وہ صرف حضرت شیخ الہند پر نہیں اونٹے وہ اس سے کچھ اور بھی جاتے ہیں اور ان حضرات تک جا پہنچتے ہیں جنہیں خود بریلوی بھی دینی علوم کی مرکزی شخصیتیں سمجھتے ہیں اور دراصل وہی حضرات ہیں جن کے تراجم کی روشنی میں بعد کے تراجم کو ان کی دینی صلاحیت اور اعتقاد میں دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کا اپنے اسلاف سے امتساب جس قدر قوی اور مضبوط تھا یہ اسی کی جھلک ہے جو ان کے ترجمہ قرآن میں دیکھی گئی ہے اور اگر اس جہت سے دیکھا جائے کہ ان جملہ تراجم میں سلف کے سب سے زیادہ قریب کون سا ترجمہ ہے تو ماسوائے ترجمہ شیخ الہند کے اور کوئی نام سامنے نہ آئے گا۔ جناب ماہر القادری البدایونی کی نظر اگر اس طرف نہیں گئی تو اس کی وجہ خود ان کا اپنا مسلک ہے جس میں بریلوی 98 فیصد غلط ہیں اور 2 فیصد وہ یوہندی مکتب فکر کے بھی خلاف ہیں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:-

ہم یہاں ان امور پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم یہاں صرف اس پر بحث کر رہے ہیں کہ ترجمہ کنز الایمان بدایونی حضرات کی نظر میں کیا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے اس پر بحث کی کہ مولانا احمد رضا خان خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے اور ان کا علمی اور اعتقادی مقام کیا تھا اب یہاں یہ بھی جان لیا جائے کہ جب سے مولانا احمد رضا خان نے جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر علمائے بدایوں کو پودر پرستی کا طعن دیا اور اس میں حضرت عثمان غنی پر بھی جرح کر دی اس کے بعد مولانا احمد رضا خان خود بدایونی علماء کے ہاں بھی کسی اونچے درجے پر نہیں رہے۔ ہاں ہماری اس بحث میں زیادہ توجہ اس پر ہے کہ ہمارے قارئین مولانا احمد رضا خان کو حضرت امیر کی کے نقطہ نظر سے زیادہ سے زیادہ سمجھ سکیں۔

ہم اس پہلو سے خان صاحب کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آپ انہیں علم و تہذیب اور دیانت و امانت کی زد سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

جرح کے مختلف وجوہ:

جرح کے وجوہ متعدد ہیں مگر مآل کار وہ دو عنوانوں میں آ جاتے ہیں۔ 1- دیانت کی طرح راجح ہوں گے یا 2- علم اور یادداشت کی طرف راجح ہوں گے۔ مولانا احمد رضا خان کی مندرجہ بالا بارہ خصوصیات ان کی دیانت اور امانت داری کو بری طرح مجروح کرتی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے ان اور اق میں مولانا احمد رضا خان پر علم و فضل کے پہلو سے بھی سخت جرح کی ہے مثلاً:-

- 1- نقص اور استفسار میں فرق نہ کر سکے۔
- 2- اعلیٰ حضرت فتویٰ نویسی سے نا آشنا ہیں۔
- 3- تقریری مقابلہ سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔
- 4- احمد رضا خان کے طالب علمانہ سوالات۔
- 5- رسالہ اعلیٰ انوار الرضا دھورام کی سی تحریر ہے۔
- 6- یہ جبل مرکب علم بسیط اعلیٰ حضرت کا نہ ارزندگی ہے؟
- 7- ایسے فٹش گو کو مجدد تسلیم کرنا حماقت ہے۔
- 8- میدان میں آ کر خصموں کے حملے سے نہ سکے۔

ضرورت ہے کہ ان دو علمی تحریروں اور ان کے مضامین عالیہ سے عصر حاضر کے اہل علم کو بھی متنبہ کیا جائے تاکہ وہ جان لیں کہ مسائل کی اکھاڑ پچھاڑ میں انگریز حکومت کے دور میں کس طرح اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے مجدد بنے۔ مولانا احمد رضا خان کی علماء دیوبند سے مخالفت ان رسالوں کا موضوع نہیں۔ ان کا موضوع یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان خود اپنوں کی نظر میں کیا تھے اور وہ اپنے اختلاف کے شوق کو کس طرح اپنوں پر بھی پورا کرتے تھے۔ اس سے نہ علمائے بدایوں بچے نہ علمائے رامپور نہ علمائے اجمیر اور نہ علمائے دہلی۔ مسلمانان اہل سنت اس طرح آپس میں تقسیم ہوئے کہ برصغیر میں اہل سنت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اور اہلسنت ہمیشہ کے لئے کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

مولانا احمد رضا خان کا سوانح نگار قاری احمد چلی بھیتی لکھتا ہے:-

”مولانا احمد رضا خان پچاس سال اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل کتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص 8)

مستقل کتب فکر سے مراد ہمیشہ کی تفریق ہے مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر لوگ مولانا احمد رضا خان کو ان کی ان صفات اور کردار کے آئینہ میں دیکھ لیں تو کبھی وہ ان کی پیروی نہ کریں۔ اہلسنت کو پھر سے متحد کرنے کے لئے مولانا احمد رضا خان کو قریب سے سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارے خیال

میں عام لوگ جب مولانا احمد رضا خان کے مزاج کو جان لیں گے اور اس پر یہ غیر جانبدار شہادت ان کی نظر سے گزرے گی تو علمائے دیوبند کی مظلومیت فوراً ان کے سامنے کھل جائے گی اور اہل سنت کا شیرازہ پھر سے بندھ جائے گا۔

ہمارے محترم دوست حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب مرحوم سابق استاد حدیث جامعہ مدنیہ لاہور نے بڑے شوق سے مولانا معین الدین اجمیری کے ان رسالوں کو دوبارہ کتابت کرایا۔ ہم تہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔ اصل رسالوں میں جہاں عربی اور فارسی عبارات کا ترجمہ نہ تھا قاری صاحب مرحوم نے خود ان کا ترجمہ بھی فرمایا۔ اب جبکہ قاری صاحب مرحوم اپنا خیمہ جنت میں لگا چکے ہیں ان کا یہ گوہر مراد منصرہ شہود پر آ رہا ہے۔ ہم انکے بھائی مولانا عبدالحفیظ کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے وہ کتاب ہمیں دے کر ممتحن فرمایا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کتابوں کی اس اشاعت کے ذریعہ وہ اہل سنت و الجماعت کی ان دو جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے اور مولانا احمد رضا خان کی فرضی کھڑی کی بولکی نفرت کی دیواریں یکسر گر پڑیں۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مناظرہ سے فرار کی افسوسناک داستان
مولانا احمد رضا خان نے ہمت ہار دی



مرقاۃ فی کل منظرہ و فرا حسبنا

جناب شیخ محمد رضا بندوق ساز جاود ضلع نمج

منشی فضل حسین کاہستام

ہلالی پستہ ۱۹۱۶
ہلالی پستہ ۱۹۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے (جن کو ان کے مریدین و معتقدین مجدد مائے حاضرہ کہتے ہیں) بیٹھے بیٹھائے ایک تازہ فتنہ کھڑا کر لیا اور اسلامی دنیا میں ایک عظیم برپا کر دیا آپ کو کسی طرح تحقیق ہو گیا کہ اذان خطبہ جمعہ ہر دن مسجد دینا سنت ہے پس پھر کیا تھا مسلمان غضب میں آگئے چاہیے تو یہ تھا کہ اجماع عالم دیکھ کر خود مرعوب ہوتے اور مسلک قدیم نہ چھوڑتے اور لا تجتمع امتی علی الضلالہ کی حدیث کو سمجھتے اور اتبعوا السواد الا عظم پر کاربند ہوتے اگر اس پر عمل پیرا ہونے کی ان سے توفیق سلب ہو چکی تھی تو کم از کم یہ کرتے کہ اپنا دنیا سے نرالا مسلک دنیا کے سامنے پیش کر کے خاموش ہو جاتے اب اس کو اختیار تھا خواہ مانتے یا نہ مانتے لیکن انہوں نے تو یہ ستم کیا کہ اس فرعی مسئلہ کو اس قدر اہمیت دی کہ مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو جائز رکھا ان میں نفاق و اختلاف کا بیج بویا۔ بہت جگہ نومت زد کو ب کی پہنچی جمعہ کے دن جائے سکون سے نماز جمعہ ہونے کے مسجد میں سب و شتم کا بازار گرم ہوا وہ مسجد جس میں بلند آوازی سے کوئی چیز تلاش کرنا گناہ وہ مسجد جس کے احترام کے لئے بیع و شرا ممنوع ہو وہ مسجد جس کی عزت و قرار رکھنے کے لئے دنیوی بعض مباح باتیں ناجائز ہوں اس میں علانیہ مار پیٹ کی نومت پہنچی۔ شور و غل کا بے ہنگار ن پڑا مسلمانوں نے ایک دوسرے کو خوب برا بھلا کہا مسجد کی توہین کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ مسجدوں میں بازار کا نقشہ قائم کر دیا۔ غرض ایسی ان ہونی باتیں ہوئیں جو یقیناً گناہ کبیرہ اور خدا اور رسول کو برا فردختہ اور غضبناک کرنے والی تھیں۔ ان سب باتوں کا ثواب یقیناً مجدد مائے حاضرہ کی روح پاک کو پہنچے گا۔ جن کی دم قدم کی برکت سے ایسے افعال ناشائستہ اور بزم عم مجدد بریلوی ایسے افعال حسہ ظاہر ہوئے کہ جن کا ثواب سو شہیدوں کے برابر ہے تاریخ سے اس

قدر تو ضرور پہنچاتا ہے کہ بعض سلاطین نے کسی عقیدہ خاص کے رواج دینے کے لئے جبر و سختی سے کام لیا ہے۔ مشہور مسئلہ خلق القرآن میں جو خلیفہ مامون الرشید عباسی کا ظلم و تشدد گروہ اہل حق پر ہوا ہے۔ اس کو ایک دنیا جانتی ہے۔ لیکن کسی فرعی مسئلہ میں کسی جابر سے جابر بادشاہ نے بھی جبر و تشدد روا نہ رکھا پس ان چودہویں صدی کے مجدد کو جو ایک قسم کے بادشاہ بے ملک ہیں کون سا حق حاصل ہے کہ مسئلہ فرعی میں اس قدر زور باندھیں کہ نہ ماننے والے کو کفر کے گھاٹ اتار دیں اگر اس قدر اہمیت ان کے ذہن میں آئی تھی تو جہاں انہوں نے تفسیق و تکفیر گھر بیٹھے تمام دنیا پر تقسیم کر دی تھی۔ وہاں یہ بھی گوارا فرماتے کہ خود بہ نفس نفیس سزا فرماتے اور ملک کے ہر گوشے میں پہنچ کر گرم شدہ بھگان راہ کو ہدایت فرماتے اور اگر کوئی مناظرہ پر آمادہ ہو جاتا تو جادلہم بالنتی ہی احسنن پر کارآمد ہو کر نہایت نرمی و ملاطفت سے اس کی تسکین فرماتے اس وقت ہم بھی جانتے کہ واقعی مجدد صاحب کو ایک مسئلہ حق کی تبلیغ منظور ہے۔ اعلیٰ حضرت یعنی بڑے حضرت صاحب نے نہ تو کوئی سزا کیا نہ زور مال اس راہ میں صرف کیا نہ کوئی مناظرہ کسی سے کیا بلکہ گھر سے ایک قدم باہر نہیں نکالا تفسیق و تکفیر تو سب کچھ ہوئی لیکن یہ توفیق نہ ہوئی کہ تکلیف جسمی گوارا کر کے کسی متردد کا رفع تردد فرماتے اور اگر خود بہ نفس نفیس نہیں جاسکتے تھے تو کسی کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرما کے مناظرہ کے لئے بھیجتے یہ بھی اگر نہ ہو سکتا تھا تو جو حضرات خود بریلی حاضر ہو کر مناظرہ طلب کرنا چاہتے تھے ان کو تو لبیک کہتے اگر ایک دفعہ ان کی ایک لخت عرض معروض بارگاہ تجدید تک نہ پہنچی تھی تو ان کی مکرر و سرگردان خواستوں پر توجوں رہی ہوتی خدا کی شان یا تو یہ شور اشوری کہ اس مسئلہ پر سو شہیدوں کا جربا نڈ دیا اور اسکے منکرین کو تکفیر تک کاٹتے پھندا دیا اور یا ایسی چپ سادہی کہ چاروں طرف سے مناظرہ کی درخواستیں بارگاہ بریلی میں پہنچ رہی ہیں لیکن مجدد صاحب ہیں کہ جس سے مس نہیں ہوتے خط پہ خط اور رجسٹری پہ رجسٹری لکھی جا رہی ہے لیکن اس کا نتیجہ جز اس کے کہ مجدد صاحب نے رجسٹری واپس کر دی اور جو اب طلب خطوط کے ٹکٹ رکھ لئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں

آپ کے قہین آپ ہے بھی مدھ کر شور مچانے والے حضرات ہیں اور حق پر بجلی گرا دینے میں اپنے پیر سے بھی زیادہ مشاق پہلے تو خوب تعلیاں کیں کہ ہم مناظرہ کے لئے تیار ہیں اور جب اہل حق نے آمادگی ظاہر کی تو لگے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے اور لوگوں کو برا بھلا کہنے۔ نظیر اقصہ جادو ضلع شیخ کا ایک واقعہ موجود ہے کہ بریلوی مجدد صاحب کے قہین نے چاہا کہ تعامل قدیم کو درہم برہم کر دیں اور مجدد صاحب کی سنت کو جائے سنت رسول اللہ ﷺ قصبہ جادو میں قائم کریں تو مسلمانوں کی حیت اسلامی نے اس کو کسی طرح گوارا نہیں کیا اور سنت قدیمہ نبویہ متوارثہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اس پر جنگ و جدل کی نوبت پہنچی اور مسجد کی توہین میں مقلدین بے بھر نے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا آخر کار حکومت کی طرف سے ان کی ضمانتیں اور چلے لیے گئے اور یہی فیصلہ کیا گیا کہ جس طرح قدیم سے عملدرآمد ہے وہ برقرار رکھا جائے اس فیصلہ پر ان کے دلوں میں آتش حسد موجزن ہوئی اور طرح طرح کے اندرونی فسادات برپا کرنے شروع کئے اہل حق نے ان کے سرگروہ مولوی عبدالکریم صاحب چٹوڑی کو مناظرہ کا نوٹس دیا کہ کسی طرح باہمی مسلمانوں میں اس مسئلہ کا تصفیہ ہو کر اس جنگ کا خاتمہ ہو جائے پہلی مرتبہ تو مولوی صاحب نے اس کی طرف آمادگی ظاہر کی اور اسی بنا پر یہاں مناظرہ کے لئے پورا انتظام کر لیا گیا اور تمام مصارف آمدورفت و تواضع مہمانداری اپنے ذمہ لی۔ لیکن اخیر میں مولوی صاحب نے گریز کا پہلو اختیار کیا اور اس کی ترکیب یہ نکالی کہ رفتہ رفتہ شرائط بدھاتے گئے۔ ہم نے اس پر عمل کر کے کہ دروغ گوراما خانہ باید رسانید ان کی جملہ شرائط کو منظور کرتے گئے وہ سلسلہ خط و کتابت بھی کیا دلچسپ ہے کہ جس میں ان کی شرائط بدھاتی جاتی ہیں اور ہماری طرف سے ان کی منظوری ہوتی جاتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ معاملہ ملتا نظر نہیں آتا تو یادہ گوئی و ہرزہ درائی کی بنیاد ڈالی اور ایسے ایسے کریمہ و ناشائستہ الفاظ تحریر کئے کہ جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا مختصر یہ ہے کہ کنبڑے قصائیوں کو مات کیا۔ لیکن اہل حق نے اس پر بھی مولوی عبدالکریم صاحب کا پیچھانہ

بدم گفتی و خر سدم عفاک اللہ کو گفتی

جواب تلخ سے نجد لب لعل شکر خارا

پر کار آمد ہو کر پھر ان سے محبت و لجاجت عرض کیا کہ خدا کے لئے ہم تشنگان ہدایت کو اپنے آب زلال فیض سے سیراب کجیے سو اس کا نہایت سخت ترین جواب آتا ہے اور وہ ہماری تمام تمنائوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ - اب ہم کو کچھ نہ لکھو طبع نازک ہر گز اس کی متحمل نہیں ہے اور اگر آئندہ اس کی بابت تحریر کی تو وہ بے تامل چاک کر دی جائے گی - اے بریلوی مجدد کے جعبیوں تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اس قدر اتراتے کیوں ہو تمہیں کس چیز نے کپے کی طرح پھلار رکھا ہے اور اے رضا خانو! جب کہ آخر الامر تم کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے تو تم پہلے ہی سے اس کا خیال کر کے چپ کیوں نہیں ہو جاتے کیوں اہل حق سے دست و گریباں ہو کر آخر میں پشیمانی و ندامت اٹھاتے ہو کیا تم کو اس میں کوئی لطف آگیا ہے کیا حیا و شرم سے تم کسی قسم کا رشتہ و ناظر رکھنا نہیں چاہتے کیا تم اپنے کو ایسا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ مذہب دنیا میں کوئی تم کو نظر و وقت سے نہ دیکھے اب تو خدا را سمجھ لو کہ دیکھو تمہارے پیرو مرشد نے تم کو کسی قسم کی مدد نہیں دی وہ پیرو مرشد کہ جو مدت العمر تم سے مجدد الماسۃ الحاضرہ کہلاتا رہا اور جس کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت جیسے ضخیم الفاظ سے یاد کرتے رہے اور جس کو حامی سنتہ طاہرہ کہتے رہے اور جس کی بدولت تم نے اپنے زر و مال میں خسارہ اٹھایا اور جان کو تباہی میں ڈالا اور اپنی عزت و آبرو اس پر ٹار کی - آج وہ تم کو مذلت کے گڑھے میں گر رہا ہوا دیکھ کر کسی قسم کی مدد نہیں دیتا ہے اب تو اس کا کلمہ پڑھنا چھوڑ دو اور سمجھ لو کہ وہ اپنی غرض کے سامنے تمہارے اغراض کو پامال کرنے میں مشاق ہے -

اس سے ہر گز امید و فائز نہیں ہو سکتی بس تم کو بھی چاہیے کہ ایسے شخص کا بابا نکالت کر دو اور اپنی جماعت سے نکال باہر کرو تا کہ مذہب دنیا میں تم منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤ - یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ ایک شخص کی خاطر ایک پوری جماعت رسوائی کا نیکہ اپنے ماتھے لگائے اور اس کی ندامت و ذلت کا حصہ بنائے سارا بار ذلت و

فعل مذلت اس پر ڈال کر بسکدوش ہو جاؤ اور خدا اور رسول ﷺ مسلمانوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤ تمہاری طبع کی ضیافت کے لئے ہم یہ خطوط ترتیب وار شائع کرتے ہیں جس سے تم کو واضح ہو جائے گا کہ پہلے تو کیا شورا شوری اور زور ازوری تھی اور اخیر میں کیا بے غمی رہی تم خصوصیت سے ان کی غیر منہذب تحریروں کو ملاحظہ کرو اور انصاف سے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ تمام دنیا میں فرقہ رضائیہ سے بدھ کر کوئی دوسرا فرقہ نامہذب و سخت گو نہیں ہے۔

ہم نے حضرت فخر المتکلمین مولانا مولوی معین الدین صاحب صدر آرائی مسند درس اجیر شریف کی خدمت میں مناظرہ کے لئے عرض کیا اور انہوں نے منظور فرمایا تو مناظرہ کی سلسلہ جنابانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

پہلا خط جو جاود سے برائے طلبی مناظرہ لکھا

محبی مخلصی قاضی فتح محمد و مولوی عبدالکریم صاحب زاد محبتکم بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عافیت آپ کی رات دن درگاہ الہی سے نیک چاہتا ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر جو مسئلہ اذان عانی جہد کے متعلق ایک عرصہ سے باہمی نزاع و فساد ہو رہا ہے اور طرح طرح کی آپس میں بد زبانیاں ہو رہی ہیں اور اس مسئلہ کا اس وقت تک تصفیہ نہیں ہونے کا جب تک حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب و دیگر علماء کے درمیان میں مباحثہ ہو کر حق باحق تمام لوگوں کو معلوم نہ ہو جائے۔ اس واسطے میری و دیگر برادران اہل سنت و الجماعت حنفی المذہب کی مشادلی یہی ہے کہ تاریخ جلسہ مباحثہ کے لئے جاود میں مقرر کر دیں۔ اور تاریخ مقرر کر کے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کے پاس سے تحریر مہری دستخطی منگوادیں کہ فلاں تاریخ کو ہم ضرور آجائیں گے۔ تحریر آنے کے بعد ہمارے بھی علماء کو آگاہی دے دیں تاکہ تاریخ معینہ پر علماء تشریف لے آویں۔ اگر مولانا احمد رضا خان صاحب تشریف لے آویں گے اور مسئلہ حق معلوم ہو جائے گا تو ہم شوق سے اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں اگر مولانا صاحب بذات خود

تشریف لا کر اس باتفاق کو مسلمان بھائیوں سے دور فرمادیں گے تو ہزاروں شہیدوں کا ثواب ملے گا کیونکہ اس مسئلہ کی اصلیت معلوم ہونے سے آپس میں جو رات دن غیبت اور حسد و بغض کا بازار گرم ہو رہا ہے وہ دفع ہو جائے گا ورنہ سو شہیدوں کے ثواب کے بدلے میں ہزاروں گناہ نامہ اعمال میں جمع ہو جائیں تو کیا عجب ہے۔ مکرر عرض ہے کہ آپ جس تاریخ کا اعلان ہم کو دیں گے ہم اسی تاریخ کو مکمل انتظام کر لیں گے مگر اول ہمارے پاس مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریر دستخطی یا مہری آجانا چاہیے۔ آپ کی طرف سے تحریر آنا ضروری اور لازمی امر ہے فقط والسلام۔

مرسلہ محمد مدوق ساز قصبہ جادو ضلع نیسیج تاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

پہلے خط کا جواب، ملاحظہ ہو رضا یوں کی تہذیب

احسن المشاورۃ فی جواب اعلان المناظرہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

صلیم۔ چٹوڑ سے دوست کا خط پڑھا اس میں تحریر ہے کہ ایک لفافہ مقام جادو سے محمد مدوق ساز صاحب کی جانب سے اور فتح محمد کے نام پر دوبارہ تحریک مناظرہ آیا ہے اس میں تحریر ہے کہ مسئلہ فتاویٰ فیہ یعنی اذان کے متعلق مناظرہ کے لئے نہ صرف آمادگی بلکہ مولوی احمد رضا خان صاحب کا دستخطی خط منکوادو تاکہ ہمارے مولوی جادو میں مناظرہ کر لیں کہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ لہذا جواباً عرض ہے کہ اگر واقعی احقاق حق کی نیت ہو تو اس سے بڑھ کر اور کیا انصاف ہو گا۔ حمد اللہ ہم تو پہلے ہی سے اپنی تسلی کئے بیٹھے ہیں۔

باایں ہمہ دو مرتبہ آپ کے پیرو مرشد خداوند نعمت جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول کے حضور میں بھی حاضر ہوئے تھے کہ اگر خدا نخواستہ ہم باحق پر ہوں اور مولانا موصوف ہم کو اپنی غلطی سے آگاہ فرمادیں تو ہم فوراً رجوع کر لیں مگر دونوں مرتبہ کے مکالمہ سے ثابت ہو گیا کہ مخالفین کے پاس کوئی دلیل قوی تو کیا ضعیف بھی نہیں۔ بالخصوص چٹوڑ کے مسجد کے جلسہ میں علاوہ فریقین کے دوسرے

لوگ بھی موجود تھے جو حال گزرا معلوم ہے۔ آخر اٹھتے اٹھتے آپ کے حضرت نے فرمایا کہ سہا یہ شرح شرح و قایہ میں مولوی عبدالحی کھنوی نے (جن کو آپ کے مرشد صاحب دس منٹ پیشتر ہمارے استاد کے وقت غیر مقلد فرما چکے تھے) معتبر کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ اذان آہستہ کہنا چاہیے اور یہ انصاف حاضرین کے لئے ہے۔ ہم نے اس معتبر کتاب کا نام دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت یاد نہیں وطن جا کر نام اور پوری عبارت لکھ دوں گا۔ آج تک انتظار ہے ہنوز صدائے برخواست اے کاش اپنے وعدہ ہی کا خیال فرما کر عبارت نہ سہی اس معتبرہ کا نام ہی لکھ بھیجے۔ خیر کیا کہیں وہ بزرگ ہیں ہمارا کام تو بین کرنے کا نہیں شاید اس عدم ایفاء عہد ہی میں کوئی مصلحت ہوگی۔ **فَعَلَّ الْحَكِيمُ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ** اب رہی آپ کی استدعاء مناظرہ اس کے لئے گزارش ہے کہ آپ شرائط مناظرہ سے اور تعریف مناظرہ سے نا آشنا ہیں کہ مناظرہ کی دعوت اور پھر اتنی غفلت کہ خصم سے دستخطی تحریر منگادیں اور اپنی تحریر میں مقابل کا نام نہ لادیں۔ اگر مناظرہ ہی کا شوق ہے تو ذرا مناظرہ کی تعریف اور معنی کا لحاظ کرتے ہوئے فرمائے کہ وہ کون بزرگ چھپے رستم ہیں جو آپ کے جہ صاحب سے بھی علم و فضل میں بڑھ کر ہیں اعظم حضرت عظیم البرکت فرید الدہر علامہ زمان کو اپنا خصم ماننا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ان کے نام مجہول کو ظاہر کیجئے اور علامہ موصوف کے برابر فضل و کمال و در منصب میں ہونا بتلایئے بلکہ آپ اپنے استدعاء مناظرہ کو واقعی استدعاء مناظرہ کر دکھائیے۔ مناظرہ کی تعریف سے آپ ناواقف ہیں تو ہم بتلایئے دیتے ہیں **وهو هذا المناظرة توجه المتخاصمين في النسبة بين الشئین اظهارة للصواب** اور یہ آپ کو ہرگز مقصود نہیں بلکہ آپ کی تحریر تو مجادلہ کی تحریک ہے آپ مجادلہ کو بھی نہ جانتے ہوں تو ہم جنواتے ہیں **المجادلة هي المناذعة لا لظهار الصواب بل لا لزام الخصم** اور یہ شرعا ناجائز لہذا اس کا اقدام موجب حرام۔ ہلا اہل حق کو اس سے کیا کام آپ کو مناظرہ منظور ہوتا تو ایسی تحریر ہی نہ بھیجتے جو سراپا لغویات مصلحت فضولیات پر مبنی ہے ہم پھر

آپ کو مجادلہ سے منع کرتے ہیں کہ اس خیال باطل کو چھوڑیے اور احقاق حق کی طرف آئیے ہاں ہاں اگر اہل حق کے دلائل سننے کا شوق ہے اور شیران شرزہ کے حملہ کی تاب ہے ہم اللہ تیار ہو جائیے۔ پہلے مقابل کی خبر لائیے اور شرائط مندرجہ ذیل کو منظور فرمائیے ورنہ تحقیق حق کو بدنام کرتے ہوئے شرما بیٹے اور آئندہ ایسی مہملات سے باز آئیے شرائط یہ ہیں۔

(۱) حضرت قبلہ مولانا فاضل بریلوی کے مقابل اپنا فضل و کمال و منصب ان کے برابر مٹانا ہو گا ورنہ شرط اول ہی فاسد خیر ہم آسانی کرتے ہیں ہاں آپ کے بڑے بڑے پچاس فاضل اور ہمارے بریلی کے دو طالب علم ہی کی ٹھہر جائے مولانا بغیر شرط پوری ہو جانے کے تشریف نہیں لاسکتے۔

(۲) حق نمایملہ کے مشہور و معروف ساٹھ سوالات جن میں شرق سے غرب تک کے علماء کو خطاب اور ان کا جواب موجب صواب پہلے لکھنا ہو گا۔ کیونکہ اس کا پہلے سے عام طور پر چھاپ کر شائع ہو چکا ہے۔ بغیر ان کے جواب دیئے ہوئے کسی کو قابل خطاب نہ تصور کیا جائے گا۔

(۳) خرچہ آمد و رفت کا و دیگر انتظامات علماء کا آپ کے ذمہ ہو گا۔ کیونکہ داعی آپ نے ہیں اور آپ اب تحقیق حق کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ ہم کو غیر اہم کام کے اندر صرفہ کرنے کی ضرورت نہیں ہاں آپ کو لازم کیونکہ تلاش حق مفتنات دین ہے۔

(۴) اگر جادوئی میں جلسہ کا ارادہ ہو تو پہلے گوالیار سے ایک کو قوال اور کافی انتظامات کے لئے پولیس کی منظوری اور فریقین کی گفتگو سننے کے لئے کونسل کے دو ممبر کی منظوری لائیے اور حکم کی نقل معہ نمبر ہمارے پاس روانہ کر دیجئے۔ جادو کے حکام کا انتظام ہر گز نہ کیا جادوے گا۔ پہلے جو جو گل کھل چکے ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔

(۵) کتابی اصول فقہ کے مثل توضیح کو بیج۔ شرح مسلم الثبوت وغیرہ درسی وغیرہ درسی فقہ میں ہدایہ و شامی۔ فتح القدیر وغیرہ متون و شروح اکثر۔ حدیث میں

علاوہ صحاح ستہ طبرانی- شرح معانی الآثار- دارقطنی- جمع الجوامع وغیرہ- تفاسیر میں- کبیر- خازن- احمدی- معالم- تہذیب- بیضاوی- مدارک وغیرہ- لغات میں صراح- قاموس- صحاح- مجمع البحار وغیرہ اصول حدیث میں- شرح حجة الفکر- تفریب التفریب- و دیگر اسماء الرجال کی کتابیں قبل از مناظرہ جلسہ میں میا کرئی ہوں گی۔

(۶) گفتگو کے وقت تمام مجمع کو سوائے متکلمین کے بچہ ان میں سے بھی دو بولیں گے باقی کو چپ رہنا ہوگا اور دونوں کی گفتگو بھی من و عن قلبند ہوگی اور دونوں سے ان پر دستخط کرائے جاویں گے۔ تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہے بعد گفتگو جو حق ثابت ہو اس پر سب کو عمل کرنا ہوگا۔ یعنی اگر آپ کے موافق ہو تو ہم اذان اندر دلوائیں گے ورنہ آپ کو ہر گاؤں میں جو آپ کے تعلق کے ہوں باہر دلانا ہوگا فقط

اگر یہ شرائط منظور ہیں تو فوراً آپ کے تمام عمائد سے دستخط کرا کر تحریر روانہ فرمائیے اور بالخصوص شرط رائج کی تکمیل کی منظوری کو الیاء سے کرا کر اس کی نقل ہمارے پاس بھیجیے۔ صورت اول حضرت فاضل بریلوی کی آمد و رفت کا خرچہ۔ ورنہ صورت ثانی ہمارے دو علماء اور دو ان کے خادم کا خرچہ چٹوڑ کی عدالت میں جمع کرا دیجیے اگر وقت مقررہ پر آپ کے علماء نہ آئے تو خیر۔ اگر ہمارے نہ آئے تو ہم آپ کے علماء تک کا خرچہ آپ کو دے دیں گے۔ اگر منظور ہے تو جلد جواب دیجیے ورنہ اذا فأت الشرط فأت المشروط بغیر منظوری شرائط آپ کی ہرگز نہ سنی جائے گی۔ اگر ہے ہمت تو بسم اللہ۔ خالی مجھوتا نہ بڑے باز رہیے۔ عاقل کے مخاطبہ کی لیاقت پیدا کیجیے ورنہ گوشہ میں مدوق سازی اور اپنی تصحیح سے کام رکھنے زیادہ کیا عرض کروں۔

ضروری نوٹس | بعد رقم تحریر ہذا ابھی تک آپ کی تحریر ہم نے دیکھی نہیں اگر الفاظ خلاف آداب مناظرہ ہوں تو نوٹس ضرور بہ صورت دیگر مخالفت نامنظور ہم کو مخالفت و کمزورت کسی سے نہیں ایک شخص چٹوڑ سے آیا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ

کی تحریر گستاخانہ پہلو لئے ہوئے ہے لہذا آپ کو تاکید اہدایت کی جاتی ہے کہ ایسی تحریر ناشائستہ سے دور رہیے ورنہ جواب ترکی بہ ترکی دیا جائے گا۔ بسجہ مزید احتیاط کے لئے کم از کم ایسے حضرات کو ناقابل التفات کیا جائے گا۔ اس کے جواب کی ایک ہفت کی سلسلہ ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

العبد فقیر عبدالکریم عفی عنہ۔ مورخہ ۲۳ جمادی الاول۔ ازادے پور۔

دوسرا خط اس کے جواب میں

مکرمی۔ میں نے جو استدعاء مناظرہ کی تھی اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں تھا کہ طرفین میں جائے اتحاد و محبت کے اور آتش اختلاف و نفاق بھڑکے جیسا کہ آپ کے جواب سے مترشح ہوتا ہے۔ آپ کے خط کی عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آپ تحقیق حق سے گھبرا گئے اور جیسے ایک مجبور شخص اپنے قاتل کو سختی سے کہا کرتا ہے کہ ہاں اور سختی کر تجھے قسم ہے جو اپنی کرنی میں کسر چھوڑے وہی حالت آپ کی ہو رہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ (اپنی استدعاء مناظرہ کو واقعی استدعاء مناظرہ ہی کر دیکھائیے) مگر ما کر دکھائی کیا ہمارا تو آپ کی اور آپ کے اعلیٰ حضرت کی رضا مندی پر ہے۔

جواب لکھتے وقت غیظ و غضب تو بہت آتا ہے مگر حالت بیکسی کی ہے مناظرہ کو تیار ہیں لیکن اعظمیہ پر وہ سے باہر نہیں آسکتے۔ افسوس اس آخری صدی میں ایمان و تقویٰ تو گمیا ہی تھا عقل و حواس بھی سلب کر لئے گئے۔ مگر اس کا اندازہ کہ قاضی بریلوی کا سا فضل و کمال وغیرہ دوسرے کسی شخص میں بھی ہے کون کرے گا آپ یا میں تو ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں جو اعتقاد اپنے اعظمیہ کا ہے دوسرے کا نہیں ہو سکے گا ایسی ہی میری حالت ہے کہ اپنے مقتداؤں کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا آپ کی شرط اول کے سرانجام کے لئے ایک مستقل حکم کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ فریقین کے بے پڑھے لوگوں میں سے کسی میں اس کی صلاحیت نہیں جو اس کا فیصلہ کر سکے تو آخر اس کی کیا صورت ہو گی میرے خیال میں ایک آسان

صورت یہ ہے کہ ان کے کارنامے تو مشہور خلائق ہیں ہی لوگ جانتے ہی ہیں کہ بجز رسالہ بازی کے نہ کبھی درس دیا اور نہ کبھی کس مدرسہ کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اس معنی کو اگر آپ ان کا ماثل چاہتے ہیں کہ انہیں کی سی نقش کلامی آتی ہو اور انہیں کی سی غیر مہذب تحریر ہوتی ہو تو معاف کیجئے بھلا اس کمال کو تحقیق مسائل شرعیہ میں کیا دخل اور اگر واقعہ کے خلاف آپ کے ذہن میں یہ بات ہے کہ وہ جلیل القدر عالم ہیں تو ہم ان سے زیادہ تجرربیع الشان ایسے حضرات کہ جو آسمان درس میں مثل ستارہائے روشن کے درخشندہ ہیں بتلاتے ہیں آپ چاہے تسلیم کریں یا نہ کریں مگر دنیا زمانہ جانتا ہے کہ یہ عالم و فقہہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کو اس مرتبہ تک فائز کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ مثلاً مولانا مولوی عہد العلماء زبدۃ العلماء راس الحکماء حضرت مولانا محسن الدین صاحب اجیری صدر آراء مسند درس حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کو جن کے چھوٹے بھائی نے خود اعلیٰ حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی ہے جس کا اشتہار خود اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہنچ چکا ہے اور آپ کے پاس بھی آتا ہے اس اشتہار کے مطالعہ سے روشن ہو گا کہ یہ کس مرتبہ کے عالم تجررب ہیں خدا کے لئے چشمہ تعصب کو جدا کر کے دیکھئے جس طرح ہو سکے گا۔ تکلیف دیں گے اور وہ یقیناً اس تکلیف کو گوارہ فرمائیں گے کہ تحقیق حق مسائل شرعیہ کی اشد ضرورت ہے اور اس اشتہار سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ممدوح ہر جگہ تشریف لے جا کر اعلیٰ حضرت سے مکالمہ اذان کرنے کو تیار ہیں ان کے علاوہ خود آپ کے اعلیٰ حضرت کے خاندان اساتذہ سے حضرت مولانا مولوی مامی بدعت پیشوا اہل سنت عبد الماجد صاحب بدایونی کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ تشریف لادیں۔ غرض کہ یہ حضرت آفتاب علم و ہدایت ہیں کہ جن کی چکاچوند روشنی سے گوشہ گوشہ ہندوکاروشن و منور ہے۔ اس کے سوا ہماری سمجھ میں اب تک یہ نہیں آیا کہ یہ باوجود ادعاء احقاق حق پھر یہ شرط اول کیوں لگائی گئی افسوس کہ اس کی نظیر حضرات سلف میں کہیں نظر نہیں آتی بلکہ معاملہ برعکس ملتا ہے اگر ہر ہادی شریعت کا یہی خیال ہوتا تو آج شریعت مصطفویٰ ڈھونڈنے کو کہیں نہ ملتی بلکہ خود حضرت سرور کائنات خلاصہ

موجودات علیٰ غایت ہی اگر یہ خیال فرماتے کہ جب کوئی میرا ہم پلہ وہم رتبہ ہوگا تو مکالمہ کروں گا نہیں تو نہیں اب ذرا آپ غور سے انصاف فرمادیں کہ کیا آج دنیا میں کہیں اسلام نظر پڑتا کیونکہ حضور کا مثل تو بڑی بات ہے لگے کا بھی دنیا میں کوئی نہ تھا اور پھر حضور نے تبلیغ اسلام کی حتیٰ کہ معمولی معمولی لوگوں کے ساتھ مباہلہ کرنے کا تیار ہو گئے۔ جس کا ثمر آج یہ نظر آتا ہے کہ ہر خطہ زمین پر آپ کے نام لیوا ہی نہیں بلکہ آپ پر جان فدا کرنے والے موجود ہیں ان کے بعد حضرات اکابر سلف کی تاریخیں دیکھیے کہ ہر حق مسئلہ کی اشاعت میں بڑی بڑی سخت منزلیں طے کرتے تھے یا اب یہ زمانہ ہے کہ مجدد ہو کر بعینہ آرام بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر تحقیق حق میں گریز ہے خیر یہ تو ان کا خیال ہے ہمیں تو آپ سے عرض کرنا ہے کہ اول تو یہ شرط محض فضول دوسرے ان کے خصم ایک نہیں بلکہ دو ہم نے تجویز کر دیئے ان میں سے جسے چاہیں پسند کریں یا دونوں کو قبول فرمادیں۔ پہلے سے ہم نے اپنے یہاں تعین اس لئے نہیں کی تھی کہ اس مسئلہ میں سارا ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین ہماری ساتھی ہے ایک اعلیٰ حضرت ہی ہیں کہ متفرد ہیں جب وہ تحقیق حق پر آمادہ ہو گئے تو ہمارے ہاں سے بھی جو وقت پرین پڑے گا ان کا خصم بن جائے گا اور مکالمہ ہو کر بات محقق ہو جائے گی۔ رہا حق نما فیصلہ اس کا جواب ہمارے علماء ایک زمانہ ہوا کہ دے پکے اب اس کا مطالبہ کیسا؟

غرض خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی سب شرطیں منظور ہیں جس طرح بھی ہو سکے اس قہر کو فرو کرنے کی کوشش کیجیے کہ مسلمانوں کا یہ باہمی فساد مٹے اور صورت اتفاق و اتحاد پیدا ہو، گویا رکی پولیس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے مگر اس کی تحریک جب ہی ہو سکتی ہے کہ ادھر سے آمادگی کا صرف اظہار نہیں بلکہ دستخطی و مہری تحریر سے ثابت کر دیا جائے کہ مناظرہ ضرور ہو گا۔ اعلیٰ حضرت نہ آسکیں تو ان کے صاحبزادہ بلند اقبال ہی تشریف لاویں بڑے نہ آسکیں تو چھوٹے ہی تکلیف فرمادیں۔ غرض جب اس سے اطمینان ہو جائے گا تو اس کا بھی انتظام کر لیا جائے گا ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ بعد حصول حکم پھر آپ کے علماء مناظرہ اور تحقیق حق سے انکار کر جاویں۔

رہا خرچہ تشریف آوری علماء جیسا آپ نے لکھا ہے ہمیں منظور ہے اس میں بھی ہمیں کلام نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی سب شرطیں منظور ہیں بلکہ گزارش ہے کہ اب ان میں ترمیم کی استدعا نہ ہو شرائط بھی رہیں اور محض مناظرہ معتقد ہو کر احقاق حق اور ابطال باطل کر دیا جائے کہ موجب اجر عظیم ہوگا۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ براہ کرم حد ادب سے گزرنا نہ چاہیے جیسا کہ اس غلطی میں لحاظ مرا تب نہیں رکھا گیا۔ مقولہ مشہورہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ ہر فرعون راموے۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کی نظیر نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر زمانہ میں موجود ہیں۔

مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ بروز چار شنبہ
محمد مدوق ساز از جاود ضلع شیخ

ہمارے دوسرے خط کا جواب اور اس کی

تہذیب قابل لحاظ ہے

آپ کا خط مع تحریر موصول ہوا (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) ہم تو پہلے ہی جان رہے تھے کہ ذرا سی تحریر کے جواب میں دو ہفتہ مدت سے زائد گزرنا جاود سے لے کر اجیر شریف تک فریاد فریاد پکارنا خالی از علت کیونکر مانا سبحان اللہ ایک فرعی مسئلہ میں ایسے زبردست جلیل القدر بقول علماء حرمین امام وسید و فرد اعظمین عظیم البرکت کو بے ایمان بے تقویٰ بے عقل بے حواس بنا دیا اور چند سطور مہمل لکھ دینے والے کو اپنا بزرگ بنا لیا خیر تم جانو تمہارا ایمان ہم کو لغویات سے کچھ کام نہیں ایسی لغویات سے کوئی عاقل تو آپ کے منہ لگنے سے رہا۔ ہاں جاہلوں کو سناچیے اور بے علموں کو چیلے جو علماء کو گالی دلوانا پسند کرے وہ آپ جیسے کے منہ لگے۔ خیر دار آئندہ کوئی تحریر یہاں نہ روانہ فرمایئے ورنہ ردی میں ڈال دی جائے گی۔

اسی کو تک پہنچا کیسے کوئی منہ لگے تیرے
جو تجھ سے بڑھ کے پائی ہو وہ پائی منہ لگے تیرے

آپ کے بزرگ (صاحب اشتہارات) کی علمی حقیقت و لیاقت و دیانت کا کچا
چمکنا دیکھنا ہو تو بریلی مطبع اہل سنت و جماعت سے رسالہ سے (اجلی انوار الرضا) منگوا کر
ملاحظہ فرمائیے جس کی زیادہ قیمت نہیں صرف ایک آنہ ہے۔ علما کو بے ایمان کہنے کا اجر
یہاں کیا ہو سکتا ہے خداوند کریم ہی کے یہاں فیصلہ ہے۔ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ
ظَلَمُوا آتَىٰ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

فقیر — عبد الکریم — چٹوڑی — ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۴ ہجری از — اودے پور

تیسرا ہمارا خط ان کے غیر مہذب خط کے

جواب میں جو واپس آگیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو ایک قطرہ خوں نہ نکلا

السلام علی من اتبع الهدی۔ چٹوڑے اودے پور اور جاوہر
بریلی تک ایک شور تھا کہ برپا تھا ایک غل تھا کہ بچا ہوا تھا کہ قاضی بے بدل عالم اجل
بڑے حضرت بریلوی مسئلہ اذان میں مناظرہ کرنے کو تشریف فرما ہونے والے ہیں
ایک دھونس تھی کہ ٹھانی جا رہی تھی۔ ایک رعب تھا کہ قائم کیا جاتا تھا۔ ہم بھی دل
میں کہتے تھے کہ معلوم نہیں کیسے عظیم البرکت ہوں گے جن کے نام کے ساتھ ایسے
ایسے چیدہ الفاظ لکھے جاتے ہیں اور وہ خود کیسے ہوں گے جن کے یہاں کا ایک ایک
طالب علم پچاس پچاس فاضلوں کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ دنیا میں کوئی ان کی فکر کا
نہیں جس سے وہ خطاب کر سکیں وہ کون ہے دنیا میں جس سے وہ بات کرنے کی تاب

رکھتے ہوں ہمارے بھی دل تھے کہ سب سے جاتے تھے مگر چونکہ حق کا تلاشی یوں ہی خواہ
خواہ کسی کے رعب میں نہیں آتا اہمال باطل کا خیال اسے ایسا ہی دھت والا مادہ بنا
ہے کہ اس کو سوائے خدا اور سول جمل ذکرہ ﷺ کے اور کسی کا خوف مرعوب نہیں کر
سکتا اسی حق کی تلاش میں۔ مگر یہ عبدالکریم صاحب کی دماغی سے آپ کے
اعظمت کو مناظرہ کی دعوت دی اور خیال یہ کیا کہ اگر بانٹا تھے حضرات علامہ کرام
بڑے حضرت بریلوی نے اس کو کامت کر دیا تو ایک مسئلہ دینی کی تحقیق ہو کر رفع نزاع
ہو جائے گا۔ (جسکے جواب میں آپ نے چھ شرطیں لکھیں جن کو ہم نے بجنسہ
منظور کیا اور شرط اول کی محض لغویت اور اس کا بے سود و فضول ہونا جتنا تھا اور جو
واقعی کچھ باتیں تھیں نہایت حقانیت و خلوص سے عرض کی تھیں جس کا صلہ آج تیرہ
دن کے بعد یہ ملا جو ہمارے سامنے ہے اور اب آپ پر پیش ہوتا ہے) تو مسلمانوں
کے لئے باعث اتفاق و اتحاد ہو کر موجب خیر و برکت ہو گا۔ مگر ماچو نکہ یہ نتیجہ ہمارے
تو پہلے سے پیش نظر تھا اسی وجہ سے یہ لکھ دیا تھا کہ چودھویں صدی میں لوگوں نے
ایمان تو کھویا ہی تھا شرم و حیا بھی دے بیٹھے اور کیوں نہ دے تھیں۔ الحیاء شعبۂ
من الایمان فرمان رسالت پناہی ﷺ ہے۔ ہمارے خط میں یہی ایک فقرہ تھا جس
کی بنا پر آپ اعظمت بریلوی کو بے ایمان و بے عقل وغیرہ وغیرہ اور مظلوم نہیں کیا
کیا سمجھ بیٹھے۔

محترم! علماء کی شان میں گستاخیاں آپ ہی کی طرف سے شروع ہوئیں اور آپ
ہی کو مبارک رہیں ہم تو حضرات علماء کی کف پاکی خاک ہیں۔ ہمارے ایسے دل گردہ
کہاں کہ ان کی شان میں گستاخی کا خطرہ بھی لاسکیں مگر چونکہ آپ حضرات کے قلوب
میں ان حضرات کی بے عظمتی مرکوز ہے تو دوسروں کے کلام کو بھی اس پر
محمول کرتے ہو۔

اب آپ ہی کہیے کہ ہم کیا کہیں اخلاق حق کے لئے آپ کی ججج شرائط پیش کردہ
حکیم کیس آپ کے اعظمت کا صرف برداشت کرنے کی بھی جرات کی اور یہاں تک
کہ اگر وہ نہ آسکیں تو اور جو حضرات تشریف لاویں جیسا کہ خود آپ نے لکھا تھا ان کا

خرچہ دینا بھی گوار کیا غرضیکہ ہر چند اس کی کوشش کی کہ حق و باطل متمیز ہو اور مسلمانوں کا باہمی نزاع مئے قمر افسوس آپ کے بڑے حضرت کو یہ منظور ہی نہیں۔

ان حضرت کو پھوڑ کر پھر آپ کے پاس چٹائی کیا ہے۔ ہندوستان ہی نہیں دنیا بھر میں اس مسئلہ اخراج ازانان کے مدعی سوائے ان کے اور کوئی ہے ہی نہیں جو آپ کی اس فحشی پر رحم کرے اور آپ کی فریاد سن کر حمایت کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بریلی سے تو صاف جواب مل گیا ہے کیوں کہ خود اعلیٰ حضرت اشاعت مسائل شرعیہ کے لئے گھر سے باہر نکلیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے صاحبزادہ اور حالی موالی ان میں اتنی طاقت نہیں کہ خصم کے سامنے ٹھہر سکیں تو اب آپ گھبرا کر اور جھلا کر علانیہ گالیاں نہ دیں تو اور کیا کریں۔ طرفہ یہ کہ گالیوں سے گزر کر منہ تک چڑانے لگے بول فحشے۔

لگے منہ بھی چلنے دیتے دیتے کاہل صاحب

زباں بجوی تو بجوی تھی خبر لیجئے وہن بجوا

مکرمان باتوں سے کیا حاصل کہ حق سے اتنی چشم پوشی کہ فحشی میں آکر گالیوں پر اتر پڑے مرد خدا اسی سے سمجھا ہوتا کہ اس مسئلہ میں انہیں تاب مقاومت نہیں مگر سے نکلیں تو کس رتے پر کسی کو بھیجیں تو کس مصالح پر خیر ہمارا کام تو صرف دوستانہ مشورہ دینے کا ہے ماننا نہ مانتا یہ آپ کا کام ہے واطلعا لا البلاغ، یٰہٰذِی اللّٰہُ مَن یَشَاءُ وَ یُضِلُّ مَن یَشَاءُ - ہدایت و ضلالت بمعنی حقیقی اسی رب العزت جل ذکرہ کی شان ہے۔ باوجود اس قدر روشن دلائل کے ثابت ہو جانے کے بعد بھی (کہ آپ نے بریلی لکھا اور وہاں سے بوجہ مصروفیت مقدمہ کے اہل اسلام کی تکفیر میں اعلیٰ حضرت ماخوذ ہیں آپ کی تحریر کا ایسا جواب بھی نہ مل سکا کہ جو آمادگی مناظرہ پر موہم ہی ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ صاف جواب انکار ملا ہے کہ ہمارے یہاں سے کوئی نہیں آسکتا تو آپ نے اس بے بسی کی حالت میں جھلا کر یہ تحریر پیش کی ہے اگرچہ قافیہ مدی تک بے تک اس میں بھی اپنی وقعت سے زیادہ کی ہے مگر پھر بھی بریلی اور لدوے پور کے فرق کو نہ چھپا سکے) و نیز آپ کی بے جا سخت کلامی اور گریز حق

سے ظاہر ہو جانے پر بھی ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ خدا کے لئے ایک دفعہ توہمت کر ہی جاؤ خود بڑے حضرت نہ آسکیں تو ان کے ساتھ مزادہ ہی سہی اور وہ بھی اگر خصموں سے لڑتے ہوں تو کوئی مدد خدا تو ایسا نکلے کہ ایک مرتبہ تو میدان میں آکر خصموں کے حملے سہہ نہ سکے تو ان کے بار کا اندازہ تو کر جائے۔ دس روز کی مصلحت دیتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں (آپ کی طرح نہیں کہ تحریر میں تو تیسری جمادی الثانیہ لکھیں جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ تیسری جمادی الثانیہ کی لکھی ہوئی ہے اور خط بھیجیں ۸ جمادی الثانیہ کو اس پر کھلی شہادت یہ موجود ہے کہ تیسری جمادی الثانیہ کو اپریل کی سات تاریخ تھی ڈاکخانہ اودے پور کی مراسلت کی ہوتی یا آٹھ کی ہوتی حالانکہ مہر ہے ۱۲۔ اپریل کی تو کہیے کہ ۱۲ اپریل کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ تھی یا آٹھویں افسوس خط میں تو چال چلی مگر ڈاکخانہ کا انتظام نہ کر سکے جس نے بریلی والوں تک کا پردہ فاش کر دیا کہ اگر ان دس دن میں کسی مناظرہ کے لئے تعین تاریخ نہو تو ہم تو سمجھ ہی لیں گے۔ مگر آپ حضرات بھی اس سے کچھ سبق حاصل کریں ہمارے خط کی تاریخ اور مہر ڈاکخانہ کی تاریخ کو ملائیے اور سچائی و صداقت کا نمونہ دیکھ کر اس کو اختیار کیجیے اسی ایک واقعہ نے عقلاء زمانہ کو متا دیا کہ حق جانب کون ہے اگرچہ وضوح حق کے لئے یہ ایک ہی واقعہ کافی سے بہت زائد ہے لیکن پھر بھی اتمام حجت کے لئے یہ خط آتا ہے کچھ توہمت کرو بریلی والوں کو غیرت دلاؤ۔ رہا کچا چٹھا اچلی انوار الرضا۔ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ اس کی زیارت ہو یہاں تک کہ ایک دو جگہ سے دریافت کیا کہ کچھ پتہ چلے مگر یہی معلوم ہوا کہ ستا یہاں بھی گیا ہے کہ کوئی تحریر چھپی ہے مگر بریلی کی شرمیلی ہے خصموں سے گھبراتی ہے کہ کہیں پر نچنے نہ اڑ جائیں براہ کرم آپ ہی اس کی زیارت کرائیے اور عنقریب دیکھئے کہ کیا قدرت کا نظور ہو کر ایضاً حق ہوتا ہے یہاں حمایت اجماع امت محمد رسول اللہ ﷺ ہے پھر بھلا کون سامنے آسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دس دنوں کے بعد فیصلہ کھلا ہوا ہے۔

مرسلہ محمد :

لوہار مدوق ساز قصبہ جاود ضلع نیسج محلہ چھپاں تاریخ ۱۲ جمادی الثانی

۱۳۳۳ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۱۶ء

مکرم! آپ کے اعظم حضرت عظیم البرکت کی ایجاد کی ہوئی سنت مبارکہ نے عجب شور و غل چار کھا ہے لاکھوں مخلوق میں سے چند اشخاص اہل حق بنے لیکن اہل حق والوں کے قدم جہاں جاتے ہیں وہیں تکرار و فساد ہوتا ہے۔ دو مسجدوں سے علیحدہ ہو کر تیسری مسجد کی طرف رخ کیا لیکن وہاں بھی سیدھی طرح سے نہ رہے اور سنت مبارکہ کو جاری کرنا اگر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنا چاہا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وہاں بھی ثواب کے بدلے عذاب نازل ہو کر پھر دوبارہ پچھلکوں کا حکم ہوا۔ حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف رجوع کیا تمام اہل سنت والجماعت حقیقی الذہب اجماع امت کو ناحق پر مبتلا کر آپ اہل حق الحمد للہ کی طرح سے بنے جا جا ذلیل ذلیل خوار ہوئے ابھی قدرت خدا کا تماشا دیکھتے جاییں کہ کیا کیا ہو اور کیا کیا ہونے والا ہے اب بھی اللہ تعالیٰ بھلی سیدنا حضور سردار دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آپ صاحبوں کو راہ راست پر لاوے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

مرسلہ محمد لوہار مدوق ساز قصبہ جاود مورخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

براہ راست مجدد بریلوی کے دربار میں

درخواست مناظرہ اور جواب ندارد

خدمت مکرم، معظم جناب والا شان مجدد مائے حاضرہ الحاج الحافظ القاری حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب دام اقبال کلم۔ بعد سلام سنت الاسلام و شوق ملاقات و تمنا قدموسی کے واضح رائے شریف ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عافیت حضور کی شب و روز از در گاہ ایزد و الجلال نیک مستدعی

ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر استثناء حضور دربارے اذان ثانی جمعہ ہم خادمان کو وصول ہوا اور جناب مولوی عبدالکریم صاحب چٹوڑیہاں پر تشریف لائے اور سنت مبارکہ کو جاری کرانے کی کوشش کر کے حمدہ تعالیٰ ایک مسجد میں جاری کرادی اور اذان ثانی جمعہ خارج مسجد ہونا شروع ہو گئی اور چار مہینے تک سنت مبارکہ بڑے زور شور سے جاری رہی اور کسی مخالفین کو دخل دینے کی جرات نہ ہوئی لیکن بعد چار ماہ کے مخالفوں نے اپنا گروہ کثیر قائم کر کے سنت مبارکہ کو مٹانے میں کوشاں ہوئے اور اسی طرح سے تین چار جمعہ تک جھگڑا ہوا لیکن سنت مبارکہ بدستور جاری رہی۔ لیکن ایک روز مخالفوں کی جماعت کثیر مجتمع ہو کر جمعہ کو نماز پڑھنے کو آئی اور ایک دم دنگا فساد کر کے سنت مبارکہ کو مد کر دیا اور عدالت میں چارہ جوئی کر کے اہل حق کے چٹکے کرا دیئے کہ جب تک کسی دوسری عدالت سے حکم حاصل نہ کرلیں اذان ثانی جمعہ باہر نہ بجاوے اور ایک تحریر آپس میں اس قسم کی ہوئی ہے کہ اگر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب خود تشریف لادیں اور ہم بھی اپنے علماء کو بلوالیں اور آپس میں مباحثہ و مناظرہ ہو کر یہ مسئلہ حق معلوم ہو جاوے تو ہم سب بدل و جان ماننے کو تیار ہیں ہم خادمان اہل حق کی طرف سے چٹکوں کی منسوخی و سنت مبارکہ کو جاری کرانگی غرض سے پہلی سرر کی گئی ہے امید ہے کہ وہاں سے کامیابی ہوگی لیکن اس کو ابھی عرصہ کثیر درکار ہے۔

(۱) ہم جملہ خادمان اہل حق کو مخالفین لوگوں نے سخت ٹھک کر رکھا ہے اور رات دن کہتے ہیں کہ اگر یہ مسئلہ سچا اور حق ہے تو تم اپنے مولانا کو بلوا کر مناظرہ کراؤ ہمارے علماء رامپور۔ بدایوں۔ امجیر شریف۔ مدلی۔ دہلی سے آنے کو تیار ہیں۔

(۲) یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے علماء مولوی احمد رضا خان صاحب کو چھ مرتبہ اعلان مناظرہ دے چکے لیکن مولانا صاحب کی طرف سے جواب نہ ارد۔

(۳) ان کلمات کو سن کر ہم کو سخت ندامت حاصل ہوتی ہے لیکن بددولادوری کہتے ہیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت صاحب بھی مباحثہ کے لئے آنے کو تیار ہیں۔

(۴) ہم خادمان اہل حق کی دست برد حضور سے عرض ہے کہ حضور بذات خود

تشریف لا کر مخالفوں کے علماء سے مباحثہ کر کے اور حق با حق کو ظاہر فرما دیں تو بہت بڑا کرم ہو گا اور ہم خادمان کو منہ دکھلانے کو جگہ ہو جاوے گی ورنہ ہر ایک موقع پر ذلت نصیب ہوتی ہے۔

(۵) اب عند اللہ و عند الرسول استدعا ہے کہ اس عریضہ کو ملاحظہ فرما کر بہت جلد حضور جس تاریخ کو مناسب سمجھیں اس تاریخ کو مقرر فرما کر ہم خادمان کو آگاہی بخشیں تاکہ ہم بھی مخالفوں کو اعلان دے دیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت فلاں تاریخ کو تشریف لاویں گے تم بھی اپنے پیشواؤں کو بلاؤ۔ حضور و حضور کے مہربانوں کے آمد و رفت کا تمام صرفہ ہم خادمان کے ذمہ ہو گا۔ اور کسی قسم کی تکلیف انشاء اللہ العزیز نہ ہوگی اور جلسہ کا تمام انتظام ہر دو فریق انجام دیں گے۔

لہذا یہ عریضہ ار سال خدمت کر کے امیدوار ہیں کہ بھیضہ ضرور ہمیں تاریخ آمد مقرر فرما کر آگاہی بخشی جاوے حضور کا بہت بڑا کرم ہو گا اور مخالفوں کی رات دن طعنہ زنی سے نجات حاصل ہوگی۔

فریق مخالف یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریر دستخطی ہم کو ملو اگر دو تب ہم بھی انعام مناظرہ کر لیں گے جواب کے لئے ٹکٹ (۱) ار سال خدمت ہے جملہ خادمان اہل حق دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں۔

مرسلہ تابعدار کشف بردار محمد اسماعیل خلیف الرشید علی جی پارچہ فروش قصبہ جاوڈ ضلع نیمچ مورخہ ۴ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

مکرر مجدد بریلوی کے دربار میں درخواست مناظرہ

مخدومنا مکررنا معظمہ حضرت عہدۃ العلماء اکمل القہار ذیہ الفضل حامی سنت ماحی بدعت عظیم البرکت الحاج الحاجظ القاری مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام کے واضح رائے شریف ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عاقبت حضور کی شب و روز از در گاہ ایزد و الجلال نیک چاہتا ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر جو استثناء چند مسائل حضور و بارے سنت اذان ثانی جمعہ خارج مسجد آئے اور ان

استثناء و مسائل کے موافق یہاں پر سنت مبارکہ جاری بھی ہو گئی تھی لیکن مجتہد ائمہ
 باہمی ہو کر سنت مبارکہ خارج مسجد مدہ ہو کر داخل مسجد موافق قدیم پھر ہونے لگ
 گئی اور اب فیصلہ اس پر ٹھہرا ہے کہ تمام علماء جا جاسے بلوائے جاویں اگر تمام جگہ سے
 نہیں تو تین چار ہی جگہ کے علماء بلوائے جاویں اور اعظمی حضرت عظیم البرکت بھی
 بذات خود تشریف لادیں اور درمیان میں گفتگو ہو کر جس کی طرف سے بھی حق مسئلہ
 معلوم ہو جاوے گا فوراً ہی بدل و جان قبول کر لیں گے اور سنت کی پامندی پر مستقیم ہو
 جائیں گے علاوہ ازیں علماء بدایوں نے جو حضور کی خدمت بابرکت میں چند بار اعلان
 مناظرے پیش کئے ہیں لیکن حضور کی جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا وہ اعلان اس
 کترین سے و دیگر برادران اہل اسلام کی نظر سے بھی گزرے اعلان مناظرہ آٹھویں
 مرتبہ بدایوں سے حضور کی خدمت میں بھیجا گیا اس میں یہ لکھا ہے کہ یہ اعلان جس کسی
 بھائی کی نظر سے گزرے وہ بھی ہماری طرف سے ایک پیسہ کا کارڈ لکھ دیوے کہ حضور
 اعلان مناظرہ قبول فرما کر تاریخ مناظرہ دجائے مناظرہ تجویز کر کے اور اس مسئلہ کا
 تصفیہ فرمادیوں۔ حضور جو برادران اہل سنت اس سنت مبارکہ کے جاری کرانے
 میں مخالف ہیں تاہم ار بھی انہی کے شریک اس وجہ سے ہے کہ چند جگہ کے علماء
 احناف سے جو اس مسئلہ کی تحقیق کی گئی تو سب نے یہی فرمایا کہ اذان ثانی جمعہ داخل
 مسجد یہی سنت ہے اور یہی قوارث قدیم ہے اور اجماع امت ہے تعالٰیٰ قدیم کو ہاتھ
 سے نجانے دینا چاہیے لیکن حضور اگر بذات خاص تشریف لا کر دیگر علماء سے مباحثہ
 فرما کر ثابت فرمادیوں گے کہ اذان ثانی خارج مسجد ہی سنت ہے تو تاہم اردو دیگر
 برادران اسی وقت تسلیم کر کے سنت مبارکہ کو جاری کر دیں گے اور اپنی ضد و غلطی
 سے توبہ کر لیں گے اور اگر دیگر علماء نے داخل مسجد اذان ثانی جمعہ کو ثابت کر دیا
 تو حضور کو فوراً تسلیم و قبول کرنا ہو گا اور اپنی غلطی کا اعلان دے کر توبہ کرنا ہو گا۔ اب
 حضور سے عند اللہ و عند الرسول عرض ہے کہ حضور احقاق حق کے لئے تکلیف کو ارا
 فرما کر اعلان مناظرہ قبول فرما کر آگاہی فقیہی کے تو حضور کا بہت بڑا کرم ہو گا چونکہ
 جو فتنہ و فساد برادران اہل سنت میں ہو رہے ہیں وہ سب دفع ہو کر آپس میں اتحاد و

محبت کا سلسلہ قائم ہو جائے گا ورنہ مسلمان اس مسئلہ کی بدولت آپس میں لڑائی و جھگڑا کر کے جاہ و مباد ہو کر دین اسلام چھوڑ بیٹھیں گے اگر حضور مناظرہ قبول فرمائیے تو حضور تحریری دستخطی و مری خود یا بڑے صاحبزادہ صاحب یا چھوٹے صاحبزادہ صاحب مع تاریخ آمد کے اور جملہ شرطوں کے لکھ کر روانہ فرمادیں تو یہاں پر جملہ انتظامات مکمل تاریخ مقررہ سے پیشتر کر لئے جاویں گے حضور کا کل صرفہ آمد و رفت و شرطیں سب قبول حضور جواب جلد مرحمت فرمادیں یہ دینی معاملہ ہے۔

مرسلہ تاجدار عبدالحمید - ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ یک شنبہ

فرمان رضوی اور اس کی تہذیب

مکرمی زید کریم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط آیا۔ مسئلہ اذان فتاویٰ و رسائل میں آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا گیا مخالفین نہ کوئی حدیث رکھتے ہیں نہ روایت اب نوا اختر اور بہتان کے ان کے پاس کیا ہے ان سے بارہا کہا گیا کہ تم کسی ایک کتاب میں دکھا دو کہ مسجد کے اندر اذان جائز ہے ہم مان لیں گے۔ مگر کہاں سے لائیں ہو جب تو دکھائیں رہا مناظرہ اس کے لئے مولوی سلامت اللہ صاحب کے پاس خط لکھا انہوں نے انکار کیا۔ مولوی عبدالمتحدر کو لکھا گیا انہوں نے بھی حافی نہ بھری آخر میں مولوی انوار اللہ صاحب کو دعوت دی گئی انہوں نے اس کی آڑی کہ مخالفت بڑھے گی۔ اب کون ہے جو مناظرہ کرے جب ان مخالفین نے دیکھا کہ کوئی دلیل نہیں جو تحریر میں لاسکیں اتنی ہمت نہیں کہ سامنے آسکیں۔ ناچار چند جاہل کو اکو اکیا کہ ان جلا کو کون منہ لگائے گا جاہلوں سے کہنے کو ہو جائے گا کہ مناظرہ نہیں کرتے۔ کیا یہ جلا مولوی عبدالمتحدر سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ وہ تو جان چاتے اور یہ چیختے چلاتے پھرتے ہیں رہا آٹھ بار دعوت دینا اس کذب کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے مکررہ تو اس کے لئے ہے جس کے دل میں سبحانہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خوف ہے اور یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن ہمیں جواب دینا ہے۔ آپ کا ہے کہ اتنی تکلیف فرماتے ہیں کہ لوگوں کو گویا رہا بلائیں بدایوں یہاں سے

قریب ہے عبدالقدیر و عبدالماجد وغیرہ کو ہمیں بریلی ہی بھیج دیجیے ہمارے طلبہ سے بات کر لیں معلوم ہو جائے گا۔ اگر آپ مناظرہ مقرر کرتے ہیں تو ہم مولوی مولانا احمد اللہ صاحب ساکن پبلی ضلع پشاور کو مقرر کرتے ہیں آپ ان کو اطلاع دیجیے وہ اکیلے ان سب کے مجموعہ پر ہماری ہیں۔ نیز اگر ان میں مناظرہ کی کچھ ہمت ہوتی تو قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کتب فقہ سے منہ موڑ کر قانون سے استغانت نہ کرتے جب سب طرف سے عاجز آئے تو یہ سوچیں کہ علماء کو کچھریوں میں دوڑا دو مجبور ہو کر جواب لکھنا چھوڑ دیں گے بس حوام کے سامنے باتیں مانے کو ہو جائے گا۔

نقطہ

فقیر عبدالسلام رضوی از بریلی محلہ سوداگراں

فرمان بریلوی کے جواب میں دوبارہ گزارش

(رجسٹری جس کی واپس ہوئی)

حضرت مولانا الکترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ جمادی الثانیہ کو ایک عریضہ ہر ض رفع نزاع (جو مابین المسلمین ہو گیا ہے) حاضر خدمت کر کے نہایت ادب سے یہ گزارش کی تھی کہ مسئلہ اذان خارج عن المسجد نے ایک شور مچا رکھا ہے مسلمانوں کا عزیز وقت اس مشغلہ میں فضول اور بے جا بہت صرف ہوتا ہے اگر حضرت عالی تکلیف فرما کر جادو تشریف لے آئیں اور دیگر حضرات علماء کرام سے بالمشافہ اس میں گفتگو کر کے محقق کر دیں تو احیاء سنت کے ساتھ اجراء سنت مرحومہ بھی ہو گا اور رفع نزاع ہو کر صورت اتحاد مسلمانوں میں نظر آئے گی اول تو اس عریضہ کے جواب کے انتظار نے زحمت انتظار میں گرفتار کیا جس چوبیس روز کے بعد مدۃ انتظار ختم بھی ہوئی تو کچھ بے سودی نظر آتی ہے۔

اول تو ہم تیار کارہ اس قابل نہ سمجھے گئے آپ جیسے ہادی قوم اور مقتدائے ملت نے اپنے بھائی مسلمانوں سے خطاب تک کو ارادہ فرمایا۔ اس رجسٹری کے جواب سے بھی عروہی عریضہ جس میں (۲۰) کے ٹکٹ بھی ہر ض جواب حاضر خدمت کئے گئے خیر

تاہم ایک کارڈ جناب عبدالسلام صاحب رضوی کی طرف سے ہم ناچیزوں تک پہنچا جس کی طرز عبارت سے اس کا پتہ چلا کہ یہ ہمارے عریضوں کے جواب میں ہے۔ حضرت عالی ہم ان بزرگ سے واقف نہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قبیل ارشاد حضرت عالی! یہ کارڈ لکھا ہے یا خود ہی اپنی طرف ہی سے لکھ مارا غالب گمان یہ ہے کہ آپ جیسے ہمدرد اسلام والہ اسلام کا حکم اس قسم کا نہیں ہو سکتا بچہ قلم غالب یہ ہے کہ شاید ہم غریبوں کی آواز بھی آپ کے گوش مبارک تک نہ پہنچی ہو گی لہذا پھر بذریعہ رجسٹری عرض کرتے ہیں کہ براہ کرم ہمارے عرائض سادہ کو ملاحظہ فرمایا جاوے نیز اس خاکسار نامہ پر نظر کر کے براہ خدا و رسول اس کی طرف توجہ فرمائی جاوے اور اگر یہ کارڈ ایمائے حضرت سے لکھا گیا ہے تو نہایت ادب سے گزارش ہے کہ دنیا بھر کے علماء و فضلا کو ایسے الفاظ کہ جو ہماری زبان و قلم سے بھی ادا نہیں ہو سکتے لکھنا گمان تک مقتدیان امت محمدیہ کی ہنک عزت ہے اور مانا کہ آپ جیسے علم و فضل کا دنیا کے پردہ پر کوئی عالم نہیں تاہم ان کو اس بات کو سمجھا کر منوانے کی بھی ضرورت ہے یوں ہی حضرات علماء کبار کو مجاہل و غیرہ کہہ کر اظہار حق کو غلاما گریز نہیں تو اور کیا ہے؟ آخر میں مولوی حمد اللہ صاحب کو تجویز فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ سو پر بھاری ہیں اس کا توانکار نہیں کہ وہ سو پر نہ سہی ہزار پر ہو جل ہوں مگر مشکل یہ کہ اول تو ان کا پتہ تک معلوم نہیں ان سے عرض کریں تو کیسے اور کہیں نشان ملا بھی تو اس کا کیا اطمینان کہ وہ منظور بھی فرمائیں گے اور اگر یہ سب مرحلہ طے ہو کر تشریف لے بھی آئے اور بات کہہ کر چلے گئے تو رفع نزاع میں کیا کی آئی آپ سب حضرات مل کر کھدیں گے کہ ایک طالب علم تھا وسعت نظر کم تھی۔ لہذا پھر نہایت ادب و عاجزی سے التماس ہے کہ خدا اور اس کے رسول جل ذکرہ ﷺ کے واسطے تکلیف فرمائیے یا کم سے کم اتنا تو ضرور کر دیجیے کہ مولوی حمد اللہ ہوں یا جو کوئی صاحب اس کام کے لئے منتخب ہوں ان کے نام بطور وکالت نامہ کے ایک تحریر جناب عالی لکھ دیں کہ ان کا کیا دہرا ہار جیت سب ہماری ہی ہو گی تاکہ پھر بعد میں صورت نزاع باقی نہ رہے اور اس پر مرد و سخت فرما کر خود ہی ان کو مطلع فرمائیے اور خود تاریخ مقرر فرما کر اس تحریر کی ایک نقل اور تعین تاریخ سے مطلع

فرمائیے خدا کے لئے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں لا غائلہ و فضول باتیں کہ جاہل کو منہ نہیں لگاتے نکال کر حق سے گریز کی صورتیں نہ پیدا کیجئے ہم نہایت سختی سے منتظر ہیں کہ کب خدا تعالیٰ آپ کے دل میں مفت رحم کا ظہور فرماتا ہے اور کب ان غریب مسلمانوں کی حالت پر کرم کی نظر ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یا تو خود ہی معصوم سزا جیاء سنت کے لئے گوارا فرمائیے یا کسی صاحب کو مقرر کیجئے تو ان کو اس قسم کی تحریر دیجئے اور اپنے قلم مبارک سے ہم ناچیزوں کو مطلع فرما کر ممنون احسان کیجئے۔

محمد مدوق ساز از جہاد خلع نیسج ۲۲ مئی ۱۹۱۶ء

تیسری درخواستِ مناظرہ بر اہر است فاضل بریلوی کی خدمت میں اور جواب ندارد

مخدومناکر مناظرہ حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ القاری محمد داناہ حاضرہ محمد احمد رضا خان صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے ہو کہ حضور کی خدمت میں ایک عریضہ کارڈ اول بھیجا گیا تھا جس میں عرض کیا گیا تھا کہ یہاں پر اذان ثانی جمعہ داخل مسجد والے مخالفین ہم کو بہت تنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اذان ثانی خارج مسجد کا مسئلہ حق ہے تو تم اعلیٰ حضرت کو مناظرہ کے لئے بلواؤ سو ہم بھی اپنے علماء کو بلوائیں۔ تاکہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہو جاوے سو تاجدار نے عرض کیا تھا کہ حضور تشریف لا کر اگر اس کا فیصلہ فرمادیں تو بڑا کرم ہو گا لیکن حضور کی جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ پھر دوبارہ ایک عریضہ لفاظہ معہ ٹکٹ جواب کے لئے بذریعہ جوالی رجسٹری بھیجا گیا اس میں بھی عرض کیا گیا کہ حضور مخالفوں نے بہت ستار کھا ہے اور رات دن کہتے ہیں کہ اپنے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو مناظرہ کے لئے بلواؤ ہم بھی اپنے علماء کو بلواتے ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت نے مسئلہ اذان ثانی خارج مسجد ثابت کر دیا تو ہم سب لوگ خوشی تسلیم کر کے سنت مبارکہ کو جاری

کرا دیں گے۔ مخالف لوگ حضور کی آمد و رفت کا صرفہ معہ ہمراہیاں کے قبول کرتے ہیں لیکن یہ شرط پیش کرتے ہیں کہ اول اعلیٰ حضرت کے یہاں سے تاریخ آمد مناظرہ مقرر ہو کر تحریر دستخطی و مہری آجانا چاہیے۔ دویم عریضہ کا جواب بھی حضور کے یہاں سے کچھ نہیں آیا اب پھر حضور سے عند اللہ و عند الرسول عرض ہے کہ تاریخ مناظرہ مقرر فرما کر تحریر دستخطی و مہری روانہ فرمائی جاوے تاکہ مخالفوں کو کھدیا جاوے کہ ہمارے اعلیٰ حضرت تشریف لاتے ہیں تم اپنا انتقام کرو تھوڑی تحریر کو زیادہ تصور فرمایا جاوے۔

رسالہ۔ ”اجلی انوار الرضا“ ۲ جلد اور کوئی جدید رسالہ اذان ثانی کے مسئلہ کے متعلق شائع ہوا ہو تو جلد بذریعہ دلیولی اپیل مرحمت فرمادیں۔

مرسلہ اسماعیل چیمہ قصبہ جاود ضلع نیملچ

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ شنبہ

تقریظ

السید محمد مخدوم الحسینی الحسنى القادری

الحمد لله الوهاب مجیب السائلین بالصدق والصواب
والصلوة والسلام علی من انزل علیه الكتاب سید الا
نام خیر الداعیین الی الحق الصراح والصراط المستقیم
وعلی آله واصحابه المنادیین باعلی النداء الی کلمة
الحق والصواب اما بعد فانی رایت هذا الكتاب
المستطاب مؤلف العالم الا مجد البارع الا وحده معینی
الدین والا سلام لازال کاسمه معینا للانام فی کشف
الظلام عن وجوه المسائل والاحکام فقد اجاز فی جوابه
واصاب الفاضل العلام فی مسئلة الاذان والا علام بین
یدی المنبر یوم الجمعة سید الایام اذا صعد الخطیب
المنبر لانصات الحاضریین واستماعهم ذکر الله كما هو
مذهب الجماهیر الا علام المتوارث بین اهل الاسلام
لا رب فیہ هدی للمتقین وارغام المرتابین کیف لا وقد
اثبتہ الفاضل المجیب اللیب بالبراهین والا دلة من
نقل اخبار الا خیار الا جلة فجراه الثمنا خیر الجزاء
آمین

وانا العبد الفقیر الی الله الغنی الباری السید محمد
مخدوم الحسینی الحسنى القادری المعروف باسم
خواجہ پیر الحسینی القادری النظامی عاملہ الثبیط
السامی .

(هذه الرسالة تمت وعمت)



استفتاء

(بسم اللہ الرحمن الرحیم)

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اذان ثانی یوم جمعہ فقہ حنفی کے رو سے کہاں ہونا چاہیے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ تعامل قدیم جو عامہ بلاد اسلامیہ میں متواتر ہے (یعنی اذان ثانی داخل مسجد) بدعت سیئہ ہے اس باب میں ابو داؤد کی اس حدیث سے سند لاتے ہیں جسکی سند میں محمد بن اسحق صاحب المغازی ہیں جس میں لفظ "بین ید یہ" کے ساتھ "علی باب المسجد" وارد ہوا ہے۔ اور عبارات کتب فقہیہ جن میں "یکرہ الاذان فی المسجد" وارد ہے سند آپیش کرتے ہیں۔ علماء کا فریق دیگر اسکے سخت مخالف ہے وہ تعامل موجود کو اس وجہ سے حجت قرار دیتے ہیں کہ یہ زمانہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے چلا آیا ہے اور عبارات فقہیہ میں "بین یدی المنبر" و "عند المنبر" و "قریبا من المنبر" کی بناء پر اذان خارج مسجد کو خلاف مذہب حنفی جانتے ہیں اور حدیث کی صحت میں محمد بن اسحق راوی کیوجہ سے کلام کرتے ہیں اس بارے میں جو جناب کی تحقیق ہو ظاہر کی جائے۔

بَیِّنَاتُ جُرُورٍ وَارْحَمَکُمُ اللّٰہُ

الجواب وهو الموفق للصواب

اذان ثانی یوم جمعہ حنفی کی رو سے امام کے سامنے داخل مسجد قریب منبر ہونا چاہیے جیسا کہ تمام دنیا میں اس پر عملدرآمد ہے البتہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان خارج مسجد ہونا چاہیے جسکی نسبت فقہائے کرامؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ "یکره الا اذان فی المسجد۔" پر "اذان متنازع فیہ فی هذا الزمان۔" چونکہ دیگر اذانوں سے مستثنیٰ تھی اور اپنے لئے دو حکم خاص رکھتی تھی۔ اول یہ کہ امام کے زور و عین محاذات میں ہو۔

دوسرے یہ کہ داخل مسجد اور امام کے قریب ہو۔

ان ہر دو بلکہ ہر سہ مقاصد کی ادائی کے لئے الفاظ بین یدی الا امام اور عند المنبر وقریبا من المنبر کافی ہیں دیکھئے اس بین یدی الا امام سے اس قدر تو ضرور پتہ چلا کہ یہ اذان دیگر اذانوں سے ضرور مستثنیٰ ہے اور وہ استثناء یہ ہے کہ امام کے زور و ہونا چاہیئے دیگر اذانوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے اس قدر پر تو سب کو اتفاق ہے حتیٰ کہ فریق دیگر بھی اس امر پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں حالانکہ سوائے اس جگہ کے دوسری جگہ سے اس کا استثناء معلوم نہیں ہوا۔ اب ہم کو سخت حیرت ہے اور حیرت کے ساتھ الجھن کہ فریق دیگر ہم سے اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جب داخل مسجد اذان ممنوع ہوتی تو اس اذان کا استثناء کسی کتاب حنفی سے دیکھاؤ، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ ہم سے کیوں مطالبہ کیا گیا۔ ہم تو صاف کہ دیں گے کہ حضرت جیسے امر اول کا اس سے استثناء ہوا ویسے ہی امر ثانی (داخل مسجد) و امر ثالث (قریب امام) کا خود بخود اس حکم سے استثناء ہو گیا "بین یدی" "وعند" "وقریب" سب سے متبادر معنی قریب کے ہیں اب رہی گھنچ تان سو وہ دوسری بات ہے جس کے لئے ناظرین کو ذرا

توقف و انتظار کی ضرورت ہے۔ لیجئے یکرہ الاذان فی المسجد کا تو جواب ہو گیا۔ اب ربی حدیث تو اگر درجہ صحت کو بھی پہنچی ہوئی ہے تو وہ اخبار آحاد سے ہے اور خبر واحد تعادل کا نہیں بلکہ اجماع مسلمین کا مقابلہ نہیں کر سکتی نہ ضعیف اور بقول فریق دیگر حسن کیسے مقابل اجماع ہو سکتی ہے

الحمد للہ نفس سوال کے جواب سے تو فراغت پائی اگر کائنات فریق دیگر بھی اس قدر پر کفایت کرتا اور احیاناً جو ایک حدیث پر ان کی نظر پڑ گئی تھی اس کا نہایت سہل جواب بطریق مذکور اپنے آپ دے لیتا تو یہ بلبل جواب بھی ہوئی ہے کا ہے کو چمتی اور یہ قیامت صغریٰ جو محض ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے دنیا میں قائم ہو گئی ہے بدستور روپوش رہتی لیکن جبکہ یہ مسلمانوں کے ادبار کا زنا نہ ہے بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا فریق دیگر نے اس طرف توجہ نہیں مبذول کی اور ایک جدید حکم اس حدیث سے مستنبط کر کے شائع کر دیا اب شائع ہونے کے بعد رجوع الی الحق مردان خدا کا کام ہے ہر شخص میں اسکی اہلیت نہیں ہے

طوعاً بھر مر گئے انجیر نیست

قصہ تو یہ بہت مختصر تھا لیکن ہماری نزاع سے عنقریب بحر طویل بننا چاہتا ہے بلکہ بن چکا رسالے پر رسالے بھی شائع ہو گئے بات جواب سے جواب البواب تک پہنچ گئی اس موقع پر بظاہر سکوت مناسب تھا اگر کتمان حق اور سائل کے سوال کا رد گناہ کبیرہ نہ ہوتے تو ہم ضرور سکوت اختیار کرتے لیکن جب ایسا نہیں ہے تو جواب نہ دینا جرم خداوندی میں مبتلا ہونا ہے اور مختصر جواب کا یہ مطلب ہے کہ گویا جواب نہیں دیا اور مسئلہ کو بدستور تاریکی میں رکھا لہذا مجبوراً تحریر کو وسعت دی جانی گی تاکہ حق روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاوے اور جو حضرات طالب حق ہیں وہ جادہ مستقیم پر قائم رہیں اور قیامت صغریٰ کے ہولناک اور مہیب آواز گولوں سے بچنے کے لئے یہ تحریر سپر کا کام دے دوسرے سے ہم کو چنداں بحث نہیں۔

یوں تو اس مسئلہ کے متعلق دو چار فتوے اور بھی شائع ہوئے ہیں جن میں یہ حکم لگایا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہو لیکن اس میں جناب مولوی

احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے سب سے زائد حصہ لیا ہے اور انہیں کا فتویٰ سب سے پیشتر شائع ہوا ہے اسوجہ سے ہمارے اس جواب میں عموماً انہیں کی تحریرات پر تنقیدی نظر ہوگی۔

فاضل بریلوی۔ اس سسکے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

رسول ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہوتی تھی سنن ابوداؤد شریف میں ہے عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکرو عمر رضی اللہ عنہما

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکرو عمرؓ کے زمانہ میں اور ہمیں منقول نہیں کہ حضور اقدس ﷺ یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔ انتہی

اس کے بعد فاضل بریلوی نے کتب فقہ کی اس عبارت "لا یؤذن فی المسجد" کے نقل کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور کامل دس کتابوں سے اس فقرہ کو نقل کیا ہے اور ان سب کا خاتمہ جناب مولانا عبدالحی نور اللہ مرقدہ کی اس عبارت پر کیا ہے کہ جو (بین یدی) کی تفسیر میں واقع ہوئی ہے کہ ایں مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون هو الثانی

بس ہو گیا فاضل بریلوی کا استدلال ختم۔ لیکن ہم کو اس میں ونیز ان کی دیگر تحریرات میں کلام ہے جس کو نمبر وار لکھتے ہیں

فاضل بریلوی کا اجماع سے فرار

(۱) اس مقام میں گو فاضل بریلوی نے اجماع کے شکست دینے کا تہیہ کر یعنی امام کے سامنے مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر اور مسنون دوسری صورت ہے

لیا ہے مگر مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے کہ اجماع کو ہاتھ سے نہ دیں اور اس کی اہمیت کو سمجھیں ورنہ وہ جادہ مسقیم سے بہت دور جا پڑیں گے تمام اہل حق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام شرعیہ کا استنباط چار اولہ سے ہوتا ہے (۱) کتاب اللہ (۲) یعنی امام کے سامنے مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر اور مسنون دوسری صورت ہے سنت اللہ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع امت مرحومہ (۴) قیاس مجتہدین۔ ان میں کتاب اللہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر تسلیم کیا گیا ہے نص قرآنی سے جو حکم ثابت ہو جاوے تو پھر دوسری طرف التفات نہیں کیا جاوے گا اسی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اخبار احاد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں رکھتے مثلاً نص قرآنی علی الاطلاق حکم دے رہی ہے اور خبر واحد اس کو مقید کرتی ہے، اس بارہ میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس کو مطلق مانیں گے وجہ یہ کہ نص قرآنی متواتر ہے اور خبر واحد کے راوی کو عادل و ضابط ہی سہی اس میں تواتر کا ساقین نہیں پیدا ہو سکتا بناء علیہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تو اتر سے تو اطلاق سمجھا گیا اور ایک خبر گو فی نفسہ صحیح ہے لیکن نعمت تواتر سے محروم ہے وہ اسکو مقید کر رہی ہے اب اگر ہم خبر واحد پر عمل کریں تو اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ برہان قوی چھوڑ کر دابل ضعیف کا سہارا لیا جس میں غلطی کا احتمال قلام ہے، اس کو کسی طرح فطرت سلیمہ ایک لمحہ کیلئے بھی دائرہ جواز میں نہیں لاسکتی البتہ اگر حدیث بھی درجہ شہرت اور تواتر کو پہنچ چکی ہو تو اسکی زیادتی امام صاحب تسلیم فرماتے ہیں اس حکم خاص میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ مشہور واقعہ فاطمہ بنت قیس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ تھا کہ لا نَدْعُ کِتَابَ اللہِ بِقَوْلِ امْرَأَةٍ صدققت ام کذبت۔ ہم ایک عورت کے قول کے باعث کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے کیا

یہ حدیث ترمذی ج اول ص ۲۲۳ (باب ماجاء فی المطلقۃ ثلاثا لا سکنی لها ولا نفقۃ) میں بایں الفاظ منقول ہے لا ندع کتاب اللہ وسنتہ نبینا بقول امرأۃ لا ندری احفظت ام نسیت

(معلوم) خبر وہ سچی ہے یا جھوٹی حالانکہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ بیان کر رہی تھی۔ کیا اس واقعہ سے حضرت فاروق اعظمؓ پر یہ الزام قائم ہو سکتا ہے کہ انھوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ نہ کی۔ حاشا وکلا۔ بات یہ تھی کہ فاروق اعظمؓ کو خود اس میں شبہ تھا کہ یہ حدیث رسول ہے بھی یا نہیں ورنہ حدیث رسول اللہ معلوم ہونے کے بعد اس سے سرمو تجاوز نہ کرتے۔ امام اعظمؒ بھی انہیں کے مقلد ہیں فاروق اعظمؓ نے جو گر سکھایا امام اعظمؒ نے اسکو بالراس والعین۔ قبول کر کے فقہ کی بنیاد اس پر قائم کر دی جس سے ظاہر ہیں یہ سمجھے کہ امام صاحب حدیث کا خلاف کر رہے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ خود بدولت قرآن کا خلاف کر رہے ہیں جس کا ایک ایک حرف بلکہ ایک ایک اعراب متواتر ہے۔

صاحبو دیکھی آپ نے تواتر کی شان۔ تواتر اجماع کی ایک قسم ہے کسی کلام پر اجماع ہو گیا "تواتر" نام پایا کسی فعل پر اتفاق ہو گیا "اجماع" کہلایا۔ عقل کو اگر قیود مذہب سے آزادی بھی دیدی جائے تو وہ اجماع تواتر کی پابند نظر آویسے گی لندن و کلکتہ کے نہ دیکھنے والوں کو بھی ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ دیکھنے والوں کو، غرض ایک جماعت کے اتفاق سے ایک ایسی اذعانہ حالت قلب پر فائز ہوتی ہے کہ پھر اس کا زائل ہونا قیامت ہوتا ہے خصوصاً امت مرحومہ کا اجماع جس کی نسبت اللہ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ

دیکھئے اللہ جل شانہ نے امت مرحومہ کی دو اعلیٰ صفتیں بیان فرمائیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر اب یہ نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ فرمان الہی جھوٹا ہو اور نہ کوئی سچا مسلمان اس حکم سے سرتابی کر کے یہ جرات کر سکتا ہے کہ تمام امت مرحومہ کو بدعتی قرار دے اور اس کی ان دو پاکیزہ صفتوں کی طرف سے ایسی

تم بہترین امت ہو جو عام لوگوں کے فائدے کیلئے ظاہر لگائی ہے۔ نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ (آل عمران ۱۱۰)

آئینہ بند کر لے کہ شاید قیامت ہی میں کھلے۔ ان حضرات کو اس آیت پاک سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جنہوں نے اجماع امت مرحومہ کو بالائے طاق رکھ کر اور اس کے اتفاق سے مرعوب نہ ہو کر وہ بات سکھائی جس سے کسی عالم و جاہل کے کان اس سے پیشتر آشنا نہ تھے۔ و نیز اللہ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِيْنَ قُلُوبُهُ مِمَّا تَوَلَّىٰ وَتُصْلَبُ جَهَنَّمَ ۖ

دیکھئے اس آیت پاک میں سبیل مومنین کے انحراف پر اس قدر سخت وعید واد ہوئی ہے کہ انجام کار اس کا دوزخ ہے۔ فاضل بریلوی اور ان کے متبعین حضرات کو اس آیت کریمہ کے مضمون پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور دفعتاً اجماع کی مخالفت پر کمر بستہ نہ ہونا چاہیے

یہ ارشاد ربانی بھی ملاحظہ ہو

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لَّتَكُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ ۚ

البقرة ۱۴۳.۲

دیکھیے اللہ جل شانہ امت مرحومہ کو کس عنایت بآئینہ سے خطاب فرما رہا ہے کہ تم کو ہم نے امت وسط (عادل) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے گواہ بنو۔

یہ کس غرض سے اس لئے کہ تمہاری شہادت قبول کی جاوے لیکن فاضل بریلوی امت مرحومہ کی شہادت نہیں قبول فرماتے وہ داخل مسجد جمعہ کی اذان ثانی کی قائل ہے اور بالاتفاق یک زبان ہو کر اس کی شہادت دے رہی ہے مگر فاضل بریلوی کی جناب میں کچھ سماعت نہیں ہوتی حضور انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں لاتجتمع امتی علی الضلالة

میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۲ باب السواد الاعظم)

جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسل کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور طریقہ کی اتباع کرے گا۔ تو ہم اسکی اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور اس کو جسم میں داخل کریں گے۔

یہ کیسی صاف پیشین گوئی امت مرحومہ کے حق میں ہے لیکن اس زمانہ میں اس مبارک پیشین گوئی کے جھٹلانے کی فکریں بورجی ہیں اس میں صرف اس قدر احتیاط برتی گئی کہ اجماع کے لفظ کو تعامل سے بدل دیا مطلب یہ کہ تعامل کے خلاف فتویٰ دیا جا رہا ہے نہ کہ اجماع کے خلاف لیکن تبدیل نام و تفسیر اسم ہی سے اگر کام چل جاتا تو شراب خوروں کو مردہ ہو کہ وہ بھی شراب کا نام کھربت انگور رکھ کر خوب دما دم جام شراب اڑائیں۔ تمام عرب و عجم شرق و غرب ہندو چین فارس و روم میں اذان ثانی داخل مسجد ہوتی ہے اللہ اکبر ایسا بدیہی اور زبردست اجماع صرف فاضل بریلوی کے لفظ تعامل فرما دینے سے نیست و نابود ہو سکتا ہے۔

ہرگز نہیں۔ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

ما زاد المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن (۱)

جس امر کو مومنین بالاتفاق یا اکثر اچھا خیال کر لیں وہ اللہ عزاسمہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

لیکن اس میں بعض علماء زماں کو کلام ہے وہ فرماتے ہیں بلکہ بدعت ہے اور بدعت بھی بدعت سیئہ نیز حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اتبعوا السواد الا عظم فمن شذ شذ فی النار. (۲)

نہ معلوم ایسی صریح حدیث کے ہوتے ہوئے کیوں اس زمانہ کے بعض علماء نے ایک دم تمام اسلامی دنیا کے تعامل و اجماع کو فنا کرنے کا تہیہ کیا۔ پھر اگر انہیں بعض کے مجرد قول و فتویٰ پر ایسے ایسے زبردست اجماع نیست و نابود ہو سکتے ہیں تو پھر کسی اجماعی مسئلہ پر اطمینان باقی نہیں رہ سکتا عام مسلمانوں پر اس کا

۱۔ یہ حدیث ابو داؤد طیالسی ص ۳۳ مسند رک حاکم ج ۳ ص ۷۸ میں بالفاظ ذیل منقول ہے ما زاد المسلمون حسنا فهو عند الله حسن

۲۔ سواد اعظم کی اتباع کرو، جو علیحدہ ہوا اس سے وہ تنہا ڈالا جاگا جہنم میں۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰ باب الاعتصام بالكتاب والسنة فصل ثانی۔

نہایت برا اثر پڑے گا سہاوا کہیں وہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ نفس اذان و صلوة پر جو اجماع ہے کہیں یہ بھی مصنوعی نہ ہو اور کسی زمانہ کی جدید تحقیق کی رو سے یہ بھی کالعدم نہ ہو جاویں۔ لیجیے ارادہ تو کیا تھا احیاء سنت کا اور ہو گیا یہ کہ اب فرائض و واجبات کے پچنے کی بھی خیر نہیں ہے۔ اس موقع پر کم از کم اسی حدیث پر غور کر لیا جاتا جس میں حضور انور ﷺ نے عظیم کو خانہ کعبہ میں داخل کرنے کی خاطر خانہ کعبہ میں کسی قسم کا تصرف نہ فرمایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی تو میں کعبہ کی صورت موجودہ کو منہدم کر کے عظیم کو کعبہ میں داخل کر لیتا۔ اس حدیث سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فساد عظیم کے فرو کرنے کے خاطر چھوٹا موٹا فتنہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ تبویب بخاری بھی اس کی ربری کر رہی ہے۔ بناء علیہ فاضل بریلوی اور ان کے ہم مشرب حضرات کو اگر اس جدید مسئلہ کی تحقیق بھی ہو گئی تھی تو فساد عظیم کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو سکوت اختیار کرنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں جب بیٹھے بٹھائے ایک آودہ حدیث کو سرسری نظر سے دیکھ کر اجماع مسلمین کو فنا کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے تو پھر اجماع کے متعلق جعفر احادیث وارد ہوتی ہیں ان کا محل کو نسا ہو گا۔ اور وہ کس دن ہمارے کام آویں گی۔

فاضل بریلوی کی حضرت مجددؑ کے کلام سے اجماع کو باطل کر نیکی کوشش

(۲) فاضل بریلوی نے اس زبردست اجماع کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس تحریر سے جو ان کے مکتوبات میں ہے باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ عالم در دیاری بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفته کرا مجال (است) کہ (وم از رفع بدعت زندو) یا احیاء سنت لب کشاید اکثر علمائے ایں وقت (روان و دھندہ) بدعت اند و موکندہ بآئے سنت (بدعت ہائے پس شدہ) تعامل (خلق) دانستہ بجاواز بلکہ باستحسان آہنا فتویٰ میدہند و نمیدانند کہ تعامل

دلیل استحسان نیست تعالیٰ کہ معتبر است بہانت کہ از صدر اول آمدہ است
یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ و شک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام و بہ عمل
جمیع قرمی و بلدان از حیطہ بشر خارج است انتہی۔" ۱۔

یہ عبارت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں

مخاضین کے بڑے شبہ دو تھے ایک عام رواج۔ (سبحان اللہ اجماع کا نام
عام رواج رکھا ہے) دوسرے یہ کہ اتنے اتنے بڑے علماء و مشائخ گزرے کیا
سنت کے خلاف کرتے تھے وہ کیا مسئلہ نہ جانتے تھے کیا عبارات سابقہ و عبارت
حضرت مجدد صاحب نے پہلے شبہ کا کافی رد نہ فرما دیا کیا خاص عبارت حضرت
مجدد نے دوسرے شبہ کا بنفس جلیل ازالہ نہ کر دیا کہ ایسی جگہ رواج دیکھ کر علماء
کو تعامل کا دھوکا ہوتا ہے اس لئے ساتھ دینے اور جائز بلکہ بہتر سمجھنے لگتے ہیں۔ ۲۔
مطلب یہ کہ اجماع اور چیز ہے اور تعامل و رواج شے دیگر جمعہ کی اذان داخل
مسجد پر رواج اور تعامل ہے نہ کہ اجماع۔ اجماع مسلم ہے لیکن تعامل و رواج غیر
مسلم۔ بس ہو گیا استاد ختم۔ فاضل بریلوی نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ مجدد
آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ۔" صاحب کی اس عبارت ہی نے کہ
تعالیٰ کہ معتبر است بہاں است کہ از صدر اول

۱۔ عالم دریائے بدعت میں غرق ہے کہو، کی مجال ہے کہ بدعت کو اٹھانے کا دم مار سکے اور
احیاء سنت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے
اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل خلق جان کر اس کے جائز ہونے
بلکہ شمس ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ تعامل دلیل استحسان نہیں ہے جو
تعامل معتبر ہے وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہو یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو جو۔ اور
شک نہیں ہے کہ تمام مخلوق کے تعامل کا علم اور تمام بستیوں اور شہروں کے عمل کا علم
انسانی طاقت سے باہر ہے۔ مکتوبات امام ربانی حضرت ہفتم و فقر دوم مکتوب ۵۵۔ نوٹ جو
جملے نقل عبارت میں فاضل بریلوی سے رہ گئے تھے انہیں بین القوسین ظاہر کر دیا گیا ہے۔

فاضل بریلوی کے استاد کو باطل کر دیا۔ اس وجہ سے کہ جمعہ کی اذان ثانی داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی جلی آرہی ہے نہ کہ کسی خاص زمانہ میں خاص شہر کے لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے اگر ایسا ہوتا تو تاریخ اس کا پتہ دیدہ تہی اور فاضل بریلوی اس کی شہادت پیش کر دیتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور نہ آئندہ وہ کوئی تاریخی ثبوت پیش کر سکتے ہیں چاہے تو یہ تھا کہ وہ تاریخی شہادت پیش کرتے لیکن وہ اثبات ہم سے شہادت کا مطالبہ کر رہے ہیں چلتے ہم نے تسلیم کیا کہ یہ فعل صدر اول سے نہیں لیکن دوسری شق باجماع جمع مردم میں داخل ہے اور اگر اس میں فاضل بریلوی کو شک ہو تو ہم اللہ وہ آویں اور ہمارے ساتھ دنیا کا سفر کریں خدا نے چاہا تو اپنی ایجاد کردہ صورت کہیں اسلامی دنیا میں نہ پاویں گے خصوصاً مساجد احناف میں، فاضل بریلوی نے مجدد صاحب کی پچھلی عبارت سے دھوکا کھایا کہ "شک نیست کہ علم بہ تعامل کافرانام و عمل جمیع قری و بلدان از حیطہ بشر خارج است"

اور یہ نہ سمجھے کہ اس زمانہ میں یہ کوئی مشکل بات ہے۔ ریل و تار و جہازات و خانی کے طور نے تمام مشکلات کا خاتمہ کر دیا ہے لمحہ لمحہ میں دنیا بھر کے حالات معلوم ہو رہے ہیں روم و روس میں واقعات ہو رہے ہیں اور آسام و سیام و برہما و چین والے اسی دن ان واقعات پر خبردار ہو کر اپنے اخبارات میں شائع کر رہے ہیں اطلاع احوال کے لئے اس زمانہ میں سفر کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے گھر بیٹھے دنیا بھر کے حالات پر مختلف ذرائع سے اطلاع ہو جاتی ہے پھر لطف یہ کہ ہر ملک کے لوگ ہر ملک میں اس کثرت سے بستے اور آمدورفت رکھتے ہیں کہ ان سب کی خبریں تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں ان میں سے کسی صاحب نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے ملک میں خارج مسجد اذان ثانی ہوتی ہے بلکہ سب کا بالاتفاق یہی بیان ہے کہ جس طرح سرزمین ہند کا عملہ آمد ہے ہمارے یہاں بھی یہی تعامل ہے۔ حکماء کو بڑا الزام مستطعمین نے یہ دیا ہے کہ وہ قیاس الغائب علی الشاہد (۱) کے عادی ہیں جس کی نظیر یہ ہے کہ حکماء نے جب دیکھا کہ تمام

۱۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا۔

دنیا کا کارخانہ مادہ سے چل رہا ہے رنگ برنگی صورتیں اس پر فاضل ہو کر فنا بھی ہو جاتی ہیں لیکن ہر صورت میں مادہ کی جلوہ گری ہے لٹی میں بھی وہی مادہ تھا۔ لٹی سے کاغذ بنا کاغذ جل کر راکھ کا دھیر ہو گیا راکھ رل مگر مٹی بن گئی صورتوں کے تغیر کا سلسلہ برابر قائم ہے لیکن مادہ ویسا ہی جوں کا توں موجود ہے پس اس کو دیکھ کر حکماء نے قیاس جما دیا کہ مادہ قدیم ہے اور حادث اس کی صورتیں ہیں۔ جملائے طبقہ منہ نے تو مادہ کو واجب الوجود ہی تسلیم کر لیا اس مسئلہ میں نے حکماء کو یہ الزام دیا کہ تم گول کے کیرٹے ہو جو تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھا زل کو بھی اس پر قیاس کر لیا آج جو واقعات ہیں یقیناً کل وہ نہ تھے پھر یہ نری حماقت نہیں ہے کہ واقعات لایزال کا وجود اس میں تسلیم کیا جاتا ہے اس بحث کی اگر تفصیل مد نظر ہو تو مرجع انام حفاظت آگاہ حضرت مولانا مولوی حاجی محمد انوار اللہ مرقدہ کے مشورہ رسالہ مقاصد الاسلام کے حصہ سوم میں دیکھو۔ الغرض حکماء پر تو یہ الزام تھا کہ انھوں نے قیاس الغائب علی الشاہد (۱) کیا ہے لیکن فاضل بریلوی قیاس الشاہد علی الغائب

کر رہے ہیں یعنی جیسے پہلے ریل تار نہ ہونے کی وجہ سے اطلاع احوال دشوار بلکہ قریب قریب محال تھی اسی طرح ان اشیاء کے ظاہر و حادث ہونے کے بعد بھی محال رہنا چاہیے اور اس پر دلیل یہ کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانے میں اس کو محال بتایا ہے۔

فاضل بریلوی کا فتاویٰ حرمین شریفین کو بذریعہ تاویل رد کرنا

(۳) فاضل بریلوی ہمیشہ فتاویٰ حرمین شریفین کے سامنے تسلیم کرتے رہے ہیں۔

۱۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا۔ ۲۔ حاضر کو غائب پر قیاس کرنا۔

مشہور فتوائے حسام الحرمین سے طائفہ دیوبند کو کفر کے گھاٹ اتار دیا لیکن جب وہی مدنی فتویٰ فاضل بریلوی کے خلاف نمودار ہوا تو لگے تاویلیں کرنے چنانچہ اپنے رسالہ ”مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ“ کے سرورق پر تحریر فرماتے ہیں

حرمین شریفین کا فتویٰ عقائد و متعلقات عقائد میں لیا جاتا ہے اذان نماز روزہ وغیرہ محض فقہی مسئلوں میں صرف کتاب معتبر ہے ورنہ مذہب حنفی بالکل رد ہو جائے گا خود امام اعظمؒ و امام محمدؒ سے اس کے روشن ثبوت تا آخر (۱) دوسروں پر تو حسام الحرمین سے خوب وار کیا لیکن وہی وار جب خود ان پر ہونے لگا تو اب وار بچانے کی فکر میں ہوئے مگر ہم کو یہ وار خالی جاتا نظر نہیں آتا وجہ یہ کہ امام اعظمؒ و امام محمدؒ رحمۃ اللہ علیہما کی یہ شان تھی کہ اہل حجاز کے بالمقابل صاحب رائے تسلیم کئے جاویں چنانچہ اس پر بھی اجماع ہو گیا اور مذہب حنفی نے تمام دنیا پر اپنا سکہ بٹھالیا اور وہ فروغ پایا کہ نصف نہار کے آفتاب کو نصیب نہیں۔ کلام اب اس میں ہے کہ علماء احناف حرمین کا اگر دیگر علماء احناف سے کسی مسئلہ میں نزاع ہو جاوے تو کس کو ترجیح دی جاوے گی۔ ظاہر ہے کہ ظن غالب اسی طرف ہو گا کہ علماء حرمین کا قول مرجح ہے خواہ باب عقائد میں ہو یا اعمال میں امام مالکؒ نے تو تعامل و اجماع اہل مدینہ کو حجت شرعی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ والتبعض ای خصصوا الا جماع باہل المدینہ لقولہ علیہ السلام ان المدینۃ طیبۃ تنفی خبثھا وان الخطاء خبث (۲)

جبکہ خطاء خبث ہوئی تو وہ ہر حالت میں خبث ہوگی خواہ عقائد میں ظہور کرے یا اعمال میں امام مالکؒ کے سواء دیگر حضرات ائمہ گو تعامل اہل مدینہ کو

۱۔ مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ نمائش بیچ

(۲) اور بعض علماء نے اجماع کو اہل مدینہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے بوجہ فرمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ مدینہ طیب ہے اپنے سے نکال دتا ہے گندگی کو اور غلطی بھی یقیناً گندگی سے ضیح والتبیح ص ۵۲۸

حجت شرعی تو نہیں قرار دیتے حتیٰ کہ حدیث صحیح کے مقابل میں تعامل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن تعامل اہل مدینہ کو ایک خاص نگاہ وقعت سے ضرور دیکھتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ کوئی حدیث صحیح تعامل مدینہ کے خلاف نہیں پائی۔ اب اگر اہل مصر کا تعامل اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہے تو سب تعامل اہل مدینہ کو مقدم و مرجح مانیں گے یہ صورت تعامل تھی اور جبکہ ایک مسئلہ پر اہل مدینہ و تمام دنیا کا اجماع ہو جیسا کہ معاملہ اذان ثانی میں ہے اس صورت میں فاضل بریلوی کو کون ناحق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کے علماء کے استناد سے روکیں خصوصاً جو کہ حنفی بھی ہیں۔ ایک عالم حنفی ہندی دوسرے عالم حنفی مدنی کا قول اپنی تائید میں پیش کر رہا ہے فاضل بریلوی اس کے مقابلہ میں فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع نہیں کیا لہذا یہ استناد باطل ہے اب کوئی بتائے کہ ان دونوں صورتوں میں کیا مناسب ہے۔ فاضل بریلوی اس موقع پر اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کے مقابلہ میں تعامل اہل مدینہ رد کر دیا جائے گا مگر حضرت یہ تو اجماع عالم ہے یہ کیسے رد ہو جائے گا دوسرے یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر صحیح بھی ہے تو خبر واحد ہے جو غلطی ہے اور اس وجہ سے اجماع قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تیسری یہ کہ اس حدیث میں کئی احتمال ہیں بعض احتمالات پر ہم کو مفید اور فاضل بریلوی پر حجت ہے ان سب کی تفصیل ہم آئندہ نمبروں کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔

(لم) حدیث سے استناد مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا

حدیث سے استناد کرنا درحقیقت مجتہد کا کام ہے مقلد کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی حدیث سے تسک کر کے کوئی حکم مستنبط کرے۔ امام ترمذی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں جس قدر احادیث ہیں وہ کسی نہ کسی امام کی معمول بہ ضرور ہیں سوائے دو حدیثوں کے کہ ان میں کی یہ حدیث ابن

عباس ہے۔

"ان النبی جمع بین الظهر والعصر با لمدينة والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر۔" (۱)

اب فرمائے یہ حدیث تو صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے لیکن معمول بہ نہیں ہے اس سے مقلدین کو عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ مجرد حدیث صحیح یا حسن دیکھتے ہی وہ جامہ سے باہر نہ ہوں کیوں کہ مقلد کی نظر نہایت محدود ہوتی ہے اس کو اپنی کم نظری کی وجہ سے یہ خیال نہ کر بیٹھنا چاہیے کہ اس پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا۔ یا اس کے امام نے کیوں نہیں اس کو معمول بہ قرار دیا۔ بناء علیہ مخالفت پر آمادہ ہو جاوے۔ وجہ یہ کہ جب اس کا علم محدود ہے اور نظر قاصر تو ممکن ہے کہ کوئی حدیث معارض ہو اور وہ صحت میں اس سے بڑھی ہوئی ہو جس کا علم اس کو نہیں ہے اور امام کی وسیع نظر میں ہے تقلید کا در حقیقت یہی منشاء ہے جنہوں نے قلاوہ تقلید گردن سے اتار دیا ہے وہ ہمیشہ غوطے کھاتے رہتے ہیں غیر اہم بات کو اہمیت کا جامہ پہنا دیتے ہیں اور اہم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں حلال کی تحریم اور حرام کی تحلیل ان کا شیوہ ہے ہم کو یہاں ان حضرات سے بحث نہیں اور نہ ان کی بے سرو پا حرکات اور نت نئے اجتہادوں سے تعجب ہے اگر تعجب ہے تو جناب فاضل بریلوی سے کہ انہوں نے باوصف سنی المذہب و صوفی المشرب حنفی ہونے کے کیوں کر ان کی روش اختیار کی ان کو چاہیے تھا کہ روایات فقہیہ سے استناد کرتے۔ کوئی فقہی روایت بجز اس جملہ لا یؤذن فی المسجد۔ (۲) کے ان کو دستیاب نہیں ہوئی جو ان کے دعوے سے کوسوں دور ہے یہ خیال نہ فرمایا کہ نماز پشگاہ کی اذان کا یہ حکم ہے جو ابھی روز روشن کی طرح نشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہونے والا ہے۔ ان کے اس فقہی استدلال سے یہ بھی ہمیں

۱۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں ظہر عصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا بلا کسی

خوف اور سفر اور بارش کے۔ (ترمذی ص ۲۳۵)

۲۔ فتاویٰ ہند یہ۔ ص ۵۵ (الباب الثانی فی الاذان۔ فصل ثانی)

معلوم ہوا کہ کوئی فقہی روایت اس بارہ میں ان کو نہیں ملی اور ملتی کیوں کر جبکہ کتب فقہیہ میں اس کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

فاضل بریلوی کا اپنے لیئے تفرد کا اثبات

(۵) فاضل بریلوی نے جدید تحقیق کی رو سے جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونے کا فتویٰ تو دے دیا لیکن حدیث اتبعوا النساء الا عظم فمن شذ شذ فی النار۔

ان کے لئے باعث اضطراب تھی اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے رسالہ وقایۃ السنۃ "میں اس عبارت کے لکھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ لکھتے ہیں یہ حدیث در بارہ عقائد ہے یا فروع محضہ فقہیہ میں بھی۔ کون امام مجتہد ہے جسے بعض مسائل میں تفرد نہ ہو امام اعظمؒ نے مدت رضاعت ڈھائی برس مانی، امام مالکؒ نے سور الکلب کو طاهر و مباح فرمایا، امام شافعیؒ نے متروک التسمیہ عمداً کو حلال بتایا، امام احمدؒ نے لحم جزور کو ناقض وضو ٹھرایا، کیا جمہور ان مسائل میں خلاف پر نہیں، کیا معاذ اللہ یہاں من شذ شذ کا محل ہے۔ کیا مقلدین ائمہ پر فرض ہے کہ اپنے اپنے اماموں کے مسائل خلاف جمہور ترک کر دیں انتہی " (۱) مطلب یہ کہ ائمہ اربعہ نے بعض مسائل میں تفرد کیا ہے تو اسی طرح ہم کو بھی حق حاصل ہے کہ کسی مسئلہ میں متفرد بنیں۔ لیکن ان کو اس شعر کے مضمون پر لحاظ رکھنا چاہیئے۔

کار پا کاں راقیاس از خود گلیر گر چہ ماند در نوشتن شیر و شیر
جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ
ائمہ اربعہ کی شان تھی کہ جس مسئلہ میں ان کی شرکت نہ ہو گو وہ جمہور کا قول سی
اجماع منعقد نہیں ہو سکتا ان کا تفرد اس امر کی دلیل ہے کہ سرے سے اجماع ہی

نہیں کیونکہ ان کے تفرّد کا یہ مطلب ہے کہ ان کے لاکھوں متبعین اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور ممکن ہے کہ اصل جماعت سے متبعین کا عدد بڑھ جاوے جب یہ ہے تو کہاں حدیث اتباع السواذ الا عظیم کی مخالفت ہوئی اب جبکہ مجتہدین کا دوسرے ختم ہو گیا ہے اس زمانہ میں کسی کی مجال نہیں کہ کسی مسئلہ میں متفرّد رہے۔ فرض کیجئے کہ فروع محضہ فقہیہ میں مخالفت اجماع جائز ہے اور حدیث اتباع السواذ الا عظیم سے مستثنیٰ ہے لیکن استثناء مجتہدین کیلئے ہے نہ کہ مقلدین کے واسطے۔ اور اگر سب کو فروع محضہ فقہیہ میں تفرّد کا حق حاصل ہے خواہ مجتہد و یا غیر مجتہد تو پھر غیر مقلدین نے کیا قصور کیا ہے جن پر آئے دن یہ لے دے کی جاتی ہے کہ ہم حدیث اتباع السواذ الا عظیم کا خلاف کر رہے ہو۔ اب تو وہ صاف جواب دیدیں گے کہ ہم تو بعض مسائل فقہیہ میں متفرّد ہیں اور اس کا ہم کو حق حاصل ہے باقی مسائل اجتہاد یہ میں ہم ائمہ کے ساتھ ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔ یہاں فاضل بریلوی کو اس قدر ضرور عذر ہو گا کہ وہ عقائد میں بھی تو خلاف ہیں۔ مگر اس کا جواب سہل ہے ہم ایسے فرقہ کی نسبت ان سے فتویٰ طلب کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہم عقیدہ ہے لیکن اعمال میں وہ فرقہ کسی امام کا پابند نہیں ہے اور یہ کہتا ہے کہ معاملات میں ہم امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں صرف عبادات کے چند مسائل میں ہم کو تفرّد ہو گیا ہے جس کا شرعی حق ہم کو حاصل ہے۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی اس فرقہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اگر انکو اہل حق مانتے ہیں تو حضرات مقلدین کو اپنی تقلید سے آئندہ معافی دیں۔ اور اگر وہ اہل حق سے نہیں گردانتے تو اب وہ کوئی دلیل فاضل بریلوی کے پاس رہ گئی ہے جس سے ان کو الزام دے سکیں۔ الغرض اس جدید تحقیق کی رو سے نئے فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ فاضل بریلوی کے اس عذر ہارد سے اس کا بھی پتہ چلا کہ وہ اپنے کو مخالف جمہور سمجھے ہوئے ہیں اور جانتے ہیں کہ جمہور میرے خلاف ہیں اب اگر کہیں وہ یہ دعویٰ کریں کہ میں نے جمہور کے خلاف نہیں کیا ہے تو وہ نا سموع ہو گا یہ مقام ناظرین خصوصیت سے یاد رکھیں۔

دور رسالت سے بعد لے بقدر علم دین میں کمی

(۶) جس قدر زمانہ رسول ﷺ سے دوری ہوتی جاتی ہے برابر اس علم میں کمی آرہی ہے جو مشکوٰۃ نبوۃ سے حاصل ہوا ہے اس کے متعلق مرجع انام حقائق آگاہ حضرت مولانا مولوی محمد انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے حقیقتہ الفکہ میں نہایت مبسوط بحث لکھی ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے تھے کہ مجھ کو ساڑھے سات لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں امام احمد آٹھویں طبقہ میں ہیں اور امام بخاری نویں طبقہ میں۔ صرف ایک طبقہ کے فرق سے اس قدر باہمی دونوں بزرگواروں کے علم میں تفاوت ہوا کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں

ع۔ بہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا

صرف ایک طبقہ کے فرق سے ساڑھے چھ لاکھ صحیح حدیثیں دنیا سے اٹھ گئیں۔ اب یہاں سے امام اعظمؒ کے علم کا اندازہ لیجئے کیوں کہ وہ پانچویں طبقہ میں تھے کس قدر کثرت سے احادیث صحیحہ ان کو یاد ہونا چاہیے، پھر لطف یہ کہ کثرت سے اساتذہ کی سوانح عمریاں یاد کرنے اور سلسلہ اسناد ضبط کرنے میں جو وقت امام بخاری و دیگر محدثین کا صرف ہوتا تھا اس سے امام صاحب کو فراغت حاصل تھی کیوں کہ امام صاحب کے استاذ یا صحابی تھے یا تا بھی اپنے استاد کا ہر شخص کو پورا علم ہوتا ہے اب رہے استاذ الاستاذ تو وہ صحابی ہیں جن کے احوال کے تفتیش کی چنداں ضرورت نہیں کہ۔ "الصحابۃ کلہم عدول" جو وقت دیگر محدثین کا احوال کے ضبط میں صرف ہوتا تھا قدرتی طور سے امام صاحب کو اس سے فراغت تھی اس کے مقابلہ میں جو وقت امام صاحب کو میسر تھا وہ بھی ضبط احادیث میں صرف ہوتا تھا اب اندازہ لیجئے کہ امام صاحب کا علم امام بخاری سے مثلاً کس قدر بڑھا ہوا ہونا چاہیے، اس وقت ہمارے پیش نظر صحیح بخاری ہے اس میں سات ہزار کئی سو حدیثیں ہیں پوری لاکھ صحیح حدیثیں جو امام بخاری کو یاد تھیں اس میں نہیں ہیں۔ پھر وہ کیا ہوئیں یہی جواب ہو گا کہ تلف ہو گئیں

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ کی چند لاکھ صحیح حدیثوں کا مرثیہ چھاپا رہا۔ پھر امام صاحب کی محفوظ کئی لاکھ احادیث ہونا چاہیے جن سے انھوں نے احکام شرعیہ استنباط کئے۔ یہ سب احادیث اس وقت اگر موجود ہوتیں تو یہ یقین ہے کہ ایک ایک مسئلہ فقہی کئی کئی احادیث سے ثابت کیا جاتا اور تمام مسائل کے دلائل سب کو واضح ہو جاتے لیکن احادیث تلف ہو گئیں اب سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ جو ائمہ نے احکام مستنبط کر دیے ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر کے اوپر اور نظر نہ دوڑائی جاوے۔ اور اگر کوئی حدیث ظاہر میں کسی مسئلہ فقہی کے خلاف مل جاوے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس فقہی مسئلہ پر ضرور کوئی نہ کوئی دلیل ہے جس سے ہم کو بے خبری ہے اور ہمارے امام کو واقفیت تھی، یہ میں معنی سبکی تقلید کے۔ اور کوئی مقلد استنباط کے درپے ہو جاوے تو پھر فرمائیے اس میں اور غیر مقلد میں کیا فرق رہا۔ اس امر کا فاضل بریلوی اور ان کے اتباع کو بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ سلسلہ استنباط کو ایک تحت بند کر دیں اور اپنی قدیم روش کو ہاتھ سے نہ دیں ورنہ آج تو یہ مسئلہ استنباط ہوا ہے کل دوسرے کی نوبت آئیگی پھر زور پڑنے کے بعد یہ دریا کی طغیانی کسی کے بس کی نہ رہے گی۔

مردمان نصیبت بود و فقہیم حوالہ با خدا کریم و فقہیم

فاضل بریلوی کی اجماع کو ناپسند کر نیکی ایک اور تدبیر

(۷) فاضل بریلوی نے اجماع کو ناپسند کرنے کی ایک اور تدبیر بتائی ہے چنانچہ اپنے رسالہ فیصلہ حق نما میں تحریر فرماتے ہیں:

نیز رد المحتار اور فتاویٰ غیاثیہ اور آخر کتاب الاجارہ میں سید امام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستقرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذا لک لایکون فعلہم حجة الا اذا کان من الناس کافة فی البلد ان کلہا الا تروا انہم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لایفتی بالحل (۱)

(۱) حوالہ اگلے صفحہ پر

اس عبارت سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نقل تعامل کوئی چیز نہیں تاوقتیکہ صدر اول سے نہ ہو دیکھو اگر بیع خمر اور ربا پر تعامل کر بیٹھیں تو اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن ہم فاضل بریلوی کی جناب میں یہ عرض کر کے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس مسئلہ متنازع فیہ میں تعامل صدر اول سے ہے اگر کسی زمانہ وسط میں حادث ہوتا تو اس کے آغاز کی تاریخ کا کسی کتاب سے پتہ چلتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ و تاریخ کی کتابیں اس سے سکت میں اور اسی وجہ سے فاضل بریلوی باوصف وسعت نظر اس پر مطلع نہ ہو سکے مسئلہ متنازع فیہ میں ہم توارث کے مدعی ہیں اور تعامل موجود اس پر حجت ہے جو ہم رتبہ دلیل استصحاب کے ہے جس کو فقہاء نے عموماً معتبر مانا ہے فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ حادث ہے تو اب اس کے ثبوت کا بار ان پر ہے نہ کہ ہم پر لیکن وہ برابر ہم سے ثبوت طلب کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر صدر اول سے اس کا وجود ہے تو کوئی کتابی سند پیش کرو۔ وہ اطمینان رکھیں ہم کتابی ثبوت بھی آئندہ نمبر میں پیش کر دیں گے لیکن نہ پیش کرنے کی صورت میں بھی ہم پر کوئی الزام نہیں ہے البتہ مورد الزام فاضل بریلوی ہیں کہ جو اس کے حدوث کا دعویٰ کر کے بھی تاریخ حدوث نہ پیش کر سکے علاوہ ازیں اس پر تو تمام اہل سنت والجماعہ خصوصاً احناف کا اجماع ہے اور یہ صورت الا اذا كان من الناس كافة في البلدان کلھا میں داخل ہے کیوں کہ کوئی شہر ایسا نہ ملے گا جہاں جمعہ کی اذان خارج مسجد ہوتی ہو لیکن ان ہر دو کتاب سے بھی ہمارا دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ گیا قللہ الحمد۔

حوالہ صفحہ گذشتہ (۱) جواز پر وہ تعامل دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے چلا آ رہا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو گا مگر جبکہ تمام انسانوں کا تمام شہروں میں تعامل ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر لوگ شراب پیٹھنے یا سود پر تعامل کر لیں تو ان کے حلال ہونے کا فتوے نہیں دیا جائے گا (مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ۔ ص ۱۶)۔

نظر غور سے دیکھو تو اس مقام میں حق پر پردہ ڈالنے کی سعی بلیغ کی گئی ہے کیوں کہ علامہ شامی و سید امام شہید نے نص قطعی کے خلاف میں تعامل کو ساقط عن الاعتبار قرار دیا ہے یہ بات بالکل صحیح ہے نص قطعی کے بالمقابل تعامل کوئی چیز نہیں یہ صورت مسئلہ متنازع فیہا میں نہیں ہے ایسا کون ہے جو ربا اور بیع خمویٰ طرح اذان عند المنبر کو قرار دے فاضل بریلوی بھی باریں ہمہ تخالف کراہت سے قدم آگے نہ بڑا سکے پھر نہ معلوم کیوں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی جرات کی گئی یہ واضح رہے کہ نص قطعی کے خلاف جیسا کہ تعامل ساقط عن الاعتبار ہے اسی طرح نص قطعی کے خلاف میں اجماع بھی غیر معتبر ہے لیکن مخبر صادق رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی سے معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی نص قطعی کے خلاف امت مرحوم اجماع نہ کرے گی جیسا کہ لا تجتمع امتی علی الضلالة اس سے ظاہر ہے اب اگر ہر دو علامہ کی مراد تعامل سے رواج ہے تب تو جواب بہت سہل ہے کیوں کہ رواج اور معمولی تعامل یقیناً نص کے خلاف کوئی درجہ اعتبار کا نہیں رکھتے اور اگر اجماع مقصود ہے تو بھی صحیح ہے لیکن اس صورت میں یہ قضیہ شرطیہ ہو گا جس کا مقدم حسب ارشاد نبوی ﷺ محال ہے جیسا کہ ان کا زید ہمارا کان ناہق میں ہے۔ جس کی صدا نظیریں محاورات میں ملیں گی۔ بہر حال اجماع اب بھی قطعی ربا اور مسئلہ متنازع فیہا میں یقیناً اجماع ہے نہ کہ معمولی تعامل۔ اور جہاں اجماع ہو گا وہ موافق نص قطعی ہو گا۔ لیجئے مضمون حدیث رسالت ﷺ اور ہر دو علامہ کے قول بجائے خود صحیح رہے اور فاضل بریلوی اپنے مدعا میں ناکامیاب۔ فجاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث اجماع و توارث کا مقابلہ نہیں کر سکتی

(۸) جس روایت سے فاضل بریلوی سند لائے ہیں وہ اگر درجہ صحت کو بھی

پہنچی ہوئی ہوئی تو بھی اجماع و توارث کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی نہ کہ حدیث حسن جس کے وہ خود قائل ہیں انھوں نے اپنے رسالہ وقایۃ السنۃ میں جا بجا اس کی تصریح کی ہے چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں

اس کا حاصل کمال اتفاق میں نوع قصور ہے اور اس قسم کے رواۃ جمیع دوادین اسلام و صحاح و صحیحین میں ہیں اسی بناء پر ایسوں کی حدیث صحیح سے حسن کے مرتبہ میں آئی انتہی۔ (۱)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں
المحمد للہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق ثقہ ہیں اور دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح انتہی۔ (۲)

یہاں اس حدیث کو صحیح کہہ دیا مانا کہ صحیح ہی سہی لیکن نہ تو اجماع کا مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ فاضل بریلوی کو اس سے کسی حکم کے استنباط کا حق حاصل ہے امر اول اظہر من الشمس ہے امر ثانی کے متعلق مرجع انام حقائق آگاہ حضرت مولانا مولوی محمد انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی مشہور کتاب حقیقۃ الفقہ میں تحریر فرمایا ہے

کسی حدیث سے استنباط حکم کا منصب اسکو حاصل ہو سکتا ہے کہ اس استنباط سے اس پر کیفیت اطمینانی فائز ہو جاوے اور اطمینان کے لئے تمام آیات اور تمام احادیث اور تمام اقوال صحابہ جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہے ان سب کے پیش نظر ہونے کی ضرورت ہے جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف میں لکھا ہے وثانیہما ان یجمع الاحادیث والا ثار فیحصل احکامها ویتنبہ لماخذ الفقہ ویجمع مختلفها۔ (۳)

اور امام احمد ابن حنبلؒ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ صحیح صحیح احادیث

(۱) وقایۃ اہل السنۃ عن مکروہ یوبند و الفتنہ ص ۸۰۔

(۲) ایضاً ص ۳۳۔

(۳) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مع ترجمہ اردو کشف ۷۳۔

واشار کا بہت بڑا ذخیرہ تلف ہو گیا ہے جس کی کسی قدر تشریح اوپر گزر چکی ہے یہ چند موجود حدیثیں ان لاکھوں تلف شدہ کے قائم مقام کیوں کر ہو سکتی ہیں پھر احادیث میں قابل اعتماد وہ حدیثیں ہوتی ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کا آخری قول یا فعل ہوں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال الزهري انما يؤخذ من امر رسول الله الاخر فالأخو.
جب لاکھوں حدیثیں تلف ہو گئیں تو ان احادیث و آثار کا جو آخری قول یا فعل ہونے کی وجہ سے ناخ میں تلف ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے ہاں اگر اصحاب صحاح ستہ یہ تصریح کر دیتے کہ کل صحیح حدیثیں ہمیں پہنچ گئی ہیں مگر کسی مصلحت سے ہم نے بیکار حدیثوں کو ترک کر دیا اور کام کی حدیثیں صحاح میں لکھ دیں تو ان کے اعتماد پر یہ کتنا ممکن تھا کہ تلف شدہ حدیثوں کو دین کے معاملہ میں کوئی دخل نہ تھا لیکن آج تک کسی محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ پھر ہم کیوں کر اطمینان کر لیں کہ جو احادیث تلف ہوئی ہیں ان میں کوئی پچھلی و ناخ حدیث نہیں ہے اور نہ یہ اطمینان ہے کہ محدثین نے جن احادیث کا اخراج کیا ہے ان میں کوئی منسوخ نہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے

قال أبو الدرداء كيف كان عبد الله يقرء والليل اذ يغشى قال الذكر والانثى فقال أبو الدرداء ما زال هولاء حتى كا دوا بشككوني وقد سمعتها من رسول الله ﷺ

دیکھئے اگر بخاری شریف میں کل روایتیں واجب العمل ہوتیں تو سورہ واللیل میں کوئی نہیں تو اہل حدیث تو ضرور والدہ کو الانثی پڑھتے حالانکہ وہ بھی یقیناً نہیں پڑھتے ہیں۔ اب بتائیے ایسی حدیثیں ہوتے ہوئے اس آخری دور کے عالموں کو کس طرح نفس حدیث سے اطمینانی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے البتہ اطمینان قلبی ایک طور سے پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ احادیث کا اخصار انہیں موجود احادیث میں سمجھ لیا جاوے اور باقی لاکھوں صحیح حدیثیں کان لم یکن۔ فرض کر

کی جاویں اور خیال باندھ لیا جاوے کہ نبی کریم ﷺ نے وہ ارشاد ہی نہیں فرمائیں۔ مگر یہ تصور خلاف واقع ہے اور جو اجتہاد اس خلاف واقع تصور پر متفرع ہو گا وہ بھی خلاف واقع اور باطل ہو گا۔ بہر حال اس پچھلے دور میں کسی کو یہ زبہا نہیں ہے کہ مجرد حدیث سے کوئی حکم استنباط کر سکے اس وجہ سے ہم کو سخت تعجب ہے اور تعجب کے ساتھ افسوس بھی کہ فاضل بریلوی جیسے سنی حنفی شخص نے وہ روش کیوں اختیار کی جس سے ہمیشہ دوسروں کو منع کرتے رہے اب جو فاضل بریلوی نے وقایہ اہل السنۃ میں تمام زور اس حدیث کی تصریح میں صرف کیا ہے اور کامل چھتیس (۳۶) صفحات اسی رنگ میں رنگ کر راوی حدیث محمد بن اسحق کی توثیق کی ہے اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ بہر کیف حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف اس سے استدلال نہ تو ان کا منصب ہے اور نہ آئندہ ان کو سنی حنفی ہونے کی وجہ سے اس پر مصر ہونا چاہئے ورنہ سب سے بڑھ کر ان کو الزام دینے والی خود ان کی کتابیں اور ان کی تصانیف ہوں گی۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث کا جواب

(۹) جس حدیث سے فاضل بریلوی نے استنباط کیا ہے اس کو ہم یہاں صح سند کے نقل کرتے ہیں یہ حدیث سنن ابوداؤد میں اس طرح ہے
حدثنا النفیلى ثنا محمد بن سلمه عن محمد بن اسحق عن الزهرى عن السائب بن يزيد قال قال كان يوذن بين يدي رسول الله اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر وعمر. (۱)

اس حدیث میں علی باب المسجد وارد ہوا ہے۔ اسی لفظ نے فاضل بریلوی کو استنباط پر آمادہ کیا لیکن انہیں سائب ابن یزید سے بطریق دیگر بجائے لفظ علی

باب المسجد کے علی المسجد وارد ہوا ہے جیسا کہ عینی شرح صحیح بخاری میں ہے
عن السائب بن یزید کان اذا جلس رسول الله على المنبر
اذن على المسجد.

مسجد پر اذان بالائے بام ہو یا اس کے اندر دونوں کا حکم ایک ہے۔ لیجئے
اس سے اذان داخل مسجد ثابت ہوئی صرف محمد بن اسحق اس زیادتی میں متفرد
ہیں ان کے سوا کسی نے یہ زیادتی نہیں نقل کی صحیحین میں بھی انہیں سائب
ابن یزید سے روایت ہے اور اسی پر صرف اکتفا ہے کہ
بین یدی النبی وابی بکر وعمر

راوی حدیث محمد بن اسحق ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں

اب اگر محمد ابن اسحق ثقہ ہیں تب تو ان کی زیادتی مقبول ہو گی ورنہ
رد کردی جاوے گی اور اس حدیث سے استدلال باطل ہو جاوے گا
ناظرین کی سہولت کے لئے ہم ایک نقشہ قائم کرتے ہیں جس سے معلوم
ہو جاوے گا کہ ائمہ اعلام سے کس قدر ان کے متعلق جرحیں منقول ہیں۔ وہ نقشہ
یہ ہے۔

آسمانی کتب اسمائے جارحین تشریح جرح محمد ابن اسحق (راوی الحدیث)

کتاب الضعفاء امام نسائی امام نسائی (۱) محمد ابن اسحق لیس بالقوی
محمد ابن اسحق قوی فی الحدیث نہیں ہیں
علامہ ذہبی (۲) انہ یشد اشياء وانه لیس بحجة

تذکرۃ الحفاظ

فی الحلال والحرام

محمد ابن اسحق نادر روایتیں بیان کرتے ہیں اور وہ باب حلال و حرام میں حجت
نہیں ہیں۔

تقریب التہذیب حافط ابن حجر (۳) صدوق بدلس ورمی بالتشیع والقدر
گو سچے ہیں لیکن بدلس (ایک راوی یا اس سے زیادہ کم سند سے ساقط کرنے والے)
ہیں شیعی اور قدری ہونے کی نسبت ان کے ساتھ کی گئی ہے
خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ابو زرعه (امام المحدث)

(۴) قال ابو زرعه عن مکر الحدیث

ابو زرعه کہتے ہیں کہ مکر الحدیث ہیں۔

میزان الاعتدال امام نسائی (۵) قال النسائی وغیرہ لیس بالقوی
امام نسائی کا قول ہے، قولی فی الحدیث نہیں ہیں۔

ایضاً دار قطنی (محدث) (۶) قال الدار قطنی لا یحتج به
دار قطنی کا قول ہے کہ محمد ابن اسحق قابل احتجاج نہیں ہیں۔

ایضاً ابو داود (۷) قال ابو داود قدری معتزلی
ابو داود کہتے ہیں قدری معتزلی ہیں۔

ایضاً سلیمان تیمی (۸) قال سلیمان تیمی کذاب
سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ کذاب ہیں۔

ایضاً ہشام ابن عروہ (۹) قال وہیب سمعت ہشام ابن عروہ یقول کذاب
وہیب کہتے ہیں کہ میں نے ہشام ابن عروہ کو یہ کہتے سنا کہ وہ کذاب ہیں

ایضاً امام مالک (امام دارالہجرة) (۱۰) قال وہیب سألت مالکاً عن ابن

اسحق فاتمہ

امام مالکؒ سے وہیب نے ابن اسحق کی نسبت سوال کیا امام مالکؒ نے ان کو مستم کیا۔

ایضاً امام مالک (۱۱) قال یحیٰ ابن آدم ثنا ابن ادریس قال کنت عند مالک فقیل له ان ابن اسحق یقول اعرضوا علی علم مالک فانی بیطاره فقال مالک انه دجال من لدجا لته

یحیٰ ابن آدم ادریس سے نقل کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کی حضوری میں تھا کہ کسی نے امام مالکؒ سے کہا کہ ابن اسحق یہ کہتے ہیں کہ مالکؒ کا علم میرے سامنے پیش کرو میں علم مالکؒ کا بیطار (پرکھنے والا) ہوں اس پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ بھو یہ دجالوں میں کا ایک دجال ہے۔ اب خیال فرمائے کہ امام مالکؒ جیسا چارج اور جرح ایسی سخت نہ معلوم کیوں کر اس کے بعد ان کی توثیق پر جرات ہوئی۔

ایضاً سفیان ابن عیینہ (۱۲) قال ابن عیینہ رانت ابن اسحق فی مسجد الخیف فاستعینت ان یرانی معہ احد اتهموه بالقدر سفیان ابن عیینہ لکھتے ہیں کہ ابن اسحق کو میں نے مسجد خیف میں دیکھا مجھے اس سے شرم آئی کہ کہیں کوئی مجھ کو ان کے ساتھ نہ دیکھ لے کہ لوگوں نے ان کو مستم بالقدر کیا ہے۔

ایضاً حماد بن سلمہ (۱۳) روی ابو داود عن حماد ابن سلمہ قال مارویت عن ابن اسحق الا باضطرار ابو داود حماد ابن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن اسحق سے بمجبوری روایت کی۔

ایضاً امام احمد ابن حنبل (۱۴) قال احمد ہو کثیر التذلیس حد اقیل له فاذا قال اخبرنی وحدثنی فهو ثقة قال ہو یقول اخبرنی ومخالف امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ دلس ہیں (یعنی راوی کو بیچ سے چھوڑ دیتے ہیں) اس پر امام احمد سے کسی نے کہا کہ جب وہ روایت میں اخبرنی وحدثنی تصریح کر کے کہیں پھر تو ان کی روایت مقبول ہونا چاہیے امام

احمد نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ وہ خبر فی کہ کر بھی خلاف کر جاتے ہیں (جس کا صاف یہ مطلب ہے کہ کاذب ہیں)

ایضاً ابن عدی (صاحب المسند ۱۵) قال ابن عدی کان ابن اسحق یلعب بالدیوک

ابن عدی کہتے ہیں کہ ابن اسحق مرغ باز تھے (یہ جرح خصوصیت سے ملاحظہ ہو) ایضاً مکی ابن ابراہیم (۱۶) قال الفنوی ثنامکی ابن ابراہیم قال جلست الی ابن اسحق وکان یخضب بالسواد فذکراھا دیت فی صفته فنفرت منها فلم اعد الیہ

(۱۶) مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابن اسحق سیاہ خضاب لگا یا کرتے تھے (خلاف شرع فعل ہے) انھوں نے اللہ عزاسمہ کے صفات کے متعلق ایسی باتیں بیاں کیں جن سے مجھ کو وحشت و پر اگندگی ہوئی اور پھر میں ان کے پاس نہ گیا۔ ایضاً حمید ابن حبیب (۱۷) روی عن حمید ابن حبیب انه رأى ابن اسحق

جلوداً فی القدر جلد ابراہیم ابن ہشام (الامیر)

حمید ابن حبیب سے مروی ہے کہ انھوں نے ابن اسحق کے بدن پر کورٹوں کے ضرب کے نشان پائے جو معاملہ قدر میں ابراہیم ابن ہشام نے ان پر لگوائے تھے (یہ گویا ان کے قدر یہ ہونے کی زجر ٹھیٹی تھی۔)

کتاب الضعفاء ابن الجوزی (۱۸) یحیٰ ابن سعید القطان (امام الجرح والتعديل) قال یحیٰ ابن سعید القطان ماترکت حدیثہ الا للہ . اشہد انہ کذاب

یحیٰ ابن سعید القطان کہتے ہیں کہ محمد ابن اسحق کی حدیث کو میں نے محض لوجہ اللہ ترک کیا ہے میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

(۱۹) علی ابن المدینی (امام الجرح والتعديل) کہتے ہیں کہ محمد ابن اسحق ایسے لوگوں سے باطل روایتیں کرتے ہیں جو مبہول ہیں۔

انصاف پسند حضرات کے لئے تو اسی قدر بس ہے لیکن جن کی طبائع قدرتی طور سے جدلی واقع ہوئی ہیں ان کو اس پر قانع ہونا مشکل ہے وہ ضرور اس ضراط مستقیم میں غار سخت بچانے کی کوشش کریں گے اور یہ حجت پیش کریں گے کہ

جہاں محمد ابن اسحق پر جرح کی گئی ہے وہاں ان کی تعدیل و توثیق بھی کی گئی ہے۔

محدث ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں امام مالکؒ کی جرح کی میزان الاعتدال وغیرہ میں کافی تردید ہو چکی ہے اور اسی کے ساتھ بشام ابن عروہ کی جرح کا لعدم ہو گئی اور بعض جرحیں مبہم ہیں جیسے لیس بالقوی وغیرہ اور بعض جارحین امام الجرح والتعدیل تہیں ہیں جیسے سلیمان تہی۔

لیکن فیصلہ کے بعد یہ سب جہتیں بیکار ہیں صاحب میزان الاعتدال کا فیصلہ سنئے

فالذی یظہر لی ان ابن اسحق حسن الحدیث صالح الحال صدوق وما انفرد به فیه نکارۃ فان فی حفظه شیئا ملح

یعنی تمام اقوال کی تحقیق و تنقید کے بعد یہ بات مجھ کو معلوم ہوئی کہ ابن اسحق حسن الحدیث اور نیک بخت و سچے آدمی ہیں لیکن جس روایت میں وہ منفرد اور تنہا ہوں اس میں نکارت ہوئی ہے (لہذا منکر ہوئی) کیوں کہ ان کے حافظہ میں نقصان ہے۔

صاحبو ہم کو بھی صرف اسی سے کام ہے ہم نہیں چاہتے کہ خواہ مخواہ امام مالکؒ کے مشور قول کے مطابق ان کو دجال مانیں ہماری غرض تو صرف اسی فیصلہ سے پوری ہو گئی کیوں کہ مسئلہ متنازع فیہا میں جس روایت سے سند لائی گئی ہے اس میں محمد ابن اسحق منفرد ہیں۔ جب منفرد ہوئے تو حسب فیصلہ صاحب میزان روایت ضعیف ہو گئی اور ضعیف روایت قابل احتجاج نہیں ہوتی۔ لیجئے ہمارا مقصود حاصل ہو گیا للہ الحمد

محمد بن اسحق کے بارے فیصلہ کن قول

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں محمد ابن اسحق کی نسبت ائمہ کی جرح و تعدیل نقل کر کے یہ فیصلہ دیتے ہیں۔

والذی تقرر علیہ العمل ان ابن اسحق يرجع فی المغازی والا
یام النبوة مع انه یشذباشیاء وانه لیس بحجة فی الحلال
والحرام. (۱)

یعنی اس پر عمل آٹھیرا ہے کہ محمد ابن اسحق کی طرف مغازی و عہد نبوی کی تاریخ میں رجوع کیا جائے بایں ہمہ وہ نادر روایتیں بھی ذکر کرتے ہیں (مطلب یہ کہ وہ روایتیں جو محدثین میں راجح نہیں ہیں) اور یہ کہ وہ باب حلال و حرام میں حجت نہیں ہیں۔

دیکھئے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تمام اقوال متعلق جرح و تعدیل نقل کر کے اخیر میں یہ مختصر مگر جامع فیصلہ دے دیا کہ حلال و حرام کے باب میں یہ حجت نہیں ہیں، ہمارا بھی صرف یہی مقصد تھا وہ بحمد اللہ حاصل ہو گیا۔ فاضل بریلوی نے غالباً ان فیصلوں پر نظر نہیں ڈالی انہوں نے جو ان کی نسبت تعدیل کے الفاظ دیکھے بس کیا تھا تمام اقوال نقل کر گئے اور نہ نقل کرنے والے پر خیانت کا الزام قائم کر کے اخیر میں یہ عبارت لکھ دی

الحمد للہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق ثقہ ہیں اور دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح فاضل بریلوی اگر ان ہر دو فیصلوں پر نظر ڈال لیتے تو نہ کامل (۳۶) صفحوں کی تحریر کی نوبت پہنچتی، نہ یہ عبارت ان کے قلم سے نکلتی اور نہ یہ مسئلہ ایجاد ہوتا ورنہ ایسے راوی بہت کم ہیں جن کی بالاتفاق

سب نے جرح کی ہو یا بالاجماع سب نے تعدیل کی ہو کتب اسماء الرجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص جس کی نسبت دجال ہونے کا حکم کیا گیا ہے اسی کو دوسرے صاحب امیر المومنین فی الحدیث فرما رہے ہیں اور پھر لطف یہ کہ ایک ہی شخص سے جرح بھی منقول ہے اور اسی سے تعدیل بھی ایسے مقامات میں عجب تحیر لاحق ہوتا ہے۔ کہ اب ہم ان کی نسبت کیا عقیدہ رکھیں۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطاء فرمائی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا فیصلہ ہماری مقدرت سے باہر ہے کیونکہ ہر ایک راوی کے متعلق اس قدر کثرت سے مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں کہ ہر راوی کا حال بجائے خود ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمام راویوں کے متعلق تمام اقوال کا حافظ اس طرح پر کہ ان کے جملہ حالات پر بھی مطلع ہو اور چار صین و معدلین کے حالات سے بھی واقف ہو اور جس کو ان کی جرح و تعدیل کے منشاء سے بھی واقفیت ہو ایسا شخص اس زمانہ میں کوئی ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں دیا جاویگا جب یہ ہے تو اس زمانہ کے کسی عالم کو فیصلہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے یہ حق انہیں کا ہے جو اس میدان کے مرد ہیں اور انہوں نے جو فیصلہ دیا وہ اوپر گزر چکا۔ اب ہم کو بھی چاہیے کہ ان کے فیصلہ کے موافق بطرز فاضل بریلوی کہیں کہ الحمد للہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق باب طلال و حرام میں حجت نہیں ہیں اور اس وجہ سے دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث ضعیف اور ان کا استدلال اس سے باطل و ساقط۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث سے صرف

عہد نبوی اور دور صدیقی و فاروقی کا حال معلوم ہوا

(۱۰) جس حدیث سے سند لائی گئی ہے اس سے صرف عہد نبوی ﷺ سے لے کر زمانہ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تک کا حال معلوم ہوا کہ باب مسجد پر اذان ہوتی تھی۔ اس کے بعد کا حال مبشور پردہ خفا میں ہے۔ ممکن

ہے کہ جہاں حضرت عثمانؓ کے عہد میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ایک اذان کے اضافہ ہونے سے تغیر ہوا وہاں یہ تغیر بھی کچھ بعید نہیں کہ جو اذان عہد سابق میں باب مسجد پر ہوتی تھی وہ اب قریب منبر ہو اور اس پر شاید مولانا مولوی عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ عبارت ہے جو عمدة الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ سے نقل کی جاتی ہے۔

ثم نقل الاذان الذى كان على المنار حين صعود الامام على المنبر على عهد النبىؐ و ابى بكرؓ وعمرؓ و صدر من خلافة عثمان بى يديه۔

یعنی جو اذان زمانہ نبی کریم ﷺ و صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ میں منار پر ہوتی تھی جس سے مقصود اعلام الغائبین تھا اب اس اذان کی زیادتی سے وہ تو بین یدی اللام آگئی اور اس زائد اذان نے منار پر جگہ پائی۔

اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ منار پر اذان اس غرض سے تھی کہ اعلام الغائبین ہو۔ جب اذان زائد سے غرض پوری ہو گئی تو یہ اذان جو بین یدی اللام ہوتی ہے اس سے غرض صرف اعلام للمحاضرين قرار پائی اور اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس اذان کے لئے اب خارج مسجد ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ فاضل بریلوی اور دوسرے ان کے ہم خیال حضرات نے اس پر بہت زور دیا تھا کہ اذان سے غرض اعلام الغائبین ہے جب اذان داخل مسجد ہو گئی تو وہ غرض فوت ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب پہلی اذان سے یہ بات حاصل ہو گئی تو اب دوسری اذان سے صرف یہ غرض رہی کہ حاضرین کو خطبہ سننے کے لئے متنبہ کیا جائے دیکھو حافظ ابن حجر فتح الباری میں کیا لکھتے ہیں۔

قال المهلب الحكمة في جعل الاذان في هذا المحل
ليعرف الناس بجلوس الامام على المنبر فينصتون له اذا خطب
كذا قال . وفيه نظرفان سياق ابن اسحق عند الطبرانی وغيره عن
الزهری فی هذا الحديث ان بلالا كان يوذن على باب المسجد
فالظاهر انه كان لمطلق الا علام لا لخصوص الا نصات نعم
لما زيد الاذان الاول كان للاعلام وكان الذي بين يدي الخطيب للا
نصات۔

مہلب لکھتے ہیں کہ اذان ثانی داخل مسجد ہونے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ یہ
جان لیں کہ امام کی نشست منبر پر ہو گئی ہے تاکہ اب سکوت اختیار کریں۔
دیکھئے اس سے دو نتیجے برآمد ہوئے اول یہ کہ اس اذان کا داخل مسجد ہونا
قدیم سے متواتر چلا آیا ہے کہ حافظ ابن حجر کو مہلب سے اس کی حکمت بیان
کرنے کی ضرورت پیش آئی دوسرا یہ کہ اذان انصات کی غرض سے ہے نہ کہ
اعلام للغائبین اس سے مقصود ہے۔ جب یہ ہے تو اس کا داخل مسجد ہونا ضروری
ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر نظر کرتے ہیں کہ بروایت ابن اسحق یہ امر پائے
ثبوت کو پہنچا ہے کہ بلالؓ باب مسجد پر اذان دیتے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ یہ اذان مطلق اعلام کے لئے تھی نہ خاص، کراہیات کے لئے (یہی روایت
سرمائے ناز جناب فاضل بریلوی و دیگر حضرات سے) اس کا جواب حافظ ابن حجر
صد با سال پیشتر اس طرح دیتے ہیں کہ جب اذان اول زائد ہوئی (خلافت حضرت
عثمان غنیؓ) میں تو وہ اعلام کے لئے ہو گئی اور جو بین یدی الخطیب ہوتی تھی وہ
انصات کے لئے قرار پائی۔ لیجئے تمام نزاع کا فیصلہ ہو گیا اور کسی عقد سے حل ہو
گئے۔

اول یہ کہ حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے جو عمدة الراية
میں اس اذان کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ

ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوجارجه والمسنون هو
 الثانی . جس سے فاضل بریلوی نے اپنے مفید مدعا مطلب اخذ کیا تھا اب یہ
 عبارت ہم کو مفید ہو گئی کیونکہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ
 وعہد صدیقی و فاروقی رضی اللہ عنہما میں اذان خارج مسجد دروازہ پر ہوتی تھی اور
 اعلام اللغائین کیلئے تھی لیکن عہد عثمانی میں وہ داخل مسجد ہو گئی اور انصاف کے
 لئے قرار پائی اس وجہ سے حضرت مولانا مرحوم نے دونوں صورتوں کو ذکر
 فرما کے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ گو عہد نبوی ﷺ میں یہ اذان دروازہ مسجد
 پر ہوتی تھی

(والمسنون هو الثانی) سے یہی مراد ہے لیکن عہد عثمانی میں
 جہاں زیادتی اذان اول پر اجماع ہوا وہاں اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے پر بھی
 حسب تصریح حافظ ابن حجر اجماع ہو گیا اور فقہیت الا مر علی ذلک میں
 داخل۔ اب اجماع ہوئے بعد جیسا اذان اول کو کوئی اس وجہ سے ساقط نہیں کر
 سکتا کہ یہ عہد نبوی میں نہ تھی اسی طرح اذان ثانی داخل مسجد کو بھی منع کرنے کا
 اس کو حق حاصل نہیں ہے خصوصاً فاضل بریلوی کو کیونکہ اس تعامل کو جو صدر ا
 ول سے ہوا اس کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ بارہا اس کی تصریح اپنے رسالہ
 میں کی ہے خواہ حضور انور ﷺ کے عہد مبارک میں اس کا وجود نہ ہو ورنہ اب تو
 اس اذان ثانی میں نزاع ہے پھر مساجد کی محرابوں میں بھی جگہ قائم ہو جاوے گا
 کیونکہ عہد نبوی ﷺ میں ان کا وجود نہ تھا البتہ صدر اول (زمانہ اصحاب رسول
 اللہ ﷺ و تابعین) میں ان کی بنیاد قائم ہوئی ہے اس وقت فاضل بریلوی کو یک
 نشہ دوش کا مضمون پیش آوے گا اور کچھ عجب نہیں کہ یہ رائے قائم ہوئے بعد
 محرابوں کے انہدام کی فکر کی جاوے اس وقت لطف تو جب ہے کہ مسجد جامع
 دہلی سے سلسلہ انہدام آغاز کیا جائے۔ الغرض اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اذان
 ثانی صدر اول میں ہونے کی وجہ سے حد جواز میں ہے پھر جب کہ اذان اول کی

زیادتی اور اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے پر اجماع ہو گیا اور اجماع بھی ایسا زبردست جو صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو کثرت سے حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں تھے اور توارث اور وہ بھی ایسا زبردست جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا تو اب اسکی مخالفت ممنوع ہو گئی نتیجہ صصح اخذ کرنے کے لئے تمام عبارت پر نظر ڈالنے کی اور ان کو تنقیدی نظر سے پرکھنے کی ضرورت ہے ورنہ یقیناً نتیجہ غلط نکلے گا کاش فاضل بریلوی کم از کم اسی پر نظر ڈال لیتے کہ حافظ ابن حجر ایسا وسیع النظر شخص اس کو عہد حضرت عثمان غنیؓ سے بتا رہا ہے اب اس میں کیا شبہ رہا کہ اذان داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی چلی آ رہی ہے۔

(۲) دوسرے فاضل بریلوی اور اس بارہ میں ان کے ہم خیال حضرات کا وہ خیال بھی خواب و خیال ہو گیا کہ علماء سابق نے تعامل کو دیکھ کر اس کی مسنونیت سمجھ لی اور تحقیق کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ کیا حافظ ابن حجر کو بھی ایسا ہی آپ حضرات شمار کرتے ہیں کہ جو امام فی الحدیث ہونے کے علاوہ زبردست مورخ بھی ہے

(۳) تیسرے یہ کہ محمد ابن اسمٰعیل کی روایت اسی طور پر اگر صصح مان لی جاوے تو اب کوئی حرج نہیں کیونکہ عہد نبوی ﷺ و صدیقینؓ و فاروقینؓ میں باب مسجد پر ہی اذان ہوتی تھی اور عہد عثمانیؓ میں داخل مسجد منبر کے قریب ہونے لگی اور اس پر جو اجماع ہوا وہ آج تک برابر چلا آ رہا ہے اسی وجہ سے عامہ کتب فقہ میں لفظ بین یدی الامام و عند المنبر ہے جو قرب پر وال ہے جس کی آئندہ منبر میں تحقیق ہو گی۔ لیکن حدیث بھی بجائے خود صصح یا حسن رہی اور تعامل اپنی جگہ پر حجت رہا اور مولانا عبدالحی صاحب کی بھی عبارت کا مطلب ہمارے موافق ہو گیا اور وہ شبہ بھی جاتا رہا، کہ اذان سے مقصود اعلام للفاہین ہے لہذا خارج مسجد ہونا چاہیے کیونکہ جب یہ اذان انصات کے لئے ہوتی تو وہ زعم خود بخود باطل ہو

گیا۔ اور روایات فقہیہ اور اس حدیث میں جو بظاہر تعارض تھا وہ بھی اٹھ گیا اور حضرت سائب ابن یزید کے عہد فاروقی تک اذان باب المسجد کے سلسلہ کو ختم کر دینے کا بھی راز معلوم ہو گیا اور اس سے بشارۃ النص سمجھا گیا کہ آئندہ یہ سلسلہ منقطع ہے اور اسکی صراحت حافظ ابن حجر نے کر دی جس سے تعامل کا آغاز صدر اول سے معلوم ہو گیا اور فقہاء کی وسیع النظری معلوم ہونیکے علاوہ اسکا بھی علم ہو گیا کہ توارث قدیم کو توڑنا کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے وہ ضرور کسی نہ کسی حجت شرعی پر مبنی ہوتا ہے ایسے موقع پر غیر محدود نظر اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث قابل استدلال نہیں

(۱۱) حدیث سائب ابن یزید استدلال میں اسی وقت پیش ہو سکتی ہے کہ باب مسجد سے قبلہ کا محاذی دروازہ مراد لیا جاوے لیکن اس کی نسبت ہم صاف کہتے ہیں کہ ما انزل اللہ بهذا من سلطان. کیونکہ قبلہ رخ ایک دروازہ تھا جس کے بند کرنے کے بعد عین اسکی محاذات میں شمالی دروازہ کھولا گیا جسکی نسبت علامہ سمودی مدنی تاریخ خلاصۃ الوفاء باختبار وارالمصطفیٰ میں لکھتے ہیں۔

ان المسجد الشریف جعل له ثلثة ابواب باب فی موخره الی جهة القبلة الیوم یدخل منه الی المقصورة وهذا قدس قدیم ویاہ عن یمین المصلی، وباب عن یسار القبلة فی محاذات الباب قبلہ یدخل منه للمقصورة.

یعنی مسجد شریف کے تین دروازہ بنائے گئے تھے۔ پہلا وہ دروازہ جواب قبلہ کی جانب ہے جس سے مقصورہ کی راہ تھی یہ دروازہ قدیم سے بند کر دیا گیا ہے۔ دوسرا دروازہ داہنی جانب ہے تیسرا قبلہ کے بائیں طرف بند شدہ دروازہ کے محاذی۔

اب ہم میں اور فاضل بریلوی میں صرف اس قدر نزاع رہ گئی کہ فاضل بریلوی تیسرا دروازہ مراد لیتے ہیں تاکہ اذان خارج مسجد ہو جاوے اور ہمارے

نزدیک باب مسجد سے مراد وہ دروازہ ہے جو قبلہ کی جانب ہے اور اب مسدود ہے جب تک یہ قوی احتمال قائم ہے ان کا استدلال باطل ہے مشہور مقولہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس قوی احتمال کو مولانا عبد القادر صاحب شبلی حنفی مدرس مدرسہ مسجد نبوی نے اپنے فتویٰ میں ذکر فرمایا ہے جس کے جواب میں فاضل بریلوی نے صرف اس پر قناعت فرمائی ہے

”یہ بھی مسجد ان کی سولہ جہالتوں میں سے ایک جہالت ہے۔“
 ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسے قوی احتمال کو کیوں نظر انداز کر کے ان کو جہالت کا تمغہ پہنایا گیا اب ہم ترقی کرتے ہیں کہ یقیناً مراد وہی ہے جو فاضل و محدث مدنی کے قلم سے نکلی ورنہ تمام مسجدوں کے دروازے حسب رائے فاضل بریلوی محراب کے مقابل نہ ہوتے بلکہ اس سے جانب شمال ہٹ کر منبر کے محاذی ہوتے حالانکہ عموماً تمام مساجد میں اس کے خلاف ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ فاضل بریلوی یہاں بھی وہی رواج اور تعامل کا عذر پیش کر کے خاموش نہ ہو سکے مگر پھر ایک مشکل یہ پیش آوے گی کہ کوئی بڑی مسجد دنیا میں تعمیر نہ ہو سکے اور جو تعمیر ہو گئی ہیں جیسے جامع ازہر و مسجد جامع دہلی و مسجد شاہی لاہور ان سب کی تعمیر حسب زعم فاضل بریلوی خلاف شرع ہے کیوں کہ ان مسجدوں میں خارج مسجد اذان دینے سے بین یدہی کا مفاد فاضل بریلوی کے طور پر بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اب اذان نہ غائبین کے اعلام کیلئے ہو سکتی ہے نہ حاضرین کے انصات کے لئے۔ ممکن ہے کہ فاضل بریلوی یہ تاویل کر بیٹھیں کہ ایسے موقع پر فناء مسجد میں اذان ہوگی تو اس صورت میں یہ مشکل پیش آوے گی کہ اس اذان سے مقصود حسب زعم فاضل بریلوی اعلام للغائبین تھا وہ حاصل نہ ہوا اور دوری کی صورت میں انصات للمحضرین بھی مقصود ہے شاید اپنے مفقود کو پس پشت ڈال کر فاضل بریلوی یہ فتویٰ صادر فرمادیں کہ ایسی مسجدوں میں اس حصہ فناء میں اذان ذی جاوے جو قریب والان ہونے کی وجہ سے قریب منبر ہے تو یہ کوئی جدید بات نہیں ہوئی اس کی تو تمام دنیا نے اسلام قائل ہے جیسا کہ مسجد جامع دہلی کے کلمبرہ سے ظاہر ہے کہ وہ مسجد میں داخل اور والان سے خارج قریب منبر ہے

دوسری اذان جمعہ اسی پر ہوتی ہے حالانکہ فاضل بریلوی تعامل کے صریح مخالف ہیں اور تمام اسلامی دنیا کے سامنے نئی بات پیش کرنے کے مدعی ہیں اب بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ ایسی مسجدوں کی تعمیر کو خلاف شرع قرار دیا جاوے اور ان کے انہدام کی فکر کی جاوے مناسب ہو گا اس کا رخیر کی ابتدا مسجد جامع دہلی سے کی جاوے۔ ولنعم ما قال۔ ع ان الدهر لات بالاعاجیب

فاضل بریلوی کا لفظ بین یدی اور عند کے حقیقی معنی کو ترک کرنا

(۱۲) فاضل بریلوی کا فقہی استدلال یہ ہے کہ عامہ کتب فقہیہ

میں یکرہ الاذن فی المسجد وارد ہے اور اس میں تخصیص کسی خاص اذان کی نہیں ہے لہذا جمعہ کی اذان ثانی بھی اس کلیہ میں آگئی لیکن اب فاضل بریلوی نے دیکھا کہ اذان ثانی کے متعلق عموماً یہ جملہ وارد ہے کہ اذن المودنون بین یدی الامام اور لفظ بین یدی قریب پر دال ہے تو اس کی تاویل کر ڈالی کہ یہ صرف محاذات پر دال ہے اور حضرة علیہ کے لئے اور اس پر بکثرت بزعم خود شواہد پیش کر دے اور اسکی سند میں آیات قرآنیہ کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جیسے یعلم ما بین ایدیہم وما خلفہم وغیر ذالک من الایات۔ لفظ بین یدی چھوڑ کر بعض علماء نے وہ روایتیں پیش کیں جن میں لفظ عند "ہے جیسے عنایہ فرج بدایہ میں ہے۔

لانه لو انتظر الاذان عند المنبر يفوته اداء السنة وسماع الخطبة (ثم قال بعد) وكان الطحاوی يقول المعتبر هو الاذان عند المنبر بعد خروج الامام (۱)

مجمع الانهر میں ہے لانه لو انتظر الاذان عند المنبر يفوته اداء السنة وسماع الخطبة (۲)

عالمگیری میں ہے قال الطحاوی يجب السعی ويكره البيع عند اذان المنبر (۳) حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے۔

دیکھئے ان سب کتب معتبرہ میں لفظ عند وارد ہے جس کے معنی نزد و پاس کے ہیں جن کے مفہوم میں قرب داخل ہے۔ جب یہ نظر فاضل بریلوی کی حضوری میں پیش ہوئیں تو عند اپنے معنی میں نہ رہا اور اس کے معنی بھی وہی ہو گئے جو بین یدی کے تاویلی معنی تھے اور اس پر بھی فاضل بریلوی نے آیات و نصوص جیسے عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ اور اس کے ماسوا پیش کر دیں کہ دیکھو اللہ کے نزدیک جناب نبی کریم ﷺ بھی ہیں اور صلحاء امت بھی حالانکہ دونوں کے مراتب میں یسجد فرق ہے اور دیکھو لفظ عند سب کو شامل ہے معلوم ہوا یہ قرب کے لئے خاص نہیں ہے غرض بین یدی سے کثرت شواہد میں عند بھی کم نہ رہا۔ خیر یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کا کیا جواب ہے جو عالمگیری میں ہے۔

الاصح ان کل اذان یکون قبل الزوال فهو غیر معتبر
والمعتبر اول الاذان بعد الزوال سواء کان علی المنبر او علی
الزوراء کذا فی الکافی (۱)

دیکھئے یہاں نہ تو لفظ عند المنبر ہے نہ بین یدی الخطیب تا کہ باب تاویلات کشادہ ہو یہاں تو علی المنبر ہے جو صاف قرب پر دل ہے اب ربی صحن نان سو وہ یہاں بھی ہو سکتی ہے کہ علی استواء کے لئے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ منبر پر تو اذان نہیں ہوتی بلکہ اس کے سامنے جب یہ اپنے معنی حقیقی سے تجاوز کر گیا تو ممکن بلکہ واجب ہے کہ محاذات کے معنی اس میں حلول کر گئے ہوں۔ مگر ہم ان کھنچ تانوں کے جواب دہی میں اپنا وقت عزیز نہیں ضائع کرتے ناظرین کی فطرت سلیمہ پر اس کا فیصلہ چھوڑتے ہیں۔

۱۔ عنایہ مع فتح القدیر شرح الہدایہ ص ۶۹ ج ۱

۲۔ مجمع الانہر ص ۱۷۱ ج ۱ طبع مصر۔

(۳) فتاویٰ عالمگیری ص ۱۲۹ جلد ۱

بین یدی اور عند کے حقیقی معنی

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ لفظ بین یدی و عند سے ان کے حقیقی معنی قرب کیوں سلب کر لئے گئے۔ کشاف اور مدارک میں تو بین یدی کی نسبت صاف یہ تصریح موجود ہے۔

و حقیقۃ قولہم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجہتین
المسامتین بيمينہ و شمالہ قریبا منہ۔

اسی طرح عامہ کتب تفسیر و ادب میں اس کے معنی قرب کے تحریر کئے ہیں کثرت نقل سے ہم مضمون کو دراز نہیں کرنا چاہتے ورنہ ایک کتاب اس طولانی مضمون کے لئے درکار ہے رہا لفظ عند تو اس کو قرب کے لئے نہ کہنے سے نفرت کی ہے اعتباری کا اندیشہ ہے مبسوط میں ہے کہ عند عبارتہ عنی القرب اسی وجہ سے بعض کتب فقہیہ جامع الرموز وغیرہ میں اس کی تصریح آچکی ہے کہ ان میں عند المنبر کے معنی قریباً منہ درج ہے۔ (۱)

تو اب فاضل بریلوی کو کونسا حق حاصل ہے کہ وہ احناف کو اس قرب سے دور رکھیں اور استثناء سے روکیں بے شک لا یوذن فی المسجد صحیح ہے لیکن اذان ثانی اس کلمہ سے مستثنیٰ ہے اور اس کا استثناء انہیں بین یدی و عند سے ہو گیا اب رہیں آیات و نصوص تو اس کا جواب سہل ہے کیونکہ در حقیقت لفظ بین یدی و عند قرب مکانی کے لئے موضوع ہیں اور ظاہر ہے کہ ان نصوص میں قرب مکانی نہیں مراد ہے بلکہ قرب رتبہ مقصود ہے جس کے لحاظ سے یہ ہر دو مجاز ہو گئے اور قرب رتبہ مجازی قرار پایا اور یہ بات روز روشن کی طرح تاباں ہے کہ اللہ جل جلالہ کے احاطہ علمی میں تمام عالم آگیا ہے اس قرینہ سے وہاں لفظ بین یدی میں وسعت آگئی اور لفظ عند بھی اس کے ضریک فی الوسعة

ہو گیا لیکن قصہ ختم شد۔ اتنی سی بات تھی اسے افسانہ کر دیا۔
 کس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر کسی لفظ کے کوئی حقیقی معنی بتائے جاویں تو
 وہ کبھی معنی مجازی میں مستعمل نہ ہو گا ہاں یہ امر ضروری ہے کہ جب تک
 حقیقی معنی مستعذر نہ ہوں معنی مجازی نہیں مراد ہو سکتے اور عند التعداد معنی مجازی
 پر قرینہ قائم ہونے کی صورت میں معنی مجازی کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے
 موافق حضرات علماء کا بھی یہی کہنا تھا کہ عند المنبر ویسے یدی الخطیب
 میں حقیقی معنی کی رو سے ہمارا مدعا حاصل ہو گیا اس پر فاضل بریلوی فرماتے ہیں
 کہ فلاں فلاں آیات میں تو یہ معنی مراد نہیں ہے ہم سمجھتے ہیں نہ ہو کیوں کہ وہاں
 معنی مجازی پر قرینہ قائم ہے پھر کیا اس سے اس کے معنی حقیقی ہمیشہ کے لئے
 رخصت ہو جاویں گے۔

قول فیصل (۱۴) صاحبو آوہم تم کو معتبر کتاب فقہ کی ایسی صاف
 عبارت دکھائیں جس کے بعد ہمیشہ کے لئے گفتگو کا خاتمہ ہو جاوے اور تاویلات
 کی رگ قطع کر دے، مراقی الفلاح میں ہے۔

والاذان بین یدیدہ کالا قامۃ جری بہ التوارث۔
 یعنی جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے اقامت (تکبیر) کی طرح ہو ہی پر
 توارث چلا آیا ہے یہاں اذان ثانی کی جو اقامت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس
 سے مقصود۔ بجز اس کے نہیں معلوم ہوتا کہ جیسے اقامت داخل مسجد حاضرین کے
 اعلام کے لئے ہوتی ہے اسی طرح یہ اذان ثانی بھی داخل مسجد ہونا چاہیے ورنہ کالا
 قامۃ کا لفظ بے کار ہو جاوے گا۔ ہمارے خیال میں صاحب مراقی الفلاح فقیر
 ہونے کے علاوہ ملم من اللہ بھی تھے کچھ عجب نہیں کہ انھوں نے یہ خیال کیا ہو
 کہ کوئی صاحب جدت پسند بین یدی میں تاویل کر کے مسجد سے اذان ثانی کو
 نکال باہر کریں اور اعلام للغا نیب کی صدا بلند کر کے عام کلیہ لا یوذن
 فی المسجد میں داخل کر دیں اس لحاظ سے انھوں نے کالا قامۃ کی قید بڑھا

دئی تا کہ کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہ ملے اور پھر لطف یہ کہ جبری بہ التوارث کا جملہ ارشاد فرما کے مخالفین کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کر دیا تا کہ کوئی اس کو معمولی تعامل اور رواج سمجھ کے حضرت مجدد الف ثانی و علامہ شامی کی عبارتیں پیش کرنا شروع نہ کر دے یہاں ایک ادنیٰ تاہل کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے جملہ احناف اور فاضل بریلوی کی ہمیشہ کے لئے صلح رستی مگر کیا کریں مسلمانوں کے ادھار کا دور ہی نہیں ختم ہوتا ہے آئے دن اصول چھوڑ دینے میں نزاع و تکرار رستی ہے اور اس کا سلسلہ ہے کہ برابر بڑھ رہا ہے۔

اللهم اصلح امة محمد ﷺ

آمین یا رب العالمین۔

ای بسراپردہ یثرب بخواب خیر کہ شد مشرق و مغرب خراب

کتبه العبد المسکین معین الدین الاجمیری کان اللہ
المدرس فی المدرستہ المعینیۃ العثمانیۃ جامعہ شریف

تجلیات انوار المعین

خان بریلوی کی خصوصیات

تجلیات انوار المعین

تالیف مخدوم سید خیر آبادی

حضرت علامہ مولانا معین الدین حمیری رحمۃ اللہ علیہ
صدر الدین مدرسین عثمانیہ حیدر شریف و ناظم معین حقیقہ انوار حجازی حیدر
[استاذ مکرم حضرت خواجہ قمر الدین تجارہ نشین سیال شریف]

انجمن ایشیائیہ اسلامیہ

۳۰- بی شاداب کلاں، محمد نظامی روڈ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین، والصلوة والسلام علی
خیر خلقه نبینا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین،
اما بعد، مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اعلیٰ حضرت، پیشوائے مدعیان
سنت مجدد مائتہ حاضرہ بالقلبہ المقرره نے بیٹھے ٹھائے ایک فتویٰ چھاپ دیا کہ جمعہ
کی اذان ثانی کو مسجد بدر کر دینا چاہئے گو یہ امام اعظمؒ سے براہ راست مروی نہ
سہی لیکن تھہوں (کل نے نہ سہی تو بعض) نے یہ لکھ ہی دیا ہے کہ لایوذن
فی المسجد اور حدیث میں بروایت محمد بن اسحق (گو کہ امام مالکؒ جیسے جلیل
القدر امام نے ان کو دجال اور دیگر ائمہ نے ان کو ضعیف کہا ہے) علی باب
المسجد آیا ہے۔ اس مشتبہ (بلکہ غلط در غلط) ثبوت پر دنیائے اسلام میں
انہوں نے اپنا چیخ شائع کر دیا کہ اگر کوئی ہمارا مخالف عالم دنیا کے پردہ میں رہتا
ہوتا ہے وہ میدان تحریر میں اترے مباحثہ علمیہ میں گو وہ عمدہ براہو سکتا ہے لیکن
پہلو دار گوئی و دشنام دہی میں کوئی بازی نہیں لیجا سکتا اپنے موافقین کو اھیائے
سنت کا سبز باغ دکھا کر سوشیدوں کا اجر تقسیم کر بیٹھے۔

احمد رضا خان قادیانی، چکڑالوی کے نقش قدم پر

اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا تھا کہ اس چودھویں صدی کے لوگ جبکہ ایک
پنجابی لے کے دعوائے نبوت کو ٹھنڈے دل سے سن کر اس کو تسلیم کرنے میں
عذر نہیں کرتے اور دوسرے پنجابی کی لے صد اس کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خیر باد کہہ دیتے ہیں تو چلو آؤ اس آباد حافی کے زمانہ میں خود بھی یہ
نسبت ان کے ایک سہل دعویٰ کر کے اپنی ایک ممتاز جماعت کھڑی کر لو۔ عمر
ستر سے تجاوز کر گئی دفعۃً پیغام اجل آگیا تو سارے ارمان دل کے دل ہی میں رہ

جاویں گے۔ جو وقت ہے وہ غنیمت ہے۔

شوریدہ سرو جاہل جماعت

کچھ مختصر سی بے ہنگام جماعت ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو مجدد ماننے والی سردست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بھڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑیگا یہ شوریدہ سرو متوالی جماعت ہی ہمارا رتبہ بڑھانے اور جھج پکار بچانے کے لئے کیا کم ہے۔ آخر قادیانی کا ستارہ اقبال دنیا میں چمک ہی گیا۔ علماء اس کے قبیح نہ ہوئے نہ سسی ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے تو اپنے لئے بھی سب کچھ ہولے گا۔ لوگوں کی عام حالت دیکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت کا خیال کچھ دور از کار بھی نہ تھا۔ یہ خیال جہنہ کی دیر تھی کہ بریلی سے فتویٰ شائع ہو گیا جس کا نام خود انہوں نے فتوائے مبارکہ رکھ دیا۔ اس فتویٰ میں بطور دفع دخل اصل دس سوالات کے بعد پانچ کا اور اضافہ کر کے فتوے کو مکمل کر دیا یہ اضافہ صرف جماعت علماء کے مرعوب کرنے کی خاطر کیا اور چونکہ جانتے تھے کہ اکثر اہل علم سادہ طریق سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور ریاکار قاریوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں اور خود بدولت ذرا ظہور فن قرات سے آشنا ہیں اس وجہ سے اس کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ ”ہندوستان میں کتنے عالم ہیں جو قرآن کو مخرج صحیح سے ادا کرتے ہیں“ مطلب یہ کہ ہم قاری ہیں اور یہ علماء جبکہ فن تجوید کے مطابق قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے تو ہم سے (جبکہ ہم قاری ہیں) وہ کیا حث کر سکتے ہیں اور اگر اعلیٰ حضرت کی فضیلت قرأت میں ذرا کسی نے چون و چرا کی تو پھر بے تامل تکفیر اس کے سر تعویذ دی جائیگی کہ دیکھو یہ شخص قرآن کی صحیح تلاوت کی اہمیت میں کلام کرتا ہے غرض اس قسم کے قیود بڑھا کر علماء کو مرعوب کرنا چاہا تھا۔

احمد رضا خان صاحب کا زعم باطل طشت از بام

مکر اہل حق ان باتوں سے کب مرعوب ہونے والے تھے انہوں نے مفتی

صاحب کے زعم باطل کو اسلامی دنیا میں خوب طشت از بام کیا اور چاروں طرف سے اس فتوے پر اعتراضات کی لو چھاڑ ہونے لگی۔ ایک دو عالم کی تحریر کے جواب دہی کے لئے اعلیٰ حضرت نے دم بھی مارا کہ -

ع۔ میرے کہ دم ز عشق زندہ بس غنیمت است

لیکن جب اس کا سلسلہ ان کو غیر محدود نظر آیا اور خیال فرمایا کہ یہ وہی حش ہوئی کہ -

ہر بلائے کز آسماں آید خانہ انوری کجا باشد

تو انہوں نے اپنے لئے یہ صورت تخفیف نکالی کہ فلاں رسالہ جو فلاں کے نامزد ہے یہ دراصل اس کا نہیں بلکہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے اور جو تقریری مناظرہ کے لئے آمادہ ہو اس کی نسبت چھاپ دیا کہ یہ غیر معروف ہے قابل خطاب نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی پردہ نشینی کہ آٹھ بار طلبی پر بھی

میدان مناظرہ میں نہیں آئے

علماء بدایوں نے جب تقریری مناظرہ کی بنیاد ڈالی اور ایک بار نہیں دوبار نہیں بلکہ آٹھ بار اشتہار طبع کر اگر مختلف طریقے سے اعلیٰ حضرت کو ابھارا، خطوط علیحدہ لکھے تمام جلسہ کا بار صرف اپنے ذمہ لیا جن علماء کو مدعو کرنا تھا ان کے نام تک ایک طویل اشتہار کے ذریعہ شائع کر دیئے شرائط مناظرہ ایسے قرار دیئے جو اگرچہ علماء بدایوں کے حق میں نہایت بارگراں تھے مگر اعلیٰ حضرت کے حق میں نہایت ہلکے اور خفیف پھر اس قدر اس میں سہولت کا اور اضافہ کر دیا کہ آپ بذات خاص نہ سہی آپ کے کوئی خوشہ چیں بزرگ ہی مناظرہ کے میدان میں آجائیں کہ ان پر الزام بعینہ آپ پر الزام ہو غرض جو باتیں ان ہونی تھیں وہ بھی علماء بدایوں نے مناظرہ کی خاطر اختیار کیں اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت کو غیرت پہ غیرت دلائی مگر احیائے سنت کے مدعی اعلیٰ حضرت نوشہیدوں کا اجر

تقسیم کرنے والے اعلیٰ حضرت دنیا بھر کو اپنی مجددیت منوانے والے اعلیٰ حضرت! ایک عالم کی تکفیر کرنے والے اعلیٰ حضرت مناظرہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے پر نہ ہوئے اور نہ کسی کو اپنا قائم مقام کیا کچھ دنوں کے بعد یہ مشہر کر دیا کہ جناب مولانا عبدالمتقن رحمۃ اللہ علیہ میں تو تاب مناظرہ تھی نہیں۔ وہ تو اس سے سکوت کریں اور ادھر ادھر کے غیر معروف ناقص العلم بازی بجا لیں۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے۔ ان کے مریدین نے تو یہ سنتے ہی کہا ہو گا کہ تو بہ حضور! کسی کی کیا مجال جو حضور سے ہوں کر سکے۔ حضور ایسے اور دیسے پہلے کوئی حضور کے ہم رتبہ تو ہو لے پھر کہیں مناظرہ کی ہوس کرے۔ مطلب یہ کہ نہ نومن تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔ اللہ اکبر! پہلو چانے کے کیا زبردست داؤ گھات چودھویں صدی کے مجدد نے ایجاد کئے ہیں کہ تمام عالم کی تکفیر و تقسیمی کے بعد بھی کسی کے بچنے نہ چڑھے اور گھر میں بیٹھ کر تمام میدان جیت لئے۔

علماء ہدایوں کے مقابلہ سے احمد رضا خان کا فرار

اب وہ سنئے جس کا جلوہ یہاں دکھایا کہ دعوتِ مناظرہ! پر لبیک نہ کہی اور رحمان الغیب یہ فرمادیا کہ ”القول الاظہر“ کے مصنف حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب معین الہام امور مذہبی صوبہ دکن ہیں۔ لطف یہ کہ حضرت مولانا معین الہام دامت برکاتہم اپنے ایک خط میں اس غلط انتساب کی تغلط بھی کرتے ہیں اور صاف تحریر فرماتے ہیں کہ ”مولوی معین الدین صاحب صدر مدرس معینیہ عثمانیہ اجیر شریف نے ایک رسالہ لکھ کر بغرض طبع میرے پاس پیش کیا۔ اس پر طرح یہ کہ اجلی انوار الرضا (جس کے متعلق خواب میں اعلیٰ حضرت کو بھارت ہوئی ہے کہ یہ ”القول الاظہر“ کا جواب ہے) میں بحیثیت اُس خط کو بھی نقل فرمادیتے ہیں جس میں فقرہ مذکورہ درج ہے جس کو یقین نہ ہو وہ اجلی انوار الرضا صفحہ ۶ کا مطالعہ کرے اور خوب دل کھول کر صدق و دیانت کا مرثیہ

۱۔ یہ دعویٰ بعنوان ”اعلان مناظرہ“ دو سال ہوئے کہ شائع ہو کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں

بدایب ہو چکا ہے لیکن ہم اس مذرنگ سے بھی محروم ہیں جو علماء ہدایوں کے حق میں کہا گیا۔

پڑھے کہ جب چودھویں صدی کے مجدد تک سے کافور ہو گئی تو اس کے امتی دکلہ کو جس قدر بھی اس سے عاری ہوں محل شکایت نہیں۔ اس مقام پر ناظرین کو یہ غلبان ضرور ہو گا کہ صدق و دیانت کا بلا وجہ اعلیٰ حضرت نے کیوں خون کیا اور کس مصلحت نے ان کو اس امر شنیع پر آمادہ کیا۔ اس کا خود اعلیٰ حضرت اجل الرضا میں اس طرح جواب دیتے ہیں کہ

”رسالہ ایک غیر معروف شخص کے نام سے تھا اور لوح پر صاحب ممدوح کی فرمائش سے طبع ہو تا مکتوب مجاہل یا حملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق“

مطلب یہ کہ ہم کو گو اس کا اقرار ہے کہ حضرت مولانا معین المہام دامت برکاتہم کو اس رسالہ (القول الاظہر) سے صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان کی فرمائش سے طبع ہوا نیز اس کا بھی اعتراف ہے کہ یہ رسالہ غیر معروف شخص کا مصنف ہے لیکن چونکہ مصنف مجہول یا جاہل ہے اس لئے اپنی علوشان کا لحاظ کر کے ہم جائے مصنف صاحب مطبع سے الجھنے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ معروف ہونے کے علاوہ ایک اسلامی ریاست کے رکن بھی ہیں اور ادھر ہم اعلیٰ حضرت! چلو جوڑ برابر کا ہو گیا۔ اگر یہ مطلب نہ لیا جاوے تو اعلیٰ حضرت کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہ رہے گا جو ان کے خلاف شان عالی ہے۔

بریلوی صاحب کا تقریری مناظرہ سے فرار اور صریح کذب پر اصرار اب اگر ہم کو افسوس ہے تو اس کا کہ خلق اللہ کی زبان اب بھی مدہ نہ ہوگی وہ برابر یہ کہے گی کہ اعلیٰ حضرت ہدایت کے لئے کھڑے ہوئے تھے ان کو برابر کا جوڑ تلاش کرنے سے کیا صحت ایک جاہل یا مجہول شخص طالب ہدایت اپنے جمل یا مجہولیت کے باعث کیا استفادہ کا بھی کوئی حق نہیں رکھتا۔ اور کیا مجیب دہادی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ وہ مستغفر و طالب ہدایت کو اسی وقت جواب دے یا اس سے تکلام ہو جبکہ وہ مجیب دہادی کے ہم پلہ و ہم رتبہ ہو۔ اگر روحی فداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قاعدہ کی پابندی فرماتے تو ایک کو بھی ہدایت نہ

ہوتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہسر صرف مفقود ہی نہ تھا بلکہ
قول عرفی شیرازی اس کا مصداق ہے۔

روزے کہ شمرند عدلیش ز محالات

تاریخ تولد ہو شمد عدم را

اعلیٰ حضرت نے جب احیائے سنت کا نام لیکر سو شہیدوں کا مید رافع اجر
تقسیم کرنے پر کمر باندھ لی تھی اور اس صدائے خوش کن سے کرۂ عرض میں
ایک گونج پیدا کر دی تھی تو ان کو چاہئے تھا کہ ہر ممکن طریق سے تشنگان ہدایت
کو سیراب کرتے اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جاوے جا سوالات سن کر
ساتلین کا اطمینان کرتے۔ اس کے لئے دور دراز سفر کی بھی زحمت گوارا فرماتے
خلقت کی جاوے جا سکتے چینیوں کو ٹھنڈے دل سے سنتے اور ان کے شبہات کو رفع
کر کے سب سے پیشتر سو شہیدوں کا اجر خود مول لیتے خلقت کے سخت کلمات کی
پروانہ کر کے اس کان سن اس کان اڑاتے اور صابریں کے زمرہ میں داخل ہو کر
خلق حسن کا بہترین نمونہ صفحہ دہر پر چھوڑتے۔

بارگاہ رضوی یا لکھنؤ کے مشہور کوٹھے

لیکن جائے اس کے بارگاہ اعلیٰ حضرت سے وہ درفشانی و گوہر باری ہوئی کہ
خلقت حیران ہے کہ ان کا ظہور بارگاہ رضوی سے ہوا ہے یا لکھنؤ کے مشہور
کوٹھوں سے چلے اہل علم کی حلیم جماعت اس کے لئے بھی حاضر ہے کہ اعلیٰ
حضرت کی درفشانی کی بہار دیکھے لیکن حضرت کی برائے جوڑ کا عذر کس طرح
رفع کیا جاوے۔ اب فرمائیے کہ سائل کے اطمینان کی کیا صورت؟

بریلوی صاحب کا تقریری و تحریری مناظرہ سے فرار

بالشاذہ گفتگو و تقریری مناظرہ سے ہمیشہ اعلیٰ حضرت گریز کرتے رہے
لیکن اب تحریری گفتگو کے بھی لالے پڑ گئے۔ اگر یہی تھا تو پھر اس سلسلہ کی بنیاد
ڈالنے کی کیا ضرورت تھی گھر میں بیٹھ کر جو چاہتے کرتے کوئی ہوں بھی نہ کرتا

اور نہ حضرت کو اس قدر تحریری کوفت اٹھانا پڑتی جب ہمت کر کے میدان میں آ گئے تو اب علمی اکھاڑے سے گریز کیا۔

کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد جائے جواب

”القول الاظہر“ صرف ایک فقرہ وصول ہوا

القول الاظہر کو شائع ہوئے تیسرا سال ہے اب تک اس کا جواب نہ ہو سکا اور نہ آئندہ اس کی امید، البتہ دعوت مناظرہ در سالہ ہر دو کے جواب میں کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد اعلیٰ حضرت کی سرکار سے ہم کو صرف یہ فقرہ وصول ہوا کہ مجاہل یا حملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔

اجلی انوار رضا اور انشائے مادہ ہو رام

باقی رہا رسالہ ”سو قصور معاف اگر انشائی مادہ ہو رام، تحریر ابن الہمام کا جواب ہو سکتی ہے تو اجل الرضا بھی القول الاظہر کا جواب قرار پاسکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہنوز خلقت کی عقلیں اس قدر مسخ نہیں ہوئیں کہ ایک غیر متعلق رسالہ اجل الرضا کو القول الاظہر کا غلط جواب بھی تسلیم کر لیں۔

”القول الاظہر“ اور ”اجل الرضا“ کا مقابلہ و مختصر خاکہ

ماظرین کی واقفیت کیلئے ہم دونوں رسالوں کا مختصر خاکہ کھینچتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائیگا کہ ہر دو رسالہ میں کیا تعلق ہے یقین حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر صورت نہیں کہ دونوں رسالوں کو پیش نظر رکھ کر تقابل کیا جاوے۔ اس مقابلہ کے لئے انصاف کی بھی ضرورت نہیں غیر منصف بھی ایک بار خیر ان ہو کر یہ جملہ قبول ہی دے گا کہ یہ جواب ہے یا مذاق؟

مضامین القول الاظہر

القول الاظہر میں صفحہ ۴۳ تک نہایت وضاحت کے ساتھ نفس اجماع کی تحقیق اور اس کی اہمیت تحریر کی گئی ہے۔ اسی اثناء میں اس کے حلق اعلیٰ

حضرت کے شبہات کا صرف قابل دید رد ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ان کا ایسا زبردست خاتمہ کیا کہ خود رسالہ اجل الرضا نے اپنے مصنف کے سکوت سے فائدہ اٹھا کر خلاف شہادت دیدی۔ اعلیٰ حضرت کے انہیں استنادات (جن کی رو سے اجماع کی وقعت و عظمت کم کی گئی تھی) نے اجماع کی وقعت ذہن نشین کی اور اس طرح وہ چائے ان کے مفید ہونے کے حمد اللہ ہم کو مفید ہوئے۔ صفحہ ۲۳ سے صفحہ ۳۳ تک جس ضعیف روایت کی بناء پر اعلیٰ حضرت بدعت کو مام سنت رواج دینے کے لئے کمر بستہ ہوئے تھے اس کے ایک راوی محمد بن اسحاق پر تنقید کی گئی ہے اور جن اکابر ائمہ نے ان پر جرح کی ہے ان کا حوالہ کتاب مع تشریح جرح ایک نقشہ مرتب کر کے دکھلایا ہے کہ اس کے بعد اس روایت سے استدلال معمولی شخص کا کام نہیں بلکہ مستدل کے لئے بے انتہا شوخ چٹائی و دیدہ دلیری کی بحث ضرورت ہے اسی سلسلہ میں محمد بن اسحاق کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی کا محققانہ فیصلہ درج کر کے فضول قیل و قال کا خاتمہ کر دیا۔ صفحہ ۳۴ سے صفحہ ۳۸ تک روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد بھی روشن کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کا اس سے استناد باطل۔ اسی ضمن میں حق کی تائید اس اجماع سے (جو عمد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں منعقد ہوا تھا) کر کے حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی عظمیٰ کی عبارت مندرجہ ”عمدة الراية حاشیہ شرح وقایہ“ کا مطلب ظاہر کیا گیا اور اس وجہ سے وہ عبارت ہم کو مفید اور اعلیٰ حضرت کے حق میں مضر ہو گئی۔

ح وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور ان کا کھل آیا

حسام الحرمین کا ایک تقریظ نگار بارگاہِ رضوی میں احمق و جاہل

صفحہ ۳۹ سے صفحہ ۴۰ تک اس فتوے کا خلاصہ ہے جو ایک مقدس فاضل عبدالقادر مدنی مدرس حرم شریف نبوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے قلم سے اعلیٰ حضرت کے خلاف صادر ہوا ہے یہ مفتی اجل و عی ہیں جن کو اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب حسام الحرمین میں نہایت تعظیمی الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب خلاف کی وجہ سے

بارگاہ اعلیٰ حضرت سے سوائے احمق و جاہل ان مفتی صاحب کے نصیبوں میں کچھ نہیں۔

ان الدہرلات بالاعاجیب

صفحہ ۴۱ سے صفحہ ۴۵ تک معتبر کتب احناف سے سلسلہ روایات قائم کیا جو بالاتفاق اذان اندرون مسجد پر شاہد ہیں۔ اسی ضمن میں اعلیٰ حضرت کے استدلال و تاویلات کا قلع قمع کیا اور امر حق کو ایک روشن ثبوت سے واضح کر کے رسالہ کو ختم کیا ہے۔

مضامین اجل الرضا : اب اس کے مقابلہ میں اعلیٰ حضرت کے اجل الرضا کو ملاحظہ فرمائیے۔ جس کو سوء اتفاق سے اعلیٰ حضرت نے القول الاظہر کا رد بلغ سمجھ لیا۔ اس رسالہ کی ابتدا اپنی مدح سرائی سے ہوئی ہے کہ ہم ایسے اور ویسے مطلب یہ کہ ہم احیائے سنت و اتباع ملت وغیرہ میں منتخب روزگار اور ہمارے مخالفین تحریف و خیانت و انفراد و اجل وغیرہ میں گرفتار ایک صفحہ اسی مضمون کے نذر ہو گیا دوسرے صفحہ میں حضرات علماء بدایوں و علماء رامپور کی مذمت و تنقیص سے فراغت حاصل کر کے خواہ مخواہ حضرت مولانا معین المہام مدظلہ کے سر ہو گئے۔ اس طرح اس صفحہ کا خاتمہ کر کے تیسرے صفحہ میں پھر القول الاظہر کی راگنی اس طرح گائی کہ اس کے مصنف حضرت مولانا معین المہام (حسب قرار داد اعلیٰ حضرت) نے وہ رسالہ علماء مذکورین کی طرح میرے پاس نہ بھیجا۔

بریلوی صاحب کا نامہ اعمال روشنائی سے روشن

اس کے بعد باہمی مراسلت کے قصہ کو چھیڑ کر پورے سولہ صفحے نامہ اعمال کی طرح روشنائی سے روشکر دیئے اور ان میں تمام خطوط اپنے اور حضرت مولانا کے نقل کر گئے اور ان کے ایک مضمون خط پر تنقیدات قائم کر کے رسالہ کا حجم بڑھا دیا۔ تنقیدات لکھتے لکھتے جو وفور علم نے زور کیا تو اس کی طغیانی کون فرو کرے۔ دریا کے علاطہ کا تماشا دیکھو پہلی لہر میں نیچری نمودار دوسری میں

مردی آشکار تو تیسرے میں اہل دیوبند پدیدار۔ اسی تموج میں علماء دیوبند کے کفریات کا شمار اب معنف القول الاظہر کی غیر محدود حیرانی کا اندازہ دہی کر سکتا ہے جس کو کبھی اس قسم کی بے رہی سے ساہقہ پڑا ہو۔ تفسیر کبیر کی مذمت میں بطور استہزاء کسی نے یہ جملہ کہا تھا فیہ کل العلوم الا التفسیر، یعنی اس تفسیر میں صرف تفسیر کی کمی ہے باقی جملہ علوم اس میں موجود ہیں۔ یہ قول اس تفسیر کے حق میں یقیناً غلط ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ (اجل الرضا) کی نسبت اس کو بچ کر دکھایا کہ تمام مذاہب رائج الوقت پر طعن کر گئے اور اس رسالہ کو چھو ایک نہیں جس کی تردید لکھنے بیٹھے تھے۔ لطف پر لطف یہ کہ غیر متعلق حضرات کے نام و ذکر سے اجل الرضا کو مد کر دیا اور نہ معلوم کس مصلحت سے اپنے خاص خصم کو سوائے اپنے دل کے رسالہ میں جگہ نہ دی اور اس کے صراحتاً ذکر کو اپنے لئے عار سمجھ کر صرف اشارہ کنایہ سے کام لیا کہ ہنوز وہ غیر معروف و پردہ خفا میں ہے پھر فرط عنایت و الطاف سے دوسروں کی زبان سے اس کا نام رسالہ میں نقل بھی کر دیا۔ اب تازہ مصیبت یہ پیش آئی کہ جس راز کو مخفی رکھنا چاہا تھا۔ وہ طشت ازبام ہو گیا۔ اس میں ہمارا کیا قصور۔ یہ اجنبی حضرات سے بطور خود باہمی مراسلات ہونے اور اس کے شائع کر دینے کا نتیجہ ہے۔

خط گئے پکڑے کسی کے نام کے

یہ مرے ہیں نامہ و پیغام کے

احمد رضا خان کے طالب علمانہ سوالات

البتہ ہمیں سوالات کا مست باب جو انہوں نے حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب پر اپنے ایک خط میں کھولا تھا اور جس کی نقل رسالہ (اجل الرضا) میں ہے وہ کسی قدر القول الاظہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حساب سے رسالہ بھر میں

۱۔ اشارہ جناب حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب بالقرآن مدظلہ العالی۔ ان کے خط کو اعلیٰ

حضرت نے بعینہ اپنی رسالہ میں نقل کر دیا ہے۔ اس میں معنف کے نام کی تصریح آئی ہے۔

صرف دو صفحے ہیں جن کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ مصنف اجل الرضا نے القول الاظہر کا اگر مطالعہ نہیں کیا تو اس کو خواب میں ضرور دیکھا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ یہ تعلق بھی صرف اس قدر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بجز استفادہ اور در سوال باز کرنے کے کوئی نقص یا منع وارد نہیں کیا معارضہ تو جائے خود رہا۔ اس میں نہ خالی خالی سوالات ہی سوالات ہیں جو عموماً طلبہ بطور استفادہ اپنے اساتذہ سے کیا کرتے ہیں۔ یہ ہے اجل الرضا کی کائنات کہ جو القول الاظہر کے بارہ مضامین میں سے ایک مضمون کے ایک حصہ کے ایک جز کے ساتھ سامانہ تعلق رکھتی ہے۔ اور جس کو اعلیٰ حضرت نے القول الاظہر کا رد مبلغ فرمایا اور اس کی لوح پر اس کو ثبت کرا دیا۔

اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص مشنری

اس قدر گزارش و حقیقت حال رہن کرنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت کی خاص الخاص مشنریوں سے انصاف کی توقع اس لئے نہیں کہ ان کو اعلیٰ

۱۔ اعلیٰ حضرت کے مشنری اطراف ہندوستان میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے احکام کی جاہا تبلیغ و اشاعت ان کا کام ہے۔ یہ لوگ خود علم سے محض نا آشنا ہوتے ہیں جن کی تبلیغ علم کل یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اردو رسالے اس طرح پڑھ دیں کہ فی سطر کم از کم دس جگہ غلطیاں ضرور کر جائیں لیکن علماء رباعین کی تکفیر و توہین ان کا شعار اور ان کی تحلیل و تفسیق ان کا دھار ہے۔ جس سر زمین میں جماعت عروج پر ہوتی ہے وہاں ان کے قدم خوب جمتے ہیں اور جس خطہ پاک میں علمی چراغاں ہو تا ہے اس طرف لوڑا تو یہ حضرات رخ نہیں کرتے کیونکہ گو علوم سے واقف نہ سہی لیکن اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اگر غلطی سے وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے واپسی جہاں مضامین کے باعث حمد شہید ری ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ایک مشہور فرست کلاس مشنری تو بیچھداشی ہو گئے جن کی زبان ان کے دل سے زیادہ عالم تھی۔ انہوں نے کئی بار شہید ری کے علاوہ کئی مرتبہ سزا دینی کا بھی فخر حاصل کیا تھا۔ مشنری سیکنڈ کلاس (درچہ دوم) کلکتہ میں مقیم ہیں۔ یہ بزرگ وہاں اپنی جماعت کے لال کرہ ہیں۔ آپ کی دھن کوئی منجانب سرکار و افضل جرم ہو چکی ہے۔ آپ کا جمل ہندوستان کے تمام عالموں کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے ماسوا تمام مشنری قدر کلاس ہیں۔ ان میں کے ایک مشنری اجیر شریف میں مقیم ہیں جن کو فقہ انگیزیوں و اہل علم کی غیبتوں کے لیے خدا داد فراست حاصل ہے۔ آپ کو اسلامی و علمی ریاست نوک سے شہید ری کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ بعض جمال کے (چشمہ بدور) آپ نور نظر ہیں۔

(حی الدین کان اللہ له)

حضرت کی ذات سے منافع دنیوی حاصل ہیں جن پر ان کا کارخانہ زندگی چل رہا ہے اور اس لئے وہ دنیا کے قدر شناس، عقل و علم سے پاک و مقدس ہستیاں ہر ایک قسم کے مخاطب سے آزادی جتنے کے لائق ہیں۔

بریلوی صاحب کی انوکھی روش کی تاویل

البتہ اُن کے ماسوا تمام بنی آدم کو رسالہ اجل الرضا کے غلط جواب بھی تسلیم کرنے میں نہ صرف تامل بلکہ سخت تحیر ہو گا اور کچھ عجب نہیں کہ مبادا خلاف شان اعلیٰ حضرت ان کو سوء ظنی ہو جائے جس کے انسداد کی لحاظ شان اعلیٰ حضرت نہایت ضرورت ہے اس بارے میں فقیر کا یہ خیال ہے کہ جیسا مصنفین کا عام قاعدہ ہے اعلیٰ حضرت نے چار مضامین کے لئے چار کاپیاں مخصوص کی ہوں گی۔ ایک علماء دیوبند کے رد کے لئے، دوسری علماء بدایوں و رامپور کے نامزد، تیسری حضرت معین المہام مدظلہ العالی کے جوابی خطوط کے لئے مخصوص، چوتھی القول الاظہر کے جواب کے لئے مقرر ان چاروں کے جدا جدا عنوان ان کی لوح پر ثبت کرادیئے گئے ہوں گے کہ جس کے متعلق جو مسودہ تیار ہو جاوے وہ اسی کی مخصوص کاپی میں نقل کر دیا جائے اور اس طرح جب وہ کاپی مکمل رسالہ کی شکل میں آجائے تو اس کو طبع کر دیا جائے۔ پس بہت ممکن ہے کہ تین اوّل الذکر مسودات مرتب ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت نے نقل کا حکم صادر فرما دیا ہو جس کا یہ مطلب تھا کہ یہ تین مسودے اپنی اپنی مخصوص کاپیوں میں نقل کر دیئے جاویں لیکن سوء اتفاق سے کاتب نے سوا ان تمام مسودات کو اس کاپی میں نقل کر دیا جو القول الاظہر کے جواب کیلئے مخصوص تھی جس کا ہنوز مسودہ بھی تیار نہ ہوا تھا اور بعد نقل پھر مشورہ اعلیٰ حضرت اس کو طبع کرادیا اس وجہ سے یہ انوکھی بات پیدا ہو گئی کہ لوح پر تو یہ مرقوم کہ (القول الاظہر کا رد بلغ) اور رسالہ میں دیکھو تو کہیں علماء بدایوں کا رد کہیں علماء رامپور و دیوبند کا رد کہیں حضرت مولانا معین المہام مدظلہ کے خطوط پر تنقیدی نظر، لیکن القول الاظہر کا اس میں نہ جواب نہ اس کے کسی

مضمون کی تردید نہ اس کے مصنف سے مخاطب، اس تاویل سے ناظرین کی حیرت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور ادھر بے رٹیلی کا بد نما دھبہ جو اعلیٰ حضرت کے دامن پر لگ گیا تھا، دھل گیا۔ لیکن اب اعلیٰ حضرت کو چاہئے کہ وہ کسی پر اعتماد نہ کیا کریں ورنہ آئے دن اس قسم کی بے ٹکی صورتیں پیدا ہونے سے خلقت کی نظروں میں بے وقعتی کا سخت اندیشہ ہے۔ ان سہماء کا تو کچھ بجزوے گا نہیں جو بے سوچے سمجھے، بغیر مشورہ اعلیٰ حضرت اندھا دھند ایسی حرکات کرتے ہیں کہ عادی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کی حاصل کردہ عظمت (جو تمام عمر کی جانفشانی کا نتیجہ ہے، ان کے کرتوتوں خاک میں مٹا دی گئی۔

حیرانی اور اس کا ازالہ : اس تاویل کے بعد اگر حیرانی ہے تو صرف اس قدر کہ یہ جملہ (مجاہل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) القول الا فخر سے عین طور پر تعلق ظاہر کر رہا ہے۔ سو اس کا جواب سہل ہے کہ یہ جملہ - مطلق میں آپڑی تھی سخن گسترانہ بات کے قبیل سے ہے۔ البتہ چونکہ اس فقرہ کا تعلق خاص ہماری ذات سے ہے گو کہ کسی اجنبی رسالہ میں اسطر ادا آگیا ہر اس وجہ سے ہماری تمام تر توجہ اسی پر مبذول ہو گئی کہ ہماری قسمت میں کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد رسالہ کے جواب کے بدلے صرف یہ فقرہ لکھا ہوا تھا۔ ہم اسی پر قناعت کر کے اس فقرہ کی ایسی توضیح کریں گے کہ اسی کے ضمن میں اعلیٰ حضرت کے نہ صرف ہمیں عقدے حل ہوں گے بلکہ ان کی سوانح حیات اور بعض مخصوص فضائل پر بھی کافی روشنی پڑ جائیگی اور اس لحاظ سے یہ رسالہ نہ صرف علمی ہے بلکہ ایک انجوبہ روزگار کے صحیح خاکہ ہونے کا شرف بھی اپنے اندر مضمر رکھتا ہے۔ یہ مجدد شرف اس رسالہ کو محض اس فقرہ کی بدولت حاصل ہوا اور اس لئے ہم اعلیٰ حضرت کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے وہ فقرہ لکھ کر ہم کو نہ صرف ممنون بنایا بلکہ اس خدمت پر مجبور محض کر کے تمام اہماء عصر میں ہم کو شرف امتیاز عطا۔

احمد رضا خان صاحب کے فضائل و خصوصیات

چونکہ یہ فقرہ مطلق و مبہم ہے اس کی توضیح کے لئے چند ابواب کا انعقاد ضرور، جس سے اعلیٰ حضرت کے وہ حالات جو ہنوز پردہ غلٹ و تاریکی میں ہیں منظر عام میں آجادیں گے اس وجہ سے ہر باب کو جلی سے تعبیر کرنا مناسب۔

تجلی اوّل

اس فقرہ (عجائیل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) میں دو دعویٰ ہیں۔ اوّل یہ کہ عجائیل یا جملہ سے خطاب کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دوم یہ کہ یہاں کی شان اس قدر عظیم ہے کہ عجائیل یا جملہ سے نفس خطاب موجب ننگ و عار ہے۔

بریلوی صاحب کا استکبار و علم بسیط

دوسرے دعویٰ کے متعلق صحت کی اس وجہ سے ضرورت نہیں کہ یہ جمل مرکب (توبہ توبہ) علم بسیط اعلیٰ حضرت کا مدار زندگی ہے۔ ایسی حالت میں ہم کیوں ان کے علم بسیط کا خاتمہ کر کے ان کی زندگی کا خاتمہ کریں البتہ صحت طلب پسلا دعویٰ ہے کہ ہم اپنی جہالت اور خصوصاً مجہولیت کے جرم کے باعث خطاب سے کیوں محروم کئے گئے جبکہ ٹھنڈے دل سے استفادہ کے لئے حاضر ہیں کیا اعلیٰ حضرت کے حواری سب کے سر، اعلیٰ حضرت کی طرح معروف یا عالم ہیں کہ ان سے آئے دن مخاطبہ ہو تا رہے اور ہم سے اس قدر بد کہیں کہ مخاطبہ کا نام لینا داخل جرم ہو حواریان اعلیٰ حضرت کو جرم و صریح مخاطبہ سے بھی آج تک کوئی معتد بہ فائدہ حاصل نہ ہوا لیکن ہم کو حریف ایک ہی مخاطبہ سے (جو اتفاقاً پردہ ہوا ہے) اس قدر فائدہ ہوا کہ اس کا عشر عشر بھی کسی حواری کو نہ ہوا ہو گا۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت کی خصوصیات و کمالات تاریکی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے حواریو! لو آؤ ہم تم کو اعلیٰ حضرت کے کمالات سے روشناس کرائیں تم نے ساری عمر ان کے ساتھ محبت اور مخاطبہ میں گزار دی پھر بھی ان کے کمالات سے بے خبر رہے اور ہم پر صرف ایک ہی مخاطبہ کی

بدولت تمام کمالات و خصوصیات کا انکشاف ہو گیا۔ ذلک فضل اللہ
یثوتیہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم۔

فاضل بریلوی کی تیرہ خصوصیات

خصوصیت ۱۔ مد خلاصی :

جب اعلیٰ حضرت دلائل مخالف کے جواب سے عاجز ہو جائے ہیں تو اپنی مد
خلاصی کے لئے اصل دعویٰ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اسی کو دیکھتے کہ اذان خارج مسجد پر
کس قدر زور دیا کہ اس کے اجراء پر سو شہیدوں کا اجر تقسیم کر بیٹھے اور اپنے فتویٰ
میں اس کے متعلق چھاپ دیا کہ۔

مسلمانوں خصوصاً مسجد کے متولیوں اماموں مؤذنوں کو سو شہیدوں کے
ثواب اور باریابی دربار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھارت“

اس بے سروپا دعوے کے جوش میں یہ جو ہر کمال دکھایا کہ امت محمدی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علماء بدعت و گمراہی کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور
بعض کو تفتہ تکفیر تک پہنچا دیا گیا۔ جب علماء بدایوں کا سخت وار آشکارا ہوا تو سد
الفرار صفحہ ۱۲ میں اس دعوے سے اس طرح فرار کیا۔

”دوسرا افتراء یہ کہ میں نے مجرم و یقین نسبت قطعی کی کہ زمانہ رسالت و
خلافت میں یقیناً خارج مسجد تھی حالانکہ نہ یہ الفاظ ہمارے کلام میں نہ قطع
(مجرم) کی حاجت فرعی احکام میں۔“

بریلوی صاحب نے اپنی چٹائی آپ ڈھادی

لیجئے اعلیٰ حضرت نے مد خلاصی تو کر لی مگر ساتھ ہی اس کے اپنی چٹائی آپ
ہی ڈھائی یا تو یہ شور اشوری کہ اذان خارج مسجد سنت اور اندرون مسجد بدعت،
اور یا یہ بے محنتی کہ یہ فرعی حکم ہے ہم کو اس کا یقین تو کیا جزم بھی نہیں۔ جب یہ
حالت تھی تو دنیا ئے اسلام میں یہ فتنہ کبریٰ نہ معلوم کس مصلحت سے برپا کیا
جس مسئلہ میں جزم تک حاصل نہ ہو اس کی وجہ سے فتنہ عظیم برپا کر دینا صرف

اعلیٰ حضرت کا حصہ ہے۔

(۲) القول الاظهر میں روشن دلائل سے جب یہ ثابت کر دیا کہ اذان خطبہ کے اندرون مسجد ہونے پر اجماع ہے تو ان کا جواب اعلیٰ حضرت سے نہ من پڑا اور نہ ان دلائل کا ہرہ کی زد سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر آئی اس وجہ سے طالب علمانہ سوالات کی اس طرح بنیاد ڈالی کہ ائمہ نے اجماع کی کیا تعریف فرمائی۔ اس طرح اعلیٰ حضرت کی مد خلاصی ہو گئی۔ اب حیرانی ہے تو صرف یہ کہ ہم اس کو نقض کہیں یا معارضہ۔

احمد رضا خان نقض واستفسار میں فرق نہ کر سکے

جب اعلیٰ حضرت نقض اجماع کے درپے تھے تو کوئی بات ایسی پیش کی ہوتی جس سے اجماع کا فرق یا اس کا ابطال ہو تا نہ یہ کہ طالب علمانہ سوال وارد فرما دیا کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ ائمہ نے اجماع کی کیا تعریف فرمائی۔ اس پر یہ فخر کہ میں نے نقض اجماع کے متعلق ہمسوالات کئے کیا اعلیٰ حضرت نے اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ نقض واستفسار میں فرق کر سکتے؟ یہ ہے وہ سوال جس سے سوالات کا آغاز ہوا ہے۔ اللہ فہم و علم دے اجماع کی محقق تعریف اور اس کے متعلق قدرے تفصیلی میان خصوصیت خود فراموشی و مجاہدہ میں آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مضطرب نہ ہوں۔ اب تو یہی ٹھہر گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت طالب علمانہ سوال کئے جاویں اور ہم اپنے کو جواب کیلئے وقف کر دیں۔

خصوصیت - ۲ - الزام پمالخ یلتزم:

یعنی جس امر کا مخالف کو التزام نہ ہو۔ نہ شرعاً عرفاً اس کا لزوم ہو اس کو اپنے مخالف کے سر تھوپ دینا اعلیٰ حضرت کی صفت خاصہ ہے۔ جس کا اکثر مواقع میں ظہور ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مخالف تمام علماء اذان اندرون مسجد

ہونے پر بین یدی المنبر و بین یدی الخطیب سے استدلال لاتے ہیں اور عند الباب اذان کو اس کے منافی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے سب نے بالاتفاق اس روایت کا انکار کر دیا جو بذریعہ محمد بن اسحاق مروی ہے جس میں بین یدیہ کے ساتھ علی باب المسجد آیا ہے۔ اسی مقدس طائفہ علماء میں جناب مولانا عبدالغفار خان صاحب رامپوری بھی ہیں۔ اب اعلیٰ حضرت کی ہمارے دیکھے انہوں نے اپنے مقتل کذب و کید صفحہ ۱۱ میں جناب مولوی صاحب کو الزام اس طرح دیا کہ اہل حق نے کتنا سکھایا کہ

بین یدیہ کچھ ایسے ہی قرب سے خاص نہیں کہ اذان دروازہ پر ہو تو بین یدیہ نہ رہے۔ دیکھو صحاح ستہ سے سنن ابوداؤد شریف کی صحیح حدیث میں علی باب المسجد کے ساتھ بین یدیہ موجود ہے کیا صحابی اہل زبان بین یدیہ کے معنی نہ جانتے تھے تم سمجھ۔

اسی کو الزام مسلم یلزم کہتے ہیں۔ یعنی مولوی عبدالغفار خان صاحب سرے سے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور اس کے راوی محمد بن اسحاق کو مجرد مانتے ہیں۔ اب ان پر اس روایت سے یہ الزام کہ بین یدیہ و علی باب المسجد منافی نہیں۔ طرفہ تماشا ہے وہ صاف کہہ دیں گے کہ علی باب المسجد بین یدیہ کے بالکل منافی ہے اور جس روایت میں دونوں کا اجتماع ہے وہ پایہ اعتبار سے ساقط۔

احمد رضا خان کی زبردستی

اعلیٰ حضرت کی حکومت وزبردستی ملاحظہ ہو کہ جس روایت کا انکار کر کے مولوی صاحب ہر دو میں منافات قرار دے رہے ہیں۔ آپ اسی روایت کو منافات کے ابطال میں پیش کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر عمل نزاع ہو سکتا ہے۔ اب اس کو خواہ نوع ہر تسلیم نہ کرے لیکن اعلیٰ حضرت کے خود ساختہ قانون میں یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،
(۲) القول الاظہر میں اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے پر جہاں اور

دلائل قاہرہ پیش کئے تھے وہاں مراقی الفلاح کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید کی تھی۔ والاذان بین یدیه کا لاقامتہ جری بہ التوارث جس سے داخل مسجد اذان کا نہ صرف ثبوت ہوا تھا بلکہ اس کا اجماعی ہونا مثل آفتاب روشن ہو گیا تھا اور اقامت کے ساتھ تشبیہ نے اس میں تازہ روح پھونک دی تھی اب اعلیٰ حضرت کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ ہو آپ نے جری بہ التوارث کو نظر انداز کر کے یہ سوال گھڑا کہ ہمارے فقہائے کرام نے کہیں اس اجماع کا ذکر فرمایا۔ مطلب یہ کہ گو حسب تصریح صاحب مراقی الفلاح اذان داخل مسجد متوارث سہی لیکن خاص لفظ اجماع کا انہوں نے نہیں فرمایا اور جب تک کہ لفظ اجماع کی تصریح نہ ہو ہم کو بدستور سائل رہنے کا حق حاصل اور ہمارا الزام قائم کہ مسئلہ کا اجماعی ہونا کسی کتاب سے ثابت نہ ہوا۔ حالانکہ ہم نے ثبوت اجماع کے لئے لفظ اجماع کا التزام نہیں کیا تھا نہ اس التزام کی ضرورت ہے۔

چشمِ اعلیٰ حضرت پر تعصب و جہل مرکب کا ناخنہ

کاش اگر تعصب و علم البیط کا ناخنہ چشمِ اعلیٰ حضرت سے دور ہو جائے تو ان کو صاف نظر آسکتا ہے کہ توارث روشنی میں اجماع سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس تقریر سے سوال دوم کے ساتھ ان کے سوال چہارم کا بھی خاتمہ ہو گیا جس میں اجماع کی تعریف دریافت کرنے کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ روش علم پر اس کی تطبیق بھی ارشاد۔ یہ تطبیق عبارت مراقی الفلاح سے القول الاظهر میں عرض کر دی گئی تھی کہ جس کا یہ فقرہ جری بہ التوارث اس کے لیے کافی سے بھی زائد ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی نظر عالی اس پر نہیں پڑی اور نہ اب اس کی امید۔ اللہ ان کی نظر کو بھنی کرے۔

خاصیت - ۳ - مخالطہ دینی

یہ خاصیت اعلیٰ حضرت کی تمام تالیفات کی جان اور روح رواں ہے یہ

عامۃ الورد و خصوصیت مثل مخالطہ عامۃ الورد دیگر خصوصیات کو بھی جاری ہے اس کی مثالیں آپ کی تالیفات میں بکثرت ہیں جس کے احاطہ کے لیے ایک دفتر بھی کفایت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ مجبوراً دو مثال پر اقتصار مناسب سمجھا گیا

(۱) اعلیٰ حضرت اپنے سدالفرار میں حضرات علماء بدایوں کے منہ اس طرح آتے ہیں۔

اول تو کھلا دور مضمر ہے۔ اس اذان کا حکم لاپوڈن سے خارج جاننا محکم ما اس پر موقوف کہ بین ید یہ و عند کو دخول پر دال مانیں اور ان کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ مانیں اور داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ جاننا اس پر موقوف کہ اس اذان کو حکم لاپوڈن سے خارج مانیں۔ الٹ پلٹ کر شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت کا دور بھی ماشاء اللہ تمام دوروں کا قبلہ گاہ و اعلیٰ حضرت نکلا کہ جس کے دائرہ میں تمام دنیا آگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طرح اگر ان کے دور میں وسعت نہ ہوتی تو پھر بات کیا ہوتی۔

بریلوی صاحب کا عالمگیر دور

اب ناظرین اس دور کا تماشہ دیکھیں کہ کہاں تک اس کا دور حکومت ہے۔ ہم تمام بنی آدم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے قصر شامی کی نسبت کہا کہ (اس میں کسی شخص کے جانے کی اجازت نہیں) دوسرے شخص نے یہ خبر دی کہ (سلطان قصر میں رونق افروز ہیں) اب تمام نوع بشر سے سوال ہے کہ ان ہر دو شخص کی خبریں کیا باہمی متناقض ہیں۔ یاد دور کے دائرہ میں آئی ہوئی ہیں۔ فقیر کے خیال میں انسان تو انسان حیوان کو بھی اگر نطق پر قدرت ہو جائے تو اس کا بھی یہی جواب ہو گا کہ اس میں نہ تناقض ہے نہ دور لیکن اعلیٰ حضرت کے طور پر اس میں دور ہے اس طرح کہ سلطان کا اس کلیہ (قصر شامی میں کسی شخص کے جانے کی اجازت نہیں) سے خارج جاننا اس پر موقوف کہ خبر

ثانی (سلطان قصر میں رونق افروز ہیں) کو دخول پر دال مانیں اور اس کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ قصر شاہی کو صالح دخول سمجھیں اور اس کا صالح دخول سمجھنا اس پر موقوف کہ سلطان کو اس کلیہ سے خارج جانیں۔ الٹ پلٹ کر شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ لہذا ممکن نہیں کہ حکم خبر اول سلطان کو اپنے قصر میں داخل ہونا نصیب ہو۔

اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز

دور کیوں جائے خود اعلیٰ حضرت پر بھی اس کا انطباق اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز ہوں اس وقت کوئی یہ حکم سنا دے کہ (اس وقت کوئی بیت الخلاء میں داخل نہیں ہو سکتا) دوسرا شخص یہ خبر دے کہ (اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز ہیں) یہ خبریں تمام دنیا کے نزدیک صحیح تسلیم کی جاسکتی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے طور پر اس میں دور ہے اس طرح کہ اعلیٰ حضرت کا اس کلیہ (اس وقت بیت الخلاء میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا) سے خارج جانا اس پر موقوف کہ خبر ثانی (اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز ہیں) کو دخول پر دال مانیں اور اس کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ بیت الخلاء کو صالح دخول سمجھیں اور اس کا صالح دخول سمجھنا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اس کلیہ سے خارج جانیں الٹ پلٹ کر شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی لہذا اعلیٰ حضرت دخول کی حالت میں اس مقام سے خارج اعلیٰ حضرت کے مسلک پر اجتماع نقیضین تک جائز۔ لیکن نہیں صحیح تو یہ دور جس کے ایجاد کا سربراہ خاص اعلیٰ حضرت کے سرمد ہا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی کا خاتمہ

دیکھئے یہ دور کہاں کہاں گھومتا ہے۔ اس کم فتنہ دور نے اعلیٰ حضرت کے تشخص میں بھی بد لگا دیا۔ اور ان کی اعلیٰ حضرتی کو بھی فنا کر کے رہا اس طرح کہ اگر کوئی انجان بریلی میں کہے کہ (یہاں ایک اعلیٰ حضرت رہتے ہیں جو کہ سید

ہیں) اس پر دوسرا شخص کہے کہ (یہاں کوئی اعلیٰ حضرت نہیں) تیسرا بولے کہ یہاں صرف ایک خانصاحب اعلیٰ حضرت ہیں) ہمارے طور پر یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے مسلک پر سر اسر باطل و غلط ہے کیونکہ اس میں دور ہے اس طرح کہ اعلیٰ حضرت کا اس کلیہ (یہاں کوئی اعلیٰ حضرت نہیں) سے خارج جانا اس پر موقوف کہ خبر ثانی (یہاں صرف ایک خانصاحب اعلیٰ حضرت ہیں) کو وجود اعلیٰ حضرت پر دال مانیں اور ان کے وجود ہستی پر اس کو دال ماننا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اعلیٰ حضرت کا صالح مانیں اور اعلیٰ حضرت کا صالح ماننا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اس کلیہ سے خارج جانیں۔ الٹ پلٹ کر شے اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ چلے اعلیٰ حضرتی کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احمد رضا خان صاحب کا دعویٰ درہم برہم

بلکہ اعلیٰ حضرت کے دعوے کو بھی یہ دور درہم برہم کر کے رہا اس طرح کہ لایوذن کو تمام اذانوں پر حاوی ماننا اس پر موقوف کہ بین یدیدہ کہ دخول پر دال نہ مانیں اور اس کو دخول پر دال نہ ماننا (اس پر موقوف کہ داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ نہ جانیں اور داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ نہ جانا اس پر موقوف کہ لایوذن کو تمام اذانوں پر حاوی مانیں۔ الٹ پلٹ کر شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ لیجئے اعلیٰ حضرت کا دعویٰ بھی دور کے پھیر میں آگیا۔ اعلیٰ حضرت کا چونکہ دور دورہ ہے ان کو اختیار ہے اپنے دماغ سے جس قدر چاہیں دور نکالیں کہ وہ ماشاء اللہ ان کا مخزن ہے لیکن ایسے دور کے دائرہ سے تو نکل جائیں جو کمبخت ان کے تشخص کو بھی اپنے چکر میں لا کر اس کا خاتمہ کر دے۔

بریلوی صاحب کی دیدہ و دانستہ مغالطہ دہی

اصل بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہاں صریح مغالطہ دیا ہے وہ یہ کہ

ببین یدیدہ و عند دخول پر دال ہیں اور انہیں کی دلالت پر مسجد صالح اذان ہو گئی۔ پس صلاحیت خود اس دلالت پر متفرع ہے نہ کہ اس کا موقوف علیہ۔ اعلیٰ حضرت نے متفرع و موقوف علیہ میں دیدہ و دانستہ فرق نہ کر کے عوام کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا تھا۔ لیکن مغالطہ آخر مغالطہ ہی ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اس کا پردہ فاش ہو کر رہا۔ مسجد کا اذان کے لیے صالح ہونا یا نہ ہونا ہم کو نص سے معلوم ہو گا۔ پس لفظ یمن ید بہ و عند سے اس کا صالح ہونا ظاہر ہو گیا اور ساتھ ہی اس کے یہ کہ لا یؤذن کا یہ محض ہے نہ یہ کہ نص اپنی دلالت میں صلوح کی تابع ہو۔ اس قدر واضح بات کو اعلیٰ حضرت نے کس قدر الجھایا ہے کہ العیاذ باللہ۔

اعلیٰ حضرت کی فنونِ عقلیہ سے نا آشنائی

نہ معلوم ہمارے مقدس اعلیٰ حضرت کو یہ کس نے مشورہ دیا کہ مغالطہ کے لیے خاص دور کو تجویز کریں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ایک عرصہ سے فنونِ عقلیہ کو (بزع خود) طلاق مغالطہ دے چکے۔ پس جس فن سے نا آشنائی ہو اس میں دخل دینے سے سوائے اس کے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے کسی فائدہ کی توقع نہیں۔ لہذا اعلیٰ حضرت خواہ مغالطہ دہی ترک نہ فرماویں لیکن جن فنون کی ان کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو اگر ان سے کنارہ کش رہیں تو اس میں بڑی مصلحت ہے۔ مشورہ دینے والوں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۲) القول الاظہرؑ کی اس عبارت ”تواتر اجماع کی ایک قسم ہے

۱۔ جناب مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی ایک بار اعلیٰ حضرت سے ملاقی ہوئے۔ دونوں میں باہمی گفتگو ہوئی (اعلیٰ حضرت) آپ نے کتب درسیہ بالا شعیب کہاں پڑھیں (مولانا) اکثر کتب درسیہ حضرت عبدالقادر (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں تمام کیں۔ بعض کتب عقلیہ کا استفادہ حضرت مولانا حکیم برکات احمد غلامی سے کیا (اعلیٰ حضرت) ہم نے تو فنونِ عقلیہ کو طلاق مغالطہ دے دی جب سے ان کی طرف کچھ التفات نہیں کیا (مولانا) جن فنون کو آپ نے طلاق مغالطہ دے دی ان کا حلالہ ٹوک میں ہو رہا ہے۔ اس نقطہ سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

کسی کام پر اجماع ہو گیا تو اتر نام پایا کسی فعل پر اتفاق ہو گیا اجماع کہلایا“ پر یہ سوال وارد فرماتے ہیں کہ ”یہ تقسیم و تفریف کتب معتدہ اصول میں ہے یا تازہ ایجاد۔ اگر ہے تو کہاں۔“ پھر غایت جوش میں آکر اسی کو حاشیہ میں اس طرح دہراتے ہیں۔

یہ جان بھر سے انوکھی عقل و علم سے زالی تقسیم و تفریف ”القول الاظہر“ کے صفحہ ۶ پر ہے۔

”القول الاظہر میں تو اتر و اجماع ہر دو کی عظمت شان اس طرح ظاہر کی تھی کہ اکابر صحابہ و ائمہ حتیٰ کہ جمیع امت محمدیہ کے نزدیک ان دونوں کی وقعت اس قدر ذہن نشین ہے کہ ان کے مقابلہ میں احادیث و احادیث تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ روایت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کتاب اللہ تسلیم نہیں کیا کہ اس کا ایک ایک حرف متواتر ہے۔ یہی حال اجماع کا ہے کہ وہ اجماع امت محمدی کے نزدیک ایسا ہی مقبول ہے جیسے تواتر۔ اس مقبولیت میں دونوں شریک ہیں اور یہ مقبولیت دونوں کے لیے ملوث لازم عام ہے۔“

مغالطہ دہی کے لیے عبارت میں قطع و برید کر ڈالی

یہاں اعلیٰ حضرت نے مغالطہ دہی کی خاطر صرف یہ کیا ہے کہ القول الاظہر کی اول و آخر عبارت کو ساقط کر کے پچ کا فقرہ نقل فرمادیا اور اس طرح اس شاعر کے بھائی بن گئے۔ جس نے یہ کہا ہے۔

لا تقربوا الصلوة زہمی ام بخاطر است

وزامر یاد مانده کلوا واشربوا مرا

یہاں مقصود صرف یہ تھا کہ جس طرح تواتر کے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہی حال اجماع کا ہے۔ پھر اس کے بعد ہر ایک میں باہمی مناسبت اس طور سے ظاہر کی تھی کہ ہر ایک دوسرے پر صادق بھی آتا ہے گو جانین سے صدق کلی نہ سہی اور گو بعض موارد میں اطلاعات کے اعتبار سے کچھ فرق سہی لیکن صدق

جزئی اور مواضع خاصہ میں ہر ایک کے دوسرے پر اطلاق سے ہر دو میں مناسبت تامہ ظاہر۔ اسی صدق جزئی اور مناسبت خاص کے لحاظ سے تواتر کو اجماع کی قسم قرار دے دیا گیا تھا۔ جیسے حیوان کو قسم اھل کی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ صدق کلی جانین سے مفقود اور نسبت عموم خصوص من وجہ موجود۔ بلکہ خود یہ نسبت (عموم خصوص من وجہ) اس پر صراحتاً دال کہ ہر ایک دوسرے کا مقسم بھی ہے اور اس کی قسم بھی۔ پس جب کہ حیوان باوصف بتائیں مفہوم محض صدق جزئی کی بنا پر اھل کی قسم قرار دیدیا گیا تو تواتر نے کیا قصور کیا ہے کہ اس پر اجماع کا اطلاق جرم ہو جس کو ہر قرن میں بالا اجماع امت محمدی نے نقل کیا ہو جیسے کتاب اللہ کا ایک ایک حرف۔ ہر تواتر میں گفتگو نہیں نہ ہر اجماع میں کلام۔ بعض مواد میں محض تصادق و اجتماع قسم قرار دینے کے لیے کافی۔ یہاں نہ صدق کلی کا دعویٰ تھا نہ ان دونوں کی تعریف مقصود نہ تعریف پر کوئی لفظ دال نہ خاص تواتر و اجماع شرعی میں کلام دونوں کے مشترک احکام عام طور سے ثابت کئے گئے تھے اور ہر دو کے تمام نوع ہر کے نزدیک مقبول ہونے میں گفتگو تھی جس پر القول الاظہر کی عبارت صراحتاً دال جس کا آغاز اسی مذکورہ بالا فقرہ کے بعد سے ہوا ہے کہ ”عقل کو اگر قیود مذہب سے آزادی بھی دیدی جائے تو وہ اجماع و تواتر کی پامند نظر آئے گی۔ لندن و کلکتہ کے نہ دیکھنے والوں کو بھی ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ دیکھنے والوں کو۔“

اعلیٰ حضرت نے اس عبارت کو جو اس فقرہ سے بالکل متصل تھی حذف کر کے مخالفہ کو چار چاند اس طرح لگائے کہ۔

اولاً تواتر و اجماع شرعی پر عبارت کو ڈھالا۔

ثانیاً ہم پر یہ الزام قائم کیا کہ ہم دونوں کے لوازم عامہ و احکام مشترکہ نہیں میان کر رہے ہیں بلکہ تعریف و تقسیم کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی طفلانہ کٹ جتتی

مقصود زیر بحث کی طرف سے آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر بالائی اور خارجی باتوں میں اپنے خصم کو مشغول کرنے کی بنیاد قائم کی کہ اس قسم کی طالب علمانہ کج بحثی و طفلانہ کٹ جتتی ہی میں وقت تمام ہو جائے اور اس طرح ان کے مغالطے و تلمیحات بدستور پردہ خفا میں رہیں۔

رابعاً

اس سوال و استفادہ کا نام نقص و اجماع رکھا۔ گویا آپ نے نام خدا محض ایک طالب علمانہ سوال کیا تراشاکہ دنیا کے پردہ سے اجماع اٹھ گیا اور مخالفین کے ہاتھوں سے قلم چھوٹ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اے صفت مغالطہ و عی اپنے مربی و سرپرست اعلیٰ حضرت کے جان کی خیر منا۔ ورنہ ان کے بعد تو محض لاوارث و یتیم رہ جاوے گی اور پھر تجھ کو اس طرح دنیا میں فروغ دینے والا میر نہیں آویگا۔ تو بڑی خوش نصیب ہے کہ تیرے بھانگوں ایسا قدر دان تجھ کو ملا کہ جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ آئندہ اس کی امید۔ ان کی ظل عاطفت کو غنیمت جان کر یہ تیرا دور آقبال ہے۔ پھر نہ معلوم آئندہ تیری کیا گت بنے۔

خصوصیت - ۴ بہتان طرازی

اجل الرضا میں ارشاد ہے!

صفحہ ۱۵- میں اس اجماع کے قطعی ہونے صفحہ ۲۳ میں قطعاً اجماع ہونے صفحہ ۷۳ میں اجماع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم ہونے صفحہ ۹ میں مثل اجماع اذان و صلوٰۃ ہونے کا دعویٰ ہے کہ وہ رد ہو تو کسی اجماعی مسئلہ حتیٰ کہ نماز پر اطمینان نہیں رہ سکتا۔ ان دعویوں پر دلیل کافی ارشاد ہو۔

بریلوی صاحب کی بصارت و بصیرت دونوں ضعف کا شکار

اولاً لاذکر تین سوالوں کے جوابات القول الاظهر میں شرح طور پر مذکور ہیں۔ اگر پہلی مرتبہ چشم اعلیٰ حضرت سے مخفی رہے تو ثانیاً اس پر نظر توجہ ڈالنے کی زحمت گوارا کی جاوے۔ ممکن ہے کہ باوصف ضعف بصارت نظر آجاویں بشرطیکہ بصیرت بھی اس کا ساتھ دے۔ اعلیٰ حضرت کی سولت کے لیے اس مقام پر صرف اس قدر گزارش ہے کہ براہ کرم عبارت مراقی الفلاح والاذان بین یدیدہ کالاقامۃ جاری بہ المتوارث اور خود اپنی پیش کردہ روایت (جس میں عہد شیخین رضی اللہ عنہما تک اذان علی الباب کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر کی عبارت پر (جس میں مورخانہ و محققانہ طور سے اس کا اثبات ہے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہوتی چلی آئی ہے۔ نیز اس کی بھی تصریح ہے کہ یہ عہد عثمانی سے ہے کہ جس سے عہد شیخین تک ختم سلسلہ کا بھی راز معلوم ہو گیا۔ پھر اس میں محض اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اذان اندرون مسجد کی مصلحت کا بھی میان ہے، نظر ثانی ڈالنے آپ کے تینوں عقدے اسی سے حل ہو جائیں گے۔ اور پھر ہم سے سوال و استفادہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ گو اس کی تشریح القول الاظهر میں کامل طور سے ہو چکی ہے لیکن کبر سنی کی وجہ سے جو اعلیٰ حضرت کی بصارت و بصیرت میں قدرتی طور پر اضافہ ہو گیا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تجلی دوم میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی توضیح کر دیں گے۔ اعلیٰ حضرت مضطرب نہ ہوں۔

خان صاحب کا افتراء محض

رہی یہ بات کہ اذان خطبہ داخل مسجد کو القول الاظهر میں مثل اذان و صلوة قرار دیا گیا ہے یہ محض افتراء ہے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کی اس بے ہنگام روش کے انہدام کے لیے جو تمام دنیائے اسلام کے خلاف نمودار ہوئی ہے یہ عرض کیا گیا تھا کہ۔

”اگر انہیں بعض کے مجرد قول و فتوے پر ایسے زبردست اجماع نیست و تاہم ہو سکتے ہیں تو پھر کسی اجماعی مسئلہ پر اطمینان باقی نہیں رہ سکتا۔ عام مسلمانوں پر اس کا نہایت بڑا اثر پڑے گا۔ مبادا کہیں وہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ نفس صلوٰۃ و اذان پر جو اجماع ہے کہیں یہ بھی مصنوعی نہ ہو۔ لیجئے ارادہ تو کیا تھا احیاء سنت کا اور ہو گیا یہ کہ اب فرض و واجبات کے پیچھے کی بھی خیر نہیں ہے۔“

کجا یہ بات کہ اس کا عام مسلمانوں پر بڑا اثر پڑے گا اور کجا یہ افترا کہ مثل اذان و صلوٰۃ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور پھر فرط جرات سے مطالبہ دلیل۔ لطف یہ کہ اسی کے بعد مصلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت سے اس کو اس طرح مدلل کیا تھا کہ۔

”دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مبادا جدید الاسلام قوم اسلام کو خیر باد نہ کہہ دے، خانہ کعبہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں فرمایا اور حلیم کو بدستور اس سے خارج رہنے دیا۔“

اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کو بھی وہیں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ فساد عظیم کے فرو کرنے کے لیے چھوٹا موٹا فتنہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جو یہ بھاری بھی اس کی رہبری کر رہی ہے۔ اب کہئے اس بیان سے اذان خطبہ اندرون مسجد و نفس اذان و صلوٰۃ میں فرق سمجھا جائے گا یا اعلیٰ حضرت نے جو بات دماغ سے نکالی وہ سمجھی جائے گی۔ کہ دونوں ایک ہو گئے۔ اس مقام پر صرف مسلمانوں کی عام حالت پر نظر کر کے ان کی سنت جدیدہ کا استیصال مد نظر تھا کہ اگر وہ خدا نخواستہ صحیح بھی ہو تب بھی اعلیٰ حضرت کو ایک بڑے فتنہ کا لحاظ کر کے سکوت اختیار کرنا چاہیے تھا جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

بریلوی صاحب کا حدیث پر حملہ

اگر اعلیٰ حضرت کو انصاف سے روشناسی ہوتی تو وہ اسی سے اذان خطبہ اور نفس اذان و صلوٰۃ میں فرق سمجھ لیتے کہ ان کی مختصر سنت کو فتنہ صغریٰ اور اس کی وجہ سے نفس اذان و صلوٰۃ پر اطمینان نہ رہنے کو فتنہ کبریٰ قرار دیا ہے۔ یہ ہیں

اعلیٰ حضرت کے تصرفات (العیاذ باللہ) ممکن ہے اعلیٰ حضرت یہ سمجھے ہوں کہ توجہ و لحاظ کے لیے دونوں فتنوں کا ہم رتبہ ہونا ضروری ہے۔ تو اس خیال پاک سے حدیث جاری رد ہو گئی کہ اس میں فتنوں کی برابری نہیں ہے۔

خصوصیت ۵۔ خروج ازدارہ حدیث^۱

جب اعلیٰ حضرت جواب سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں تو محو ثعنہ کو چھوڑ کر غیر متعلق مباحث کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں کہ مبادا کہیں حق ظاہر ہو جائے تو اور لینے کے دینے پڑیں۔ اعلیٰ حضرت نے جب دیکھا کہ عام طور پر کتب احناف میں بین یدی المنبر و عند المنبر و علی المنبر موجود اور انکا تراشیدہ خیال علی باب المسجد سب میں مفقود۔ ایسی بے بسی کی حالت میں اعلیٰ حضرت بجز اس کے فقہاء احناف بلکہ امام شافعی و فقہائے شافعیہ و امام احمد بن حنبل و جمیع حنابلہ کا ساتھ چھوڑ کر امام مالک کا (بزع عم خود) دم نہ مہریں تو کیا کریں۔ چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرات کرام مالکیہ اور خود ان کے امام سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے ربیع اسلام ہیں کیا ان کے خلاف کے ساتھ کوئی اجماع منعقد ہو سکتا ہے۔

لہذا الحمد اس عبارت سے اس قدر ضرور واضح ہو گیا کہ بجز امام مالک رضی اللہ عنہ و حضرات مالکیہ تمام ائمہ امام اعظم و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم و جمیع فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اذان خطبہ اندرون مسجد ہونا چاہیے۔

بریلوی صاحب کا امام اعظمؒ کی تقلید سے انحراف

اب اعلیٰ حضرت کو اذان داخل مسجد میں کیا غدر ہے جب کہ وہ حنفی ہیں اور سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص مسئلہ میں وہ مالکی ہیں یا مجتہد کہ کسی امام کی پیروی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اور اگر

خدا خواست اس مسئلہ میں بھی مقلد امام ابو حنیفہ ہیں تو پھر نہ معلوم حضرات کرام مالکیہ کا ذکر بے محل چیخنے اور دائرہ بحث سے خارج ہونے میں ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ بجز اس کے اذان خطبہ داخل مسجد پر ایسا اجماع نہیں ہے جیسا کہ نفس صلوٰۃ پر سواس کا کون قائل ہے۔ لیکن جب کہ اعلیٰ حضرت خفی ہونے کی وجہ سے ایسے مسائل پر بھی عامل ہیں کہ جن کے قائل صرف امام اعظم ہیں اور باقی ائمہ ان کو تسلیم نہیں کرتے تو اذان خطبہ داخل مسجد اس کی زیادہ تر مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے کہ اس میں حضرت امام اعظم کے ساتھ امام شافعی و امام احمد بھی ہیں۔ کیا عمل کے لیے یہ شرط ہے کہ ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع اس پر ہو ورنہ قائل عمل نہیں۔ اگر یہ ہے تو پھر اذان خارج مسجد پر بھی عامل نہ ہوا جائے کہ اس کے قائل (بزع اعلیٰ حضرت) صرف امام مالک ہیں۔

خان صاحب کی پادر ہوا باتیں

یہ گفتگو اعلیٰ حضرت کے زعم پر تھی ورنہ حضرت امام مالک و حضرات مالکیہ کا خلاف بھی قابل تسلیم نہیں جب تک کہ ان کی کتب معتبرہ سے حوالہ نہ دیا جاوے۔ پادر ہوا باتوں سے کام نہیں چلتا۔ خولی قسمت سے ہم بارگاہ تجرید میں اس قدر خوش عقیدہ بھی نہیں کہ ان کی ہر بے سند بات پر ان کے حواریوں کی طرح ایمان لے آویں۔ خصوصاً جب کہ حضرات مالکیہ کی تصریح اعلیٰ حضرت کے خلاف موجود چنانچہ شرح زر قانی مالکی میں ہے۔ سن الاذان لجماعة طلبت غیر ہا بفرض وقتی ولو جمعة صادق بالاول والثانی فان کل واحد منهما سنة والثانی او کذلانہ الذی کان بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس میں علی باب السجہ کا نام و نشان نہیں جو اعلیٰ حضرت کو مفید ہوتا۔ فاضل مدنی مولانا عبدالقادر شبلی مدرس مدرسہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی عبارت نقل کر کے اعلیٰ حضرت کے خلاف ڈگری دی تھی جس کا جواب اعلیٰ حضرت سے صرف یہ ہی پڑا کہ

”شرح ظلیل کی عبارت صاف اس کے مخالف ہے خوش فہمی سے اسے بھی نقل کر لایا۔“

اب یہ بات اعلیٰ حضرت کے سینے میں راز سرمہ کی طرح رہی کہ یہ عبارت فاضل مدنی کے خلاف کیوں ہے جب کسی طریق سے ان کے سینہ کی شرح ہوگی اس وقت یہ راز سرمہ آشکارا ہو جائے گا۔ ورنہ ان کے زبان و قلم سے امید نہیں کہ وہ اس باب میں کچھ کہے یا لکھے۔

خصوصیت ۶۔ مجادلہ ۱

یہ مفت اعلیٰ حضرت کا آخری حیلہ ہے جب دیگر مفات سے کام نہیں چلا تو پھر آخر الحیل المجادلۃ پر عمل کرتے ہیں۔ القول الاظهر میں حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کی عبارت سے اذان داخل مسجد کا روشن ثبوت پیش کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جب اپنے تمام کئے کرائے پر پانی پھرتے دیکھا اور ہر چار طرف سے اپنے کو مجبور پایا تو مجادلہ کی اس طرح بنیاد ڈالی کہ۔

ابن حجر شافعی للذہب کی عبارت سے کہ صفحہ ۳۵ میں استدلال ہے اس میں ہذا محل سے داخل مسجد کی طرف اشارہ ہے یا یمن یدی الامام کی طرف اول کی تعیین پر کیا دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت من اول (داخل مسجد) کی تعیین پر وہ عبارت دلیل ہے جو القول الاظهر میں نقل ہوئی اور آپ کی نظروں سے اوچھل رہی اور اب پھر آپ کے استفسار پر نقل کی جاتی ہے۔

وفیه نظر فان فی سیاق ابن اسحاق عند الطبرانی وغیره عن الزہری فی ہذا الحدیث ان بلا لاکان یوذن علی باب المسجد۔ دیکھئے اگر ہذا محل سے داخل مسجد کی طرف اشارہ نہ

ہوتا تو پھر یہ نظر بے محل ہوتی۔ نظر کا حاصل یہ ہے کہ داخل مسجد قریب منبر اذان ہونے کی جو حکمت مہلب نے میان کی ہے کہ لوگ منبر پر امام کا جلوس معلوم کر کے خاموش ہو جاویں یہ اس وجہ سے صحیح نہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال باب مسجد پر اذان دیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر نظر کا حاصل یہ ہونا چاہیے کہ عین یدی الامام اذان ہونے کی جو حکمت مہلب نے میان کی ہے یہ اسوجہ سے صحیح نہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال باب مسجد پر اذان دیتے تھے۔ اب کوئی اعلیٰ حضرت سے پوچھے کہ باب مسجد و داخل مسجد میں تو کھلی منافات ہے۔ اس طور پر نظر و رد معقول (لیکن عین یدی الامام و باب مسجد میں گو ہمارے طور پر منافات ہے اور اس وجہ سے اگر اشارہ عین یدی الامام کی طرف ہی تسلیم کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن آپ کے طور پر نظر معقول ہو گئی۔ اس طرح کہ مہلب کا قول بھی جائے خود صحیح اور اس پر نظر بھی صحیح کیونکہ مہلب نے اذان عین یدی الامام کی حکمت میان کی جو آپ کے طور پر باب مسجد پر بھی ممکن ہے اب اس پر یہ نظر کہ ابن اسحاق کی روایت میں تو علی باب المسجد آیا ہے مہلب کے قول کو کیا صدمہ پہنچاتی ہے۔

خان صاحب بے تکی باتیں کر کے اپنا تماشا دکھاتے ہیں

کیا علامہ ابن حجرؒ سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ اس قسم کی بے تکی نظر وارد کر کے اعلیٰ حضرت کی طرح اپنا تماشا دکھائیں۔ البتہ اگر اعلیٰ حضرت عین یدی الامام و علی باب المسجد میں منافات تسلیم کر لیں۔ اور عین یدی الامام کو دخول مسجد پر دال مائیں تو اب ہذا محل کا اشارہ عین یدی الامام کی طرف بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ خواہ اس کا اشارہ عین یدی الامام کی طرف ہو یا داخل مسجد کی جانب ان کے لیے زہر ہلاک ہے شق اول میں نظر غیر معقول شق ثانی میں ہمارا مدعا حاصل حق کی صولت اور اس کی جبر و تیت ملاحظہ ہو کہ اعلیٰ حضرت سے وہ بات استفسار کرا دی جس سے عین یدی الامام و علی باب المسجد میں منافات ظاہر ہو گئی

جس کا ان کو شدت سے انکار تھا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

القول الاظہر^۱ میں جب کہ اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے پر حافظ ان حجر عسقلانی کی عبارت سے اجماع ثابت کر دیا گیا۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے لیے جزم مجادلہ کوئی پناہ نہ تھی چنانچہ اس کا سہارا لے کر اجل الرضا میں فرماتے ہیں کہ۔

بالفرض ہو بھی (یعنی اجماع) تو اس میں اجماع صحابہ کا کوئی لفظ ہے؟ یا محض اپنے خیال پر قطعیت و یقینیت کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔

ہم کو اس کے جواب کی کیا حاجت جب کہ اعلیٰ حضرت سدالفرار میں اپنے اس قول کی اس طرح تردید فرمادیں کہ۔

اس کا ایک مزے دار جھنجلائی ادا میں جواب یہ دیا کہ فقہاء نے عام حکم دیا ہے۔ خاص اس اذان کا تو نام نہ لیا یعنی قرآن عظیم میں ہزاروں احکام بھیغہ عام ہو اگر میں مولانا کا خاص نام لے کر تو کوئی حکم نہیں۔

اب ہم بھی بطور اعلیٰ حضرت کہتے ہیں کہ اس کا ایک مزے دار جھنجلائی ادا میں جواب یہ دیا کہ ثبت الامر علی ذلک و دیگر الفاظ عامہ سے عام اجماع ثابت ہوا ہے خاص اجماع صحابہ کا تو نام نہ لیا۔ یعنی قرن اول (عمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں صدہا اجماع بھیغہ عام منعقد ہوا کریں خاص اجماع صحابہ کا نام لے کر تو کوئی اجماع نہیں۔ کیوں اعلیٰ حضرت کیسی کمی۔

اب تو خدا را حق کی طرف رجوع فرمائیے

اب تو خدا را حق کی طرف رجوع فرمائیے یا یہ ٹھہرا لی ہے کہ ہم جس پر جس طریق سے اعتراض کریں یا جواب دیں ہم کو سر اسر شایاں و زیبا۔ اور اگر یہی طریق دوسرا استعمال کرے تو سر اسر ناموزوں و بجا۔ ہاں یہ تو فرمائیے حافظ ان حجر کی اس عبارت میں نعم لما زید الاذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للانصات۔

جو اذان خطبہ کو انصات کے لیے قرار دیا گیا ہے اور اس کو زیادتی اذان پر متفرع کیا۔ یہ زیادتی اذان کیا عہد شاہجہاں و عالمگیر میں ہوئی ہے یا عہد بابر و ہمایوں میں۔ پیو اتوجروا۔

بریلوی صاحب نے جمعہ کی اذان اول ہی کا انکار کر دیا

اب تو اعلیٰ حضرت کو واضح ہو گیا۔ کہ زیادتی اذان کس عہد میں ہوئی اور کس نے اجماع کیا۔ اس پر بھی اگر سمجھ شریف میں نہ آیا ہو تو صاف سنئے کہ یہ زیادتی عہد عثمانی میں ہوئی اور اذان خطبہ جو اعلام کے لیے تھی۔ اب انصات کے لیے ہو گئی اور دونوں پر اجماع ہو گیا اور ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مشنری نہ تھے۔ بلکہ صحابہ کرام تھے جنہوں نے اجماع کیا۔ جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ اٹخ۔ اعلیٰ حضرت کے اصول پر نفس اذان اول بھی دائرہ اجماع سے نکل گئی کیونکہ اس کے لیے بھی صرف یہ جملہ وارد ہوا ہے کہ ثبت الامر علی ذلک۔ خاص لفظ اجماع صحابہ کا ذکر نہیں۔ اب جو شخص نفس اذان اول کے اجماع کو اپنے خود ساختہ قانون سے رد کر دے اس سے مسئلہ متنازعہ فیما میں کیا شکایت۔ دیکھئے اعلیٰ حضرت کی یہ بے ہنگام رفتار کیسے کیسے زبردست اجماعوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

خصوصیت ۷۔ حق پوشی ۱

القول الاظهر میں اذان خطبہ داخل مسجد کے اجماعی ہونے کا ثبوت متعدد کتابوں سے دیا تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک روشن ثبوت کتاب مراقی الفلاح سے بھی پیش کیا تھا جس کی عبارت بھر ضرورت اور نقل کی گئی۔ اعلیٰ حضرت براہ حق پوشی ان تمام عبارات کو نظر انداز کر کے صرف علامہ ابن حجر کی عبارت کو اس طرح رد فرماتے ہیں کہ۔

”یہ بھی سہی (یعنی اجماع صحابہ) تو ایک ان حجر کی نقل سے یقیناً اجماع ہوتا کیونکہ کتب اصول میں اجماع منقول احاد کا کیا حکم ہے۔

اب اس کا جواب وہ دے جس نے محض ان حجر کی عبارت پر اکتفا کیا ہو۔ اعلیٰ حضرت خواہ مخواہ ہمارے سر کیوں ہوتے ہیں جب کہ ہم نے علامہ ان حجر کی نقل و کتاب مرقی الفلاح سے اجماع کا ثبوت اور دیگر کتب مثل عالمگیری و کشف و مدارک سے اس کی تائید کی اور اب پھر تجلی دوم میں اس کی مزید تائید کے لیے حاضر رہا اجماع منقول احاد اسو اس کی نسبت بھی عامہ اصولیین کی رائے یہ ہے کہ وہ مثل حدیث احاد واجب العمل ہے گو ظنی ہی سہی۔ چنانچہ علامہ تفتازانی تلویح میں فرماتے ہیں۔

نقل الاجماع الینا قد یکون بالتواتر فیفید القطع
وقد یکون بالشہرة فیقرب منه وقد یکون بخبر واحد
فیفید الظن ویوجب العمل لوجوب اتباع الظن
بالدلائل المذكورة انہی۔

اس مقام پر اعلیٰ حضرت نے حق پوشی کے ساتھ انصاف سے بھی کام لیا۔ کہ جس مسئلہ کا ان کو علم تھا اس کا ہم سے استفسار کر کے اپنی تسلی کر لی۔

اب یہ بات اور ہے کہ جواب مسئلہ نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ اجماع منقول احاد احادیث احاد کی طرح واجب العمل ثابت ہوا۔ اس کا اذان خطبہ اندرون مسجد پر یہ اثر ہو گا کہ وہ واجب العمل ہو جائے گی جس کے نام سے اعلیٰ حضرت کو لرزہ آتا ہے۔ اس صورت میں اعلیٰ حضرت کی حق پوشی نے بھی اظہار حق کر دیا۔ قلہ الحمد ع۔ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور ان کا نکل آیا۔

قصداً اظہار حق نہ کرنے کی خان صاحب سے شکایت

اب اگر اعلیٰ حضرت سے شکایت ہے تو اس قدر کہ جس طرح بالا ضرر ار حق ان کے قلم سے نکل جاتا ہے اسی طرح اپنے اختیار سے بھی اس کا اظہار فرمایا کریں۔

خصوصیت ۸- بادبدستی

اعلیٰ حضرت سے جب کچھ نہیں پڑتا تو باد ہوائی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ جن کی سند تو درکار اس کے وعدہ کا بھی اندراج اپنے رسالہ میں نہیں کرتے اور پھر نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ایسی بے بنیاد بات کو ایسے پیرایہ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ جیسے یہ تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور جس طرح دو 'دو' چار کا انکار نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ باد ہوائی بات بھی ہے۔ اس ہمارے چھانے کے بعد یہ شاطرانہ چال چلتے ہیں کہ دیکھو اس منا پر ہمارے مخالف کا دعویٰ رد ہو گیا۔ القول الاظہر میں جب کہ عبارت فتح الباری سے اذان داخل مسجد پر اجماع ثابت کر دیا گیا تو اس کی نقض کی اعلیٰ حضرت کو صرف یہ ترکیب سوجھی کہ انہیں علامہ ابن حجر کی طرف ایک غلط اور بے سروپا بات نسبت کر کے اجماع کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں کہ۔

یہی ابن حجر اسی فتح الباری میں جو ملک مغرب کا حال لکھتے ہیں وہ اس جزئی دعوے (جمع بلاد اسلامیہ) اور صفحہ ۸ میں صریح تصریح (تمام عرب و عجم مشرق و غرب) پر کیا اثر ڈالتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سچ سچ ابن حجر نے فتح الباری کے کسی مقام میں کوئی ایسی بات اذان خطبہ کے متعلق تحریر کر دی ہے جس میں اہل مغرب کا تعامل اعلیٰ حضرت کے مطابق ہے۔

بریلوی صاحب کی ستم ظریفی

اب اس ستم ظریفی کو دیکھئے کہ آپ نے نہ فتح الباری کی کوئی عبارت نقل کی نہ اس عبارت کا خلاصہ پیش کیا نہ اتنی بڑی کتاب کی کسی جلد کا حوالہ دیا (جو کہ کامل تیسرہ جلدوں میں ہے) نہ باب و فصل سے اطلاع دی نہ صفحہ کا نشان دیا ایک اڑتی ہوئی بات ارشاد فرما کر ہم پر یہ حلال وارد فرما دیا کہ وہ آپ کے دعوے پر کیا اثر ڈالتا ہے۔ پھر یہ بھی نہیں ظاہر فرمایا کہ برا اثر ڈالتا ہے یا اچھا۔ اچھا اس کا

استفسار بھی ہم سے ہے کہ تم اس اثر کی حقیقت بیان کرو۔ ہم تو سوال کرنے کے
 دہنی ہیں۔ اجماع کا ثبوت بھی ان کا محصم دے مختلف کتب کی عبارتیں بھی انہیں
 کا محصم نقل کرے۔ اب جو انہوں نے یاد ہوائی بات پیش کی ہے اس کی جستجو بھی
 ان کا محصم ہی کرے۔ پھر اس کا مطلب بھی ان کا محصم بیان کرے۔ پھر جو اس پر
 احکام مرتب ہوں ان کا اظہار بھی ان کے محصم کے ذمہ جب تمام اہم امور کی
 انجام دہی ان کے محصم کے سپرد ہو گئی تو اب اعلیٰ حضرت کے ذمہ کیا رہا بجز اس
 کے کہ ان کا محصم ان کے منہ مانگے تمام سوالات پورے کرتا رہے اور یہ اس کی
 ایک بات بھی نہ مانیں۔

اعلیٰ حضرت نے فتح الباری کا ایک فرضی حوالہ گھڑ لیا

لطف پر لطف سمجھئے یا ستم پر ستم کہ القول الاظہر کے صفحات کا بڑے زور
 شور سے حوالہ دیا جائے جو کل تین جز کا رسالہ ہے۔ چنانچہ اس سوال میں بھی
 صفحہ ۸ کا حوالہ مرقوم ہے لیکن فتح الباری جیسی عظیم الشان کتاب کہ جو کامل
 تیرہ جلدوں میں ہے اس کے صفحہ کا نام و نشان تو دور کنار اس کی جلد تک کا حوالہ
 درج نہیں ہے۔ بلکہ نفس مضمون کے اظہار سے بھی دریغ صرف اس کا اظہار
 کہ ان حجر فتح الباری میں جو ملک مغرب کا حال لکھتے ہیں۔ اب اعلیٰ حضرت سے
 کوئی پوچھے کیا وہ ملک مغرب کا جغرافیہ لکھتے ہیں یا وہاں کی مساجد کا نقشہ لکھتے ہیں
 یا وہاں کے علماء کی سوانح عمری لکھتے ہیں یا ان کے عقائد کا حال لکھتے ہیں۔ کیا لکھتے
 ہیں اور کہاں لکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو ترکیب تو خوب سو جھی کہ چلو آؤ تم بھی اتنی بڑی کتاب کا
 اپنے اثبات مدعا میں حوالہ دیدو لیکن وہ تو اس کی عبارت نقل کرو (کیونکہ
 درحقیقت ان کے دعویٰ کے مطابق کوئی عبارت ہی اس میں نہ تھی) نہ اس کے
 مضمون سے آگاہ کرو نہ جلد و صفحہ کا نشان بناؤ ایک مبہم بات کہہ کر فتح الباری کی
 طرف نسبت کر دو اور اپنے محصم کو اس طرح الزام دو کہ اگر تم فتح الباری کی
 ایک عبارت سے استدلال قائم کرتے ہو تو ہم بھی اسی فتح الباری سے اپنے

دعوئی پر استدلال لاتے ہیں۔ اب اس کی تحقیق کون کرے گا کہ ان کے خصم نے عبارت نقل کی۔ اس کا مطلب سمجھا کر استدلال قائم کیا۔ اور یہاں صرف باد ہوائی ارشاد فرما کر مساوات کا دم مارا جو اس رمز کو سمجھیں گے وہ بغایت قلیل ہیں۔ کم فہم جملہ کی تعداد اعلیٰ حضرت کے نصیبوں ان سے بدرجہا زائد ہے وہ حضرات قوتہ متمیزہ کے ہند ان کے باعث اعلیٰ حضرت اور ان کے خصم کو ایک نظر سے دیکھیں گے اور ادھر ان کا مخالف اس مبہم بات سے مرعوب ہو جائے گا سوالگ کہ جب اعلیٰ حضرت فتح الباری کا حوالہ دیتے ہیں تو کیس نہ کہیں اس کی تیرہ ضخیم جلدوں میں کسی مقام پر علامہ ابن حجر نے ان کے موافق کچھ ذکر ہی کیا ہوگا۔ ورنہ کیوں تحریر کرتے۔ اگر یہی منظور تھا تو اعلیٰ حضرت ابہام کو اس سے زیادہ وسیع کرتے اور اس طرح فرماتے کہ (انہیں ابن حجر بلکہ امام ابو یوسف و امام محمد و امام غزالی و امام رازی و شمس الامتہ سرخسی وغیرہم نے اپنی بعض معتبر کتابوں میں جو ایک بات لکھی ہے وہ آپ کے اس جزی دعوے پر کیا اثر ڈالتی ہے) تو اور لطف دو بالا ہو کر باعث مسخکہ ہوتا۔

لطیفہ

اعلیٰ حضرت کے اس تقابل کی صرف ایک نظیر ہم کو دستیاب ہوئی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ لطیفہ ایک خوش بیان شاعر کی ملاقات ایک زباں دراز جاہل سے ہوئی اور ان دونوں میں باہمی اس طرح گفتگو ہوئی۔

(شاعر) تم کون ہو۔

(جاہل) تم کون ہو۔

(شاعر) میں شاعر ہوں۔

(جاہل) میں مار ہوں۔

(شاعر) مار کس کو کہتے ہیں۔

(جاہل) شاعر کس کو کہتے ہیں۔

(شاعر) شاعر اس کو کہتے ہیں جو شعر کہے۔

(جاہل) مائرا اس کو کہتے ہیں جو میر کہے۔

(شاعر) میر کیا چیز ہے۔

(جاہل) شعر کیا چیز ہے۔

(شاعر) شعر یہ ہے جیسے۔

رفقہ تو شرمندہ کند بکب درمی را

(جاہل) میر یہ ہے جیسے۔

مرمد تو مرمندہ کند مرم مری را

غرض جو بات شاعر کہتا گیا جاہل بھی اسی طریق سے جواب دیتا رہا۔ اب رہا موزونیت و اہمال کا فرق سو اس سے قدرتی طور پر جاہل بسکدوش تھا۔ اس کو تو مقابلہ مد نظر تھا جس میں وہ پورا اترتا۔

اعلیٰ حضرت ایک جاہل کی تقلید میں

اعلیٰ حضرت پر اس مسئلہ کی وجہ سے جو مشیائے کرام کامل نے وہابیت و غیر مقلدی کا الزام لگایا ہے وہ فقیر کے خیال میں غلط ہے۔ اعلیٰ حضرت مقلد ضرور ہیں۔ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہ کی تو کیا ہوا۔ مسئلہ تقابل میں ایک جاہل کی تقلید کیا حضرت امام اعظم کی تقلید کا کفارہ نہیں ہو سکتی؟

بریلوی صاحب کو اذان میں صرف اہل مغرب کا سہارا ملا

اعلیٰ حضرت کی خاطر ہم ان کی مہم اور باد ہوائی بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ اب بھی اعلیٰ حضرت کو سوائے ضرر کچھ نفع نہ ہوا۔ کیونکہ علامہ ابن حجر کی تحریر سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ صرف ملک مغرب میں اذان باب مسجد پر ہوتی ہے۔ باقی تمام بلاد اسلامیہ میں اس کے خلاف عمل ہے۔ اب اگر یہ مخالف ہے تو صرف القول الاظہر کی ایک عبارت کے نفس مقصود پر اس کا کیا اثر ہو جو صرف اس قدر ہے کہ سواد اعظم اس طرف ہے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہو۔ یہ قول علی بن ابی سلمیٰ الترمذی بھی

مقابلہ آپ کے اختراع کے مرجع رہا نہ کہ مکروہ و بدعت جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ کیا مکروہ و بدعت کی یہ شان ہوتی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے اہل مغرب کا سہارا لیا جائے جن کا حال بھی معلوم نہیں کہ وہ حنفی ہیں یا مالکی۔ اعلیٰ حضرت سے بعد عجز التماس ہے کہ فتح الباری کی اس عبارت کو ضرور پیش فرما دیں جس میں اہل مغرب کا حال ہے۔ تاکہ اس سے مستفید ہو کر نیاز مند کو اظہار رائے کا موقع ملے۔

خصوصیت ۹۔ کج بحثی ۱

جو اب سے عاجزی کے وقت اس حربہ خاص کا بھی استعمال اعلیٰ حضرت بھڑت کرتے ہیں۔ القول الاظہر میں کتب معتبرہ سے اذان خطبہ داخل مسجد کا اجماعی ثابت کرنے کے بعد ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ اذان تمام بلاد اسلامیہ و شرق و غرب میں بھی داخل مسجد ہوتی ہے اور اس پر یہ قرینہ قائم کیا گیا تھا کہ کسی سے کہیں اس کے خلاف مسموع نہیں ہوا۔ خصوصاً جب کہ اطلاع احوال کے ذرائع اس زمانہ میں بھڑت ہیں اور عموماً ہر شہر میں سولت سفر کی وجہ سے مختلف ممالک کے باشندے موجود ہیں۔ ایسی حالت میں محال عقلی نہ سہی تو محال عادی ضرور ہے کہ اذان بیرون مسجد محض رہتی۔ کسی نہ کسی ذریعہ سے اس کا علم ہو ہی جاتا۔ اس پر ناظرین اعلیٰ حضرت کی کج بحثی ملاحظہ فرمادیں جو اجل الرضا کے صفحہ ۲۰ میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ۔

کسی کتاب معتد میں تصریح ہے کہ یہ اذان جمیع بلاد اسلامیہ میں داخل مسجد ہوتی ہے۔

اسی کے متعلق سوال چار دہم میں یہ ارشاد ہے۔

اگر کسی کتاب میں نہیں تو یہ دعویٰ روایت کی طرف مستند ہے یعنی تمام بلاد اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور خود ملاحظہ فرمایا۔ یا روایت کی جانب یعنی تمام

جہان کے ہر اسلامی شہر سے خیر معتمد شرعی آئی۔ جو کچھ ہو بیان فرما دیں اور سر دست دنیا بھر کے سب اسلامی شہروں کے نام ہی ارشاد ہو جاویں۔

بریلوی صاحب کے نزدیک صوم و صلاۃ حج و زکوٰۃ بھی اجماعی نہیں لیجئے اعلیٰ حضرت نے اپنی اس کج بحثی سے انکار بدہیات کا بنیادی پتھر نصب کر دیا اور ہزار ہا بدعتی دعویٰ کے انکار کی شاہراہ کھول دی۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر نفس اذان کے متعلق بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہوتی ہے کیونکہ آپ کی فلاسفی جو ایک قسم کی سیفی ہے اس پر اس طرح چلے گی کہ یہ دعویٰ رویت کی طرف مستند ہے یا روایت کی جانب اور دونوں غلط کیونکہ نہ کسی نے تمام شہر دیکھے نہ تمام شہروں سے خبر آئی نہ عام طور پر کسی کو تمام اسلامی شہروں کے نام یاد۔ لہذا یہ دعویٰ غلط کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اذان ہوتی ہے۔ اور یہ تو کسی کام نہ نہیں ہے کہ یہ کہے کہ تمام فقہی کتابوں میں نفس اذان کی کیفیت درج ہے اور اس کے خلاف کہیں مسموع نہیں ہوا۔ اس وجہ سے حکم عام صحیح ہے کیونکہ یہی عذر ہم نے اذان خطبہ میں کیا تھا تو کیا پھل کھایا بجز اس کے کہ بارگاہ تجدید میں مسموع ہوا اور اس پر اس طرح مطالبہ ہوا کہ اگر اپنے دعویٰ کی صحت چاہتے ہو تو تمام شہروں کے چکر لگاؤ یا کم از کم تمام شہروں کے نام گناؤ یہی ان کی سیف صلوٰۃ و صوم و حج و زکوٰۃ ارکان اسلام پر بیدار بخ چل سکتی ہے۔

بریلوی صاحب کی شان تجدید

دیکھئے شان تجدید اس کو کہتے ہیں کہ اگر کسی اجماعی مسئلہ کے انکار پر قتل جائیں تو جب تک تمام اجماعوں کا خاتمہ نہ کر لیں ان کو جہنم نہ آوے ورنہ پھر مجدد و غیر مجدد میں فرق ہی کیا ہے۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ لو

خصوصیت ۱۰- خلاف بیانی

القول الاظهر میں اجماع امت کے خلاف راہ چلنے والے کی نسبت اس سے استناد تھا کہ من شذ شذ فی المنار۔ چونکہ اذان خطبہ داخل مسجد اجماعی مسئلہ ہے اس کے مخالف کو بھی اس وعید کے دائرہ میں رکھا تھا۔ اعلیٰ حضرت کسی وجہ سے خلاف بیانی کو باعث فلاح سمجھ کر اجل الرضا صفحہ ۲۰ میں ارشاد فرماتے ہیں صفحہ ۹، ۱۷ پر فرعی مسئلہ کو بھی من شذ شذ فی المنار میں داخل فرمایا۔ کیا ائمہ معتدین بھی اختلاف فقہی کو اس کا مصداق مانتے ہیں؟ ہاں تو کہاں؟ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اگر اذان داخل مسجد اختلافی مسئلہ تھا تو اس کو اپنے خصم کے سر کیوں تھوپا۔ ہاں یہ جو آپ نے اجماع پر بیس نقص وارد کیے ہیں اس سے کس کی تردید مقصود ہے اس مسئلہ کے اجماعی ماننے والے کی یا کسی اور کی۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کو کون سمجھائے کہ آپ کا مخالف اس مسئلہ کے اجماعی ہونے کا قائل۔ آپ اسی ما پر اجماع کو تاپید کرنے کی غرض سے ہمیں سوالات کے تراشنے والے۔ آپ کا مخالف انہی تراشیدہ سوالات کا آپ کی خوبی قسمت سے جواب دینے والا۔ پھر آپ کو کیا حق ہے کہ غلط نسبت کر کے یہ الزام قائم کریں کہ دیکھو ہمارا مخالف اس مسئلہ کو اختلافی مان کر بھی ہم کو من شذ الخ میں داخل کرتا ہے۔ اور پھر اس پر نہایت جرات و بیباکی سے مطالبہ دلیل ہم نے اختلاف فقہی کو نہ اس کا مصداق جانا نہ محل مانا۔ اجماعی مسئلہ کے منکر کو من شذ کا مورد بنایا۔ آپ کو اگر اس کے اجماعی ہونے میں کلام ہے تو شوق سے اس کا اجماعی ہونا باطل کیجئے۔ گو بے سروپا بیانات ہی سے سہی لیکن خدا را یہ ستم ظریفی تو نہ کیجئے کہ جوابات آپ کا مخالف نہ کہے اس کو بھی اس کے سر تھوپے۔ فرض کیجئے تحقیق کی رو سے اذان داخل مسجد اجماعی نہیں لیکن جس کے زعم میں وہ اجماعی ہے (گو یہ زعم غلط ہی سہی) وہ اس مسئلہ کے منکر کو قطعاً من شذ شذ کی وعید میں

داخل کرے گا۔ اس کی اگر غلطی ہے تو صرف یہ کہ غیر اجماعی مسئلہ کو اجماعی تسلیم کر لیا۔ نہ یہ کہ منکر اجماع کو اس کا وعید میں داخل کرنا بھی غلطی ہے۔

بریلوی صاحب کا صریح اقرار کہ مسئلہ متنازعہ فیہا فرعی ہے

اس پر ایک عالم کی تفسیق و تکفیر

البتہ اعلیٰ حضرت نے اس سوال میں خود اقرار کر لیا کہ اذان خطبہ داخل مسجد ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اب اعلیٰ حضرت سے ان کی روش پر سوال ہے کہ ائمہ معتمدین بھی اختلاف فقہی و فرعی مسئلہ کو بدعت و خلاف سنت کا مصداق بتاتے ہیں؟ ہاں تو کہاں ہوا تو جردا۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت کے سوالات نقض اجماع کے متعلق۔ سبحان اللہ۔

خصوصیت ۱۱۔ افتراء و تحریف

القول الاظہر میں انعقاد اجماع کے موقع پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس کے لیے اجماع و اتفاق مجتہدین شرط ہے۔ ایک مجتہد کا خلاف بھی اجماع کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس مجتہد کا خلاف۔ خلاف جمہور ضرور ہے۔ لیکن خلاف اجماع نہیں کیونکہ اس کے خلاف سے شرط انعقاد اجماع کا فقدان ہو گیا۔ البتہ اجماع کے منقہ ہوئے پیچھے پھر کسی کا خلاف معتبر نہیں لیکن ہنوز انعقاد اجماع ہی نہیں ہوا۔ جب کہ ایک مجتہد کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اس کو القول الاظہر میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا تھا کہ جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی سلسلہ میں بطور حکمت و نکتہ کے یہ بیان کر دیا گیا تھا کہ مجتہد کے خلاف کا عموماً یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے لاکھوں متبعین مثل اس کے اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اب اس کا یہ مطلب سوائے اعلیٰ حضرت کے کون سمجھ سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے یہ

خلاف صرف اس وجہ سے کیا کہ ان کو اس کا علم ہو گیا تھا کہ لاکھوں لوگ اس مسئلہ میں ہمارے قبیح ہو جائیں گے۔ القول الاظہر میں عدم انعقاد اجماع کا اصلی سبب اس مخالف مجتہد کا اجتہاد قرار دیا گیا تھا جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ غیر مجتہد کا خلاف اس باب میں بالکل بے اثر ہے نہ یہ کہ مجتہد کی غیب دانی عدم انعقاد کا باعث ہوئی ہے۔ اب اجل الرضا کی ہمار دیکھئے۔ صفحہ ۲۰ میں ارشاد ہے۔

ائمہ مجتہدین نے جن مسائل فرعیہ میں جمہور کا خلاف فرمایا کیا انہیں معلوم تھا کہ لاکھوں لوگ اس مسئلہ میں ہمارے قبیح ہو جائیں گے۔ کیا اس علم کی انہوں نے تصریح فرمائی یا غیب پر حکم ہے۔

پھر سوال مفہم میں اس طرح ارشاد ہے۔ بالفرض انہیں یہ معلوم بھی ہو تو کیا گناہ شدید جس پر حدیث میں دوزخ کی وعید ہو اس خیال پر جائز ہو جاتا ہے کہ آگے چل کر لوگ اس میں ہمارے ساتھی ہو جائیں گے۔

بریلوی صاحب کی روشن تحریف

جی یہ تو جائز نہیں لیکن افتراء تحریف کا جواز آپ کو کہاں سے معلوم ہوا جس پر آپ نے اپنی تالیفات کی بنیاد رکھی ہے۔ دیکھئے القول الاظہر میں صاف موجود ہے کہ جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اتنی روشن بات کے سمجھنے سے آپ کیوں قاصر رہے۔ اور اگر خدا نخواستہ فہم عالی میں اس کا مطلب آ گیا تھا تو پھر دیدہ و دانستہ آپ نے یہ سوال کیوں گھڑا کہ ائمہ مجتہدین نے جن مسائل فرعیہ میں اختلاف فرمایا۔ اعلیٰ حضرت من۔ اجماع کے خلاف میں گفتگو تھی اور اس کا ابطال کیا جا رہا تھا۔ اور خلاف جمہور کا جواز مجتہدین کے حق میں ظاہر کیا تھا۔ اور ان کے خلاف کو اجتہاد کے باعث عدم انعقاد اجماع کا موجب بنایا تھا۔ اور اس کی حکمت بطور تمہید ظاہر کر کے غیر مجتہد کے خلاف کو باب انعقاد اجماع میں بے اثر ثابت کیا تھا۔

اعلیٰ حضرت اپنے افتراء کے کھل جانے کے خوف سے
بے دریغ عبارت ہی ہضم کر گئے

آپ نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ ہم مجتہدین کے حق میں بھی خلاف جمہور
جائز نہیں رکھتے اور اگر جائز رکھتے ہیں تو اس شرط پر کہ ان کو پہلے سے اپنے لاکھوں
مجتہدین کا علم غیب ہو جائے۔ فرمایا یہ القول الا ظہر کی کس عبارت کا مطلب
ہے۔ عبارت نقل کرنے میں چونکہ افتراء کی حقیقت کھل جاتی ہے اس وجہ سے
اعلیٰ حضرت نے اس کے ہضم کرنے میں دریغ نہیں کیا۔

اسی سے سوال ہند ہم کی بھی حقیقت کھل گئی۔ دوزخ کی وعید اس کے لیے
ہے جو اجماع کا خلاف کرے۔ نہ اس مجتہد کے حق میں جس کے جمہور کے ساتھ
خلاف کرنے سے اجماع ہی سرے سے منعقد نہ ہو۔ اور اس وجہ سے مجتہد کو
خلاف کے وقت کسی خیال قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ غیب دانی کی حاجت
نہ القول الا ظہر میں ان کے خیال قائم کرنے کے متعلق کوئی تصریح۔ البتہ
چونکہ مجتہدین کے شرف و اجتہاد نے ان کو غیر مجتہدین کے گروہ سے ممتاز کر
دیا اور دونوں کے احکام جدا جدا ہو گئے۔ اس امتیاز کی حکمت و علت ہم نے بیان
کر دی۔ اگر کسی وجہ سے آپ کو یہ حکمت پسند نہیں تو جانے دیجئے نفس تحقیق
میں کیا فرق آیا۔

اعلیٰ حضرت نے اس مقام میں صرف اس قدر تصرف کیا کہ حکمت امتیاز کو
جو ایک علیحدہ بات تھی مجتہدین کا خیال قرار دے دیا اور اس طرح گھال میل کر
کے اس سے وہ نفس مطلب برآمد کیا جس کی تفصیل آپ کے ان دو سوالوں میں
ہے۔ (زہے اعلیٰ حضرتی)۔

خصوصیت ۱۲۔ خود فراموشی ل

بریلوی صاحب کا اپنے کو اکابر صحابہ ائمہ مجتہدین کے ہم پلہ سمجھنا
اعلیٰ حضرت اپنی شان و مرجہ کو فراموش کر کے صحابہ کرام و ائمہ مجتہدین

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اپنی ذات کو قیاس کر بیٹھنے کے بے حد عادی ہیں۔
چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۲۰ پر مر قوم ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تطبیق رکوع 'سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کثر' سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عدم نقض وضو بانوم 'سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انداء مسئلہ استحباب میں جمہور کا خلاف کیا۔ ان تمام صحابہ کرام اور ان کے امثال عظام کو معاذ اللہ شدائی اللہ کا مصداق مانا سہیت ہو سکتا ہے۔"

جی یہ تو سنیت نہیں ہے لیکن اپنے کو مجتہدین جلیل القدر صحابہ کے برابر سمجھنا ضرور سنیت ہے۔ اعلیٰ حضرت من 'القول الاظهر میں آپ کو کس قدر وضاحت کے ساتھ فہمائش کی گئی تھی کہ خلاف جمہور و خلاف اجماع میں فرق ہے۔ ان مجتہدین حضرات کا خلاف 'خلاف جمہور ہے۔ اور آپ اجماع کا خلاف کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا روم کے اس شعر۔

کد پا کاں را قیاس از خود معیر

گرچہ باشد در نو سخن شیر شیر

سے آپ کو تنبیہ بھی کی گئی تھی۔ لیکن آپ برابر اپنے کو اعلیٰ حضرت ہونے کی وجہ سے اب بھی قیاس سے باز نہیں آئے۔ تو پھر فرمائیے آپ کی فہمائش کا اصلی طریق کیا ہے؟

کتب اصول میں کبھی بحث اجماع پر نظر غلط ہی ڈال لی ہوتی

آپ نے کتب اصول میں کبھی بحث اجماع پر نظر غلط ہی ڈالی ہوتی تو آپ سمجھ لیتے کہ اہل اصول نے اجماع میں ہر کس و نا کس کو دخل نہیں دیا ہے۔ بلکہ اتفاق جملہ مجتہدین عصر کو شرط انعقاد قرار دیا ہے۔ جس کے دائرے میں تمام مجتہدین آگئے۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مجتہد کا خلاف بھی اجماع کے عدم انعقاد کے لیے کافی ہے۔ اب اس کے بعد اس نتیجہ تک پہنچنے میں کیا دشواری ہے کہ اس مجتہد کا خلاف خلاف اجماع نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وعید میں

داخل ہو۔ بلکہ خلاف جمہور ہے۔ جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ہر عامی و مدعی اجتہاد کو یہ حق حاصل ہو۔ اسی طرح اذان داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی چلی آ رہی ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ چودھویں صدی کے کسی مولوی صاحب کے خلاف سے یہ اجماع درہم برہم ہو جائے۔ گو کہ وہ اعلیٰ حضرت ہی کیوں نہ ہوں۔

اعلیٰ حضرت کا یہ عذر ہے کہ محل جلیل القدر صحابہ و ائمہ اربعہ و دیگر مجتہدین میرا خلاف بھی اجماع امت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ اور محل ان کے صرف میرا خلاف بھی خلاف جمہور تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر مجھ کو کوئی من شذ فی النار کی وعید میں داخل کرے گا۔ تو پھر میں تمام اکابر صحابہ کو شذ فی النار کے مصداق ماننے کے لیے بالکل کمر بستہ ہوں اور اگر صحابہ کو ان کے اجتہاد کے باعث اس وعید سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ تو پھر میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے جو باد صف اعلیٰ حضرت ہونے کے بھی مستثنیٰ نہ سمجھا جاؤں اگر صحابہ درجہ صحابیت اور ائمہ مرجہ امامت پر فائز ہوں تو میں اعلیٰ حضرت ہوں۔ چلو برابر ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت کا یہ عذر صحیح بھی ہے کیونکہ اجماع اعلیٰ حضرت ان کے ایسے عالی شان القاب لکھتے ہیں کہ جس طرح اجماع ائمہ اربعہ اپنے اماموں کے بلکہ ان سے بھی بڑھ چڑھ کر جیسے صاحب الحجۃ القاہرہ حامی سنت طاہرہ۔ مجدد المائیدہ الحاضرہ، پیشوائے اہل سنت، اعلیٰ حضرت وغیرہ وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت بھی آخر عمر میں یہ القاب سنتے سنتے اگر اپنے کو مجتہد و امام سمجھ بیٹھے تو ان کو ایسا مجرم نہیں سمجھنا چاہیے کہ کبھی ان کا جرم معاف ہی نہیں کیا جاسکے۔

خصوصیت ۱۳۔ تحکم و حکومت طلبی

خان صاحب ہاں میں ہاں ملانے والے کو مسند فضل و کمال کا

صدر نشین بنادیتے ہیں

اس کا تصور مختلف طور سے ہوتا ہے کبھی اس طرح کہ ہاں میں ہاں ملانے

والے محض کو مسند فضل و کمال کا صدر نقشین بنا دیا۔ پھر جو لہر آئی تو اس کو ایک دم جاہل و احمق جیسے معزز خطاب دے دیئے محض اس جرم میں کہ اس نے اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے خلاف کوئی کلمہ کہہ دیا۔ اس کی بطور نمونہ دو مثالیں پیش ہیں۔

(۱) شیخ عبدالقادر توفیق شبلی مدرس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی کتاب حسام الحرمین میں اس طرح مدح سرائی کی۔

صورة ماسطر من فى العلم تصدر وفى الدرس تقرّر ودقق
النظر و وردو صدر بتوفيق من القادر الشيخ الفاضل
عبدالقادر- توفيق الشبلى طرابلسى الحنفى المدرس بالمسجد
الكریم النبوى منحه الله تعالى من فيضه القوى-

اس کا ترجمہ خود اعلیٰ حضرت نے اس طرح کیا۔ تقریباً ان کی جو علم میں صدر بنے اور مدرس ٹھہرے اور غور کیا اور مدارک علم میں آمد و رفت کی قدرت والے کی توفیق سے حضرت فاضل عبدالقادر توفیق شبلی طرابلسی حنفی، مسجد کریم نبوی میں مدرس اللہ تعالیٰ انہیں فیض قوی سے عطا دے۔

اعلیٰ حضرت کے حواریوں! تم نے دیکھا کہ تمہارے اعلیٰ حضرت نے کیسے پر عظمت الفاظ میں اس فاضل مدنی کی تعریف کی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

لواب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھو۔ اجل الرضا میں انہی فاضل مدنی اور ان کی تحریر کی نسبت یہ ارشاد ہے۔

اس بے معنی تحریر کی حالت یہ کہ اول تا آخر اغلاط و خطا سے مملو جہل و سفاہت و افترا و تافض و خیانت و ناہنجی و مکارہ و غیرہ کون سا کمال ہے کہ ان گنتی کی چند سطروں میں نہیں۔

چند سطر بعد پھر فاضل مدنی پر اس طرح چوٹ کی۔

ایسا حق زید شاید طرابلس میں رہتا ہو۔

ایک صفحہ بعد پھر فاضل مدنی پر شرارہ جلال اس طرح گرایا۔
طرابلسی تحریر پر جب یہ قاہرہ و اس میں موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر کسی
ذی انصاف باشرم والے کو اس بے مغز تحریر کا نام بھی زبان پر لانا نہ تھا نہ کہ دین
الہی میں حجت مانا۔

بریلی میں ”مجدد مآۃ حاضرہ“ اور ہیں اور

”مولوی احمد رضا خان صاحب“ اور ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ حسام الحرمین کے مولف، مرتب اعلیٰ حضرت نہیں
ہیں وہ کوئی اور مولوی احمد رضا خان صاحب ہیں جو اعلیٰ حضرت کے ہمام و ہم
وطن ہیں۔ جنہوں نے حسام الحرمین میں فاضل مدنی کی تعریف کے پل باندھ
دیئے ہیں۔ اور ان کے قول کو دین الہی میں حجت بتایا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ
اعلیٰ حضرت اور مولوی احمد رضا خان صاحب میں فرق کریں۔ اعلیٰ حضرت اور
چیز ہیں اور مولوی احمد رضا خان شی دیگر۔ اس پر حجت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت ان
فاضل مدنی کو حرم شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدرس نہیں تسلیم کرتے
بلکہ مدینہ طیبہ میں بطور راہ گیر کے گزرنے والا مانتے ہیں۔ جیسا کہ اجل
الرضاء میں ارشاد ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ میں ہو کر گزرا کچھ کہہ دے۔ اور
مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی صاحب کتاب حسام الحرمین میں ان کی
نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اس کی نقل گزری کہ مسجد کریم میں
مدرس۔ غرض خالص صاحب بریلوی صاحب کتاب حسام الحرمین کے نزدیک اگر
حضرت توفیق مہملی فاضل اجل ہیں تو اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب رسالہ اجل
الرضا کے نزدیک نرے۔ احمق جاہل ہیں۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی
نسبت شخص واحد کی ایسی دو متضاد رائیں ہوں۔ ہو نہ ہو اعلیٰ حضرت بریلوی اور
ہیں اور خان صاحب بریلوی اور اس ترکیب سے ہمیشہ کے لیے اعلیٰ حضرت

بریلوی کا دامن تقدس تافس و خیانت کے بد غماد ہے سے پاک ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ ناظرین کی یادداشت کے لیے اعلیٰ حضرت بریلوی اور مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے دو مختلف خیال جو شخص واحد کے متعلق ہیں ایک نقشہ کی صورت میں ظاہر کیے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ خاک پاک بریلی میں یہ دو نامور دو علیحدہ علیحدہ ممتاز ہستیاں ہیں۔ جن کو خلقت غلطی سے ایک سمجھ ہوئے ہے۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلی | اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب رسالہ
صاحب کتاب حاتم الحرمین | اجمل الرضا

صدر نقشین علم (فی العلم تھدر) | جاہل سفید

زیست وہ مجلس درس (فی الدرس تقرر) | مفتری، خائن

دقیق النظر (دقیق النظر) | تا فہم و مکاتر

آمد و رفت کنندہ و مدارک علم (ورد و صدر) | احق

مدرس مسجد کریم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم | مدینہ طیبہ میں گزرا

بریلوی صاحب کا صریح دھوکہ

القول للاظہار! میں روایت محمد بن الحسن کو صحیح حلیم کر کے اعلیٰ حضرت کے دعویٰ کی تردید کی گئی تھی کہ یہ آپ کو اب بھی مفید نہیں کیونکہ اس روایت سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابین رضی اللہ عنہما تک کا حال معلوم ہوا کہ باب مسجد پر اذان ہوتی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ان پاک عہدوں میں صرف ایک اذان تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں ایک اذان کی زیادتی ہو گئی۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں اذانیں بعد میں باب مسجد پر ہونے لگیں یا دونوں کی جگہ تبدیل ہو گئی یا ایک بدستور اپنی جگہ رہی اور دوسری نے دوسری جگہ لی۔ پھر باب مسجد پر کون سی اذان رہی یہ زائد اذان یا اصل اذان۔ پس جب کہ اعلیٰ حضرت محض دل ہیں اور احیاء سنت کے دعویدار۔ ان کو

چاہیے تھا کہ سب احتمالات کا ابطال فرما کر وہ احتمال متعین فرما دیتے جو ان کو مفید ہوتا انہوں نے پہلا تحکم تو یہ کیا کہ سب سے اغماض کر کے مبہم روایت سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور عہد عثمانی کے قصہ کو چھیڑا ایک نہیں جب ان کے مخالف نے ان احتمالات کو ظاہر کر کے ان کے استدلال کی قلعی کھولی تو لگے یہ فرمانے کہ دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی سنت تو تسلیم فرمائی کہ یہ اذان مسجد سے باہر تھی۔ یہ دوسرا تحکم ہے۔ ان کا مخالف اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتا اور اسی لیے القول الاظهر میں محمد بن اسحاق کی تصنیف کے سلسلہ میں جارحین کا ایک نقشہ درج کر دیا۔ جب سرے سے اس کے نزدیک یہ روایت قابل تسلیم نہیں تو اس پر یہ دنیا سے نرالا الزام کیا۔ کہ اذان ہر دن مسجد ہونا تو تسلیم کر لیا۔ اس نے علی سبیل التسلیم یہ کہا تھا کہ چلئے آپ کی پیش کردہ ضعیف روایت کو صحیح تسلیم کر کے یہ گزارش کرتے ہیں کہ جب عہد عثمانی میں تغیر ہوا اور ضرور ہوا تو اس اذان کی جگہ میں بھی اگر تغیر آگیا تو محض اس روایت سے آپ کو کیا نفع حاصل ہو گا۔ اس تنزیلی جواب کو آپ حقیقی جواب قرار دے کر اپنے تحکامات میں ایک اور تحکم کا اضافہ کر بیٹھے اور اس طرح سلسلہ سوالات میں ایک نمبر اور بڑھا کر یہ زیر کی کیا اسی (ممکن اور بعید نہیں) سے اجماع قطعی ثابت ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت کا تحکمانہ انداز

(۳) اجل الرضال کے حاشیہ میں تحکمانہ انداز میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ان کے کلام میں ثم نقل کی ضمیر ہشام کی طرف ہے جو ایک جامد بادشاہ تھانہ کہ امیر المومنین کی طرف یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علیہ میں دخل کی ہمت اللہ ہدایت دے۔ القول الاظهر میں صرف یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جو اذان زمانہ کریم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما میں منار پر ہوتی تھی جس سے مقصود اعلام غائبیں تھا اب اس اذان کی زیادتی

سے وہ بین یدی الامام آگئی اور زائد اذان نے منارہ پر جگہ پائی اس کی سند میں عمدۃ الرعایہ کی عبارت محض اس وجہ سے نقل کی گئی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے جناب مولانا عبدالحی صاحب کی ایک عبارت سے استدلال کیا تھا۔ اس طرح ہمارا تنزیل جواب تحقیق بن گیا اور جس احتمال کو بطور ارغاء عثمان احتمال کے رنگ میں ظاہر کیا تھا اب وہ اس عبارت کے نقل کر دینے سے صرف قوی نہیں ہوا بلکہ اعلیٰ حضرت کی ساری چٹائی کا ڈھادیے والا تھا۔

اعلیٰ حضرت کی صریح دیانت

اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے کچھ نہ بن پڑا تو یہ انوکھی روش چلے کہ ثمن نقل کی ضمیر ہشام کی طرف ہے چلے تسلیم کیا کہ ہشام کی طرف ہے لیکن صدر من خلافة عثمان کے سنگ گراں کے ضرب شدید کی حفاظت کا بھی اعلیٰ حضرت نے کوئی مددہست کیا؟ جو اس امر پر صاف دال ہے کہ آغاز خلافت کے بعد معاملہ دگرگوں ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی کے عہد مبارک میں یہ تغیر ہو گیا ہے کہ اذان خطبہ بین یدی الامام آگئی اور اس پر اجماع صحابہ ہو گیا آخر صدر من خلافة عثمان کی قید کا فائدہ ضرور ہونا چاہیے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

ثم نقل الاذان الذى كان على المنارحين صعود
الامام على المنبر على عهد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم وابی بکرو عمرو صدر من خلافة عثمان بین
یدیہ۔

ہمارے طور پر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اذان جو عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم عہد صدیق اکبر و عہد فاروق اعظم و آغاز خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہم میں منارہ پر ہوتی تھی۔ وہ اواخر خلافت حضرت عثمان میں بین یدی الامام ہو گئی۔ اس طور پر صدر من خلافة عثمان کی قید کا فائدہ ظاہر ہے۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر کہ جو ضمیر ہشام کی طرف پھرتے ہیں اس عبارت کا یہ

نقیس مطلب برآمد ہوتا ہے کہ وہ اذان جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صدیقی و فاروقی و آغاز خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں منار پر ہوتی تھی وہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں بین یدی الامام ہو گئی۔ اب یہاں اعلیٰ حضرت کی سمجھ کے سوا تمام انسانی عقلیں قاصر ہیں کہ وہ آغاز خلافت کی قید کا فائدہ سمجھ سکیں کیونکہ جب ناقل اور جگہ کا تبدیل کرنے والا ہشام ہے تو اس کے زمانہ تک حالت بدستور سابق رہنا چاہیے۔ اور جائے اس عبارت (علی عہد النبی و ابی بکرو عمر و صدر من خلافة عثمان) کے یہ عبارت ہونا چاہیے (علی عہد النبی و ابی بکرو عمر و عثمان) بلکہ ہشام اور حضرت عثمان غنی کے درمیان جس قدر خلفاء ہیں ان کا بھی نام آنا چاہیے حالانکہ اس فقرہ صدر من خلافة عثمان نے آئندہ کا سلسلہ ہی منقطع کر دیا جس سے واضح ہوا کہ یہ تغیر و تصرف عہد عثمانی ہی میں ہو گیا تھا۔

خان صاحب نے اپنے لیے ہدایت کی دعاء کی مگر مقبول نہ ہوئی اب اعلیٰ حضرت ہی انصاف فرمائیں کہ اس قول (یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علیہ میں دخل کی ہمت) کا مصداق صحیح طور پر کون ہے؟ اسی وجہ سے اپنے حق میں اعلیٰ حضرت نے دعاء کی تھی کہ اللہ ہدایت کرے) مگر افسوس کہ وہ مقبول نہیں ہوئی۔

تجلی دوم

خان صاحب کی فہمائش اور ہدایت کی سخت ضرورت ہے

اعلیٰ حضرت نے گویہ فقرہ تحریر فرما کر کہ (جہاں یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) سلسلہ ہدایت منقطع کر دیا کیونکہ نہ اعلیٰ حضرت کے زعم کے مطابق کوئی ان کے مساوی ہو گا نہ اس سے ان کا مخاطبہ جائز ہو گا لیکن ہم کیوں باب ہدایت ان کی طرح مسدود کریں کہ نہ ہم ایسے عالی شان نہ ان

جیسے صفات کمالیہ و خصوصیات ہم میں موجود گو پچھلی صدیوں میں عالیشان بنی
اس میں تھی کہ دامن ہدایت مضبوط تھامے رہیں مگر اب چودھویں صدی
کے مجدد کا یہ افادہ جدید ہے کہ ہدایت خلق اللہ عالیشان بننے کے منافی ہے پس ہم
شکر باری تعالیٰ جالاتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس عالی شان سے محفوظ رکھ کر
ہدایت کی توفیق دی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ
ذوالفضل العظیم۔ گو اعلیٰ حضرت اس کو تسلیم نہ فرماویں لیکن ہمارے
نزدیک ان کی فہمائش اور ہدایت کی سخت ضرورت ہے کہ مسئلہ اذان میں ان
سے غیر محدود زلتیں واقع ہوئیں۔ ہمارا فرض ہے کہ بحکم الدین
النصح ان فلتوں سے ان کو آگاہ کر دیں جس کے ضمن میں نفس مسئلہ کی بھی
نہ صرف وضاحت ہوگی بلکہ اس کی کامل تنقیح ہو جائے گی۔

اعلیٰ حضرت سے قبول حق کی بظاہر کوئی امید نہیں

اور حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ حضرات (جو اعلیٰ حضرت کی تحریرات
سے جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں) پھر شاہراہ مستقیم پر عود کر آئیں۔ وما
ذلک علی اللہ بعز۔ رہے اعلیٰ حضرت سوان کی علوشان سے قبول حق
کی بظاہر امید نہیں لیکن حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے نہ اعلیٰ حضرت خارج ہیں
نہ ان کی علوشان وہ چاہے تو ایسے اعلیٰ حضرت کو بھی راہ مستقیم پر لا سکتا ہے۔
ورنہ ہم تو اپنے فرض سے ضرور بسکدوش ہو جائیں گے۔

فہمائش اول

خان صاحب کسی حیلہ یا کسی عبارت کے الٹ پھیر سے

تکفیر کر دیتے ہیں

اعلیٰ حضرت کا سرمایہ تاز قرہ لایوذن فی المسجد ہے اور بس کہ
جو بعض کتب قہمیہ میں وارد ہو گیا ہے یہی وہ قرہ ہے کہ جس سے تفریق بین

مسلمین کو نہ صرف مباح بلکہ مستحب مندوب سمجھ کر تمام اسلامی دنیا میں اختلاف کو بنیاد قائم کر دی اور اذان اندرون مسجد کو خلاف سنت و بدعت قرار دے کر اولاً علماء کی تفسیق اور ثانیاً کسی حیلہ یا کسی عبارت کے الٹ پھیر سے تکفیر فرمائی گئی۔

خان صاحب کے حلقہ جگوش، مساجد میں شور و غل

اور زد و کوب کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں

اور اپنے حواریوں اور حلقہ جگوش کو سو شہیدوں کے اجر کا وعدہ دلا کر ان کی جاہلانہ عصبیت کو ایسا تیز کیا گیا کہ اب وہ مساجد میں شور و غل و زد و کوب کو عین اطاعت الہی سمجھتے ہیں اور مساجد میں سو قیانہ گفتگو کی نسبت بھی یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اس پر سو شہیدوں کا اجر ہم کو ضرور ملے گا جہاں بے ضرورت مباح گفتگو بھی مکروہ ہے۔

بریلوی صاحب کے سرمایہ ناز فقرہ :

”لایوذن فی المسجد“ سے تمام متون خالی ہیں

جس فقرہ کی بنا پر اعلیٰ حضرت نے یہ گل کھلائے اس لحاظ سے اس کا درجہ ثبوت کے اعتبار سے نہایت اقویٰ ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی کل کائنات صرف اس قدر ہے کہ بعض کتب فقہی مثل خلاصہ و خزائن المفتیین وغیرہ میں یہ فقرہ درج ہے باقی تمام متون اس ضروری مسئلہ (بزع اعلیٰ حضرت) سے ساکت ہیں کہ جن میں ضروری مسائل عموماً درج ہوتے ہیں۔ نہ کہ ایسا ضروری مسئلہ کہ جس کا ذکر نہ کسی متن میں نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست مروی نہ صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کی روایت نہ امام محمد کی کتب مشہورہ میں اس کا نام و نشان بلکہ صاحب فتح القدیر کے اس جملہ قالوا لایوذن فی المسجد جس کو اعلیٰ حضرت نے

اپنے فتویٰ مبارکہ میں نقل کیا ہے۔ بدامت یہ ثابت کہ یہ صرف مشائخ کا قول اور ان کی رائے ہے۔

اعلیٰ حضرت نے شور و غل مچا کر قیامت کبریٰ برپا کر دی

پس ایسے ضعیف و کمزور مسئلہ پر اس قدر زور باندھنا اور شور و غل مچا کر ایک قیامت کبریٰ برپا کر دینا سوائے اعلیٰ حضرت کسی دوسرے سے ممکن ہے اعلیٰ حضرت نے اتنا خیال نہ کیا کہ اگر کوئی اہم مسئلہ ہو تا یا امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہو تا تو متون مثل کمزور قدوری و وقایہ مختصر و قایہ و دیگر متون معتبرہ میں احضار ضرور ذکر ہوتا اور آپ کو فتاویٰ خلاصۃ الکیدانی سے نقل کی ضرورت نہ ہوتی جس کی نسبت مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں مولوی عبدالحی صاحب فرنگی علی نے تحریر فرمایا ہے کہ منها ای من الکتب الغیر المعتبرہ خلاصۃ الکیدانی (اس کے تحت میں دوسری فصل کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ لم يعرف الی الان حال مولفہا انہ من ہو و کیف ہو و هل ہو ممن یستند بتصنیفہ او ہو ممن یضرب بہ المثل المشہور ان من لا یعرف الفقہ صنف فیہ کتابا۔

بھلا جس کے مولف کا یہ حال ہو کہ اس کا حال معلوم نہ اس کی تصنیف کا اعتبار بجز یہاں تک اصلی قبولیت ہو ہی ہوئی ہے کہ اس کی کتب کے ساتھ استناد تک چیز خفا میں۔ پھر ایسی مجہول الحال کتاب سے استناد آپ کے دعویٰ کی صریح کمزوری ہے یا نہیں۔ آپ تو نام خدا جاہل سے اپنے مخاطب کو بھی عار سمجھتے ہیں۔ یہاں تو آپ نے بالکل نامؤدب و بدی کو مجہول کے فقرہ میں آکر جامہ سے باہر ہو گئے۔ آپ نے جہاں اس قسم کے فتاویٰ سے یہ فقرہ نقل کیا ہے۔ وہاں اگر صاحبین کی کسی کتاب یا کم از کم کسی متن سے ہی نقل فرما دیتے تو اس عار میں قدرے تخفیف ہو سکتی تھی۔

بریلوی صاحب نے اکثر علماء کو تکفیر کے گھاٹ اتار دیا

اگر متون میں یہ فقرہ تھا تو آپ نے کیوں نہیں نقل فرمایا۔ یہ کوئی معمولی فتویٰ نہ تھا کہ جس کتاب سے چاہا لکھ دیا سمجھ وہ غیر معمولی مسئلہ تھا جس کی بناء پر دنیا بھر کی مخالفت آپ نے مول لے لی۔ اکثر علماء کو تکفیر کے گھاٹ اتار دیا اور آپ کی تفسیق و لعن طعن سے تو کوئی نہ بچا تمام شرق و غرب کے علماء کرام کو عام دعوت مقابلہ دیدی ایسے مسئلہ کے لیے کیا یہ کافی ہے کہ کتب معتبرہ متون چھوڑ کر خلاصہ جیسی کتاب کا سارا لیا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ متون کی نسبت جناب مولانا عبدالحی صاحب مرحوم اسی مقدمہ عمدۃ الرعاۃ میں فرماتے ہیں :

اعلم انہم ذکرُوا ان مافی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی مافی الفتاوی فاذا وجدت مسئلة فی المتون الموضوعة لنقل المذاهب ووجد خلافہما فی الشروح اخذ بما فی المتون واذا وقعت المخالفة بین ما فی الشروح و بین ما فی الفتاوی اخذ بما فی الشروح قال الشیخ امین الشامی۔ مولف ردالمحتار علی الدر المختار فی تنقیح الفتاوی العامدیة فی کتاب الاجارة ذکر ابن وہبان وغیرہ انہ لا عبرة لما یقولہ فی القنیة اذا خالف غیرہ وقالوا ایضاً ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح و ما فی الشروح علی مافی الفتاوی انتہی۔

دیکھئے عام طور پر مثلاً کیا حکم دے رہے ہیں۔ کہ مسائل متون کو شروح کے مسائل پر ترجیح اور شروح کے مسائل کو فتاویٰ پر تقدیم۔ پھر متون کی تقدیم کی وجہ میں اس کا اظہار کہ ان میں خاص مذہب امام کا التزام ہوتا ہے جو شروح و فتاویٰ میں مفقود۔ پس اس فقرہ کا تمام متون معتبرہ متداولہ میں نہ ہونا خلاف

اس پر دال ہے کہ یہ امام اعظم سے منقول نہیں ورنہ کسی نہ کسی متن میں اس کی تصریح ہوتی خواہ فتویٰ شروح و فتاویٰ سے نہ کیجئے اور اس پر عمل کیجئے۔ اس وقت ہم کو صرف اس سے صحت ہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہیں۔ پھر ایسے کمزور مسئلہ پر یہ زور شور اعلیٰ حضرت کو کہاں تک زیب دیتا ہے۔ ایک دم سو شہیدوں کے اجر تقسیم کر دینے سے خیال ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت براہ راست سوائے وحی آسمانی مجاہد کے قول کو بھی شاید ہی سند میں لائیں لیکن ثابت یہ ہوا کہ بعض مشائخ کے قول پر آپ کی ہر اوقات ہے۔ سبحان اللہ!

براہ شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

فہمائش دوم اعلیٰ حضرت کے قیاسی تکے

نہ معلوم اعلیٰ حضرت نے بعض مشائخ کے اس قول ”لایوزن فی المسجد“ سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مسجد میں اذان کی صلاحیت مفقود ہو گئی اور یہ کہ محض مسجد کا مسجد ہونا اخراج اذان کا باعث ہوا۔ مشائخ کی اگر تصریح بھی ہے تو صرف اس قدر کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کی خوش فہمی ہے کہ اس سے یہ سمجھ لئے کہ نہ مسجد میں اذان کی صلاحیت نہ اذان کا اس میں جواز بلکہ اذان سر اسر بدعت و خلاف سنت اور مسجد کی مسجدیت اس اخراج کا باعث۔ براہ کرم اعلیٰ حضرت وجوہ ہش کی تصریح کتب مشائخ سے ثابت کر دیں۔ ورنہ یہ قیاسی تکے چلانے سے باز رہیں۔ مشائخ کے اس جملہ میں کہ (لایوزن فی المسجد) نہایت وسعت و گنجائش ہے صرف نفی سے آپ مسجد سے صلاحیت کیوں سلب کر بیٹھے۔ اخراج اذان کی علت محض مسجدیت کو رجحان الغیب کیوں قرار دیا یہ محض آپ کی ذاتی رائے ہے۔ مشائخ کرام کا دامن اس سے پاک ہے وہ کو اذان فی المسجد کی نفی کر رہے ہیں مگر اس کی علت محض اعلام غائبین ہے۔ کہ مسجد کے اندر اذان میں اعلام غائبین سرے سے نہیں ہوگا۔ یا کم از کم ان تک رسائی صوت میں دشواری ہوگی۔ اسی غرض سے اذان کے لیے منار قائم کئے گئے تا کہ اذان کی آواز مسجدت ان تک پہنچ سکے ورنہ زمانہ اقدس میں منار کا وجود ہی نہ

تھا۔ اگر یہ غرض مسجد میں حاصل ہو جائے تو مسجد سے خواہ مخواہ اخراج اذان کی ضرورت نہیں۔

جملہ ”لایوذن فی المسجد“ سے مشائخ کرام کا حقیقی مقصد

مشائخ کرام کا صرف یہ مقصد ہے کہ اذان علی وجہ الاظہار مسنون ہے کہ اذان کے مفہوم میں اعلام داخل ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر۔ چونکہ داخل مسجد درد دیوار حائل ہونے کی وجہ سے عموماً اذان کی آواز کا غائبین تک پہنچنا دشوار۔ اس وجہ سے خارج مسجد اذان دینے کا حکم دیا تاکہ اعلام غائبین بسہولت ہو جائے پس انہوں نے داخل مسجد اذان دینے کو نہ اس وجہ سے منع کیا کہ مسجد میں صلاحیت اذان نہیں بلکہ اعلام میں نقصان ہے۔ اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ اگر خارج مسجد یہ مقصود حاصل نہ ہو اور داخل مسجد پورا ہو تو پھر اذان داخل مسجد دی جائے۔ اصل یہ ہے کہ مشائخ اذان علی وجہ الاظہار کو مسنون کہتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے نزدیک خارج مسجد اذان مسنون ہے۔ دونوں کے خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ مشائخ کرام کے نزدیک اذان خواہ داخل مسجد ہو یا خارج لیکن علی وجہ الاظہار ہو تاکہ اعلام غائبین ہو جائے۔

اذان و مسجد کی نسبت اعلیٰ حضرت کے تخیلات

اعلیٰ حضرت کے نزدیک اذان خواہ علی وجہ الاظہار ہو یا خفیہ طریق سے لیکن خارج مسجد ضرور ہو تاکہ مسجد میں ذکر اللہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کی بے ادبی نہ ہو۔ چنانچہ اس کی تصریح انہوں نے فیصلہ حق نما میں حوالہ وقایۃ البتہ اس طرح کی ہے۔ کہ وقایہ صفحہ ۵۲۵۴ میں حدیث و فقہ سے ثابت کیا ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا بارگاہ الہی کی بے ادبی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اذان سرے سے اس کی مستحق ہی نہیں ہے کہ مسجد میں دی جائے یا یوں کہیے کہ مسجد میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ اذان (جو ذکر اللہ ہے) اس میں ہو اور اگر ایسا کسی نے کیا تو وہ بارگاہ الہی میں بے ادب قرار پایا۔ محض اس جرم میں کہ کیوں

اس نے مسجد میں ذکر الہی کیا گویا اعلیٰ حضرت کے نزدیک مساجد کی بنیاد اس لیے نہیں ہے کہ ذکر اللہ کیا جائے بلکہ کسی اور غرض سے ان کی بنیاد پڑتا ہے اب وہ غرض کیا ہے اس کا جواب اعلیٰ حضرت مدلل میان فرمادیں گے۔ ناظرین ان سے دریافت کریں۔ یہ ہیں اذان و مسجد کی نسبت اعلیٰ حضرت کے تخیلات۔

تصریحات مشائخ حنفیہ

اب مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات ملاحظہ ہو۔ رد المحتار میں ہے۔

فی السراج و ینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران۔ قلت والظاهر ان ہذا فی موذن الحئی۔ اما من اذن بنفسه اولجماعۃ حاضرین فالظاهر انه لایسن له المكان العالی لعدم الحاجة۔ یعنی موذن ایسی جگہ اذان دے جہاں سے قرب و جوار والے فوٹی سن سکیں۔ یہ بھی جب ہے کہ کسی محلہ کی مسجد ہو اور اہل محلہ کا اعلام مقصود ہو لیکن جب کہ خاص اپنے لیے یا جماعت حاضرین کے لیے اذان دینا مقصود ہو تو اب بلدی پر اذان دینا مسنون نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ اس سے چند نتائج برآمد ہوئے۔

اول: یہ کہ اذان کے لیے کوئی جگہ (جیسے داخل مسجد یا خارج مسجد) مخصوص نہیں بلکہ ایسی جگہ ہو نا چاہیے جہاں سے اذان فوٹی سنی جائے۔ خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد۔

دوم: یہ کہ تعیین مکان سے مقصود صرف اعلام ہے ورنہ جب کہ اس کی ضرورت نہ رہے تو اب بلدی کی ضرورت نہ خارج مسجد کی حاجت اسی کو عالم گیری میں اس طرح واضح کیا ہے۔

جماعۃ من اہل المسجد اذنوا فی المسجد علی وجہ المخافۃ بحیث لم یسمع غیرہم ثم حضر قوم من اہل المسجد ولم یعلموا ما صنع الفريق الاول فاذنوا

علی وجہ الجہر ثم علموا ما صنع الفريق الاول فلم
ان يصلوا بالجماعة علی وجهها ولا عبرة للجماعة
الاولی کذا فی فتاویٰ قاضی خاں - وفيه لانها ما اقيمت
علی وجه السنة باظهار الاذان فلا يبطل حق
الباقيين -

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اہل مسجد نے مسجد ہی میں اذان دی لیکن اس طرح
خفیہ طریق سے اذان دی کہ ان کے سوا کسی نے نہ سنی۔ اس کے بعد دوسرے
اہل مسجد آئے کہ جو فریق اول کی اذان و صلوٰۃ سے لاعلم تھے۔ جب انہوں نے
علی وجہ الجہر اذان دیدی تو اب ان کو پہلے فریق کی اذان و صلوٰۃ کا علم ہوا۔ ایسی
حالت میں یہ از سر نو نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں اور یہی جماعت جماعت اولی
قرار دی جائے گی۔ پہلی جماعت کا بالکل اعتبار نہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ جماعت
اولیٰ کی اقامت صلوٰۃ اظہار اذان نہ ہونے کی وجہ سے علی وجہ السنۃ نہیں ہوئی کہ
جس میں ہتھ اہل مسجد کی حق تلفی تھی۔

اعلیٰ حضرت سب کچھ سمجھ سمجھا کر اندھیری ڈال رہے ہیں

سنئے اعلیٰ حضرت صاحب! مشائخ کرام کے اس حکم کو ذرا ٹھنڈے دل سے
سنئے۔ اذان اندرون مسجد ہو رہی ہے اس کو آپ کی طرح وہ منع نہیں کرتے بلکہ
جماعت اولیٰ کو محض اس وجہ سے مسنون نہیں کہتے کہ اذان علی وجہ الاعتبار نہ
ہوئی۔ لانہا ما اقيمت علی وجه السنۃ باظهار الاذان پر
نظر ڈالئے۔ آپ کے طور پر ان کو یہ کہنا چاہیے کہ لانہا ما اقيمت
علی وجه السنۃ باخراج الاذان عن المسجد۔ اعلیٰ حضرت کو
تو کیا سمجھائیں کہ وہ سب کچھ سمجھ سمجھا کر اندھیری ڈال رہے ہیں۔ لیکن
مسلمانوں سے ضرور انصاف کی توقع ہے کہ دیکھو اعلیٰ حضرت کی طرح مشائخ
کرام کو اذان اندرون مسجد سے چڑ نہیں ہے ان کا مقصود صرف اذان کا اظہار ہے
تاکہ اعلام غائبین ہو جائے ورنہ صورت مسئلہ میں جب کہ اذان اندرون مسجد

فرض کی گئی ہے اس کا ضرور اظہار کرتے کہ داخل مسجد اذان ہونے کی وجہ سے جماعت اولیٰ علی وجہ السنۃ ادا نہ ہوئی۔

خان صاحب کی نامتقولیت

مشائخ کرام کے مقصد اور اعلیٰ حضرت کے مقصد میں صرف فرق معقولیت و عدم معقولیت کا ہے۔ یعنی جب کہ اذان کے مفہوم میں اعلام داخل ہے اور اس کی مشروعیت بھی اعلام کی وجہ سے ہوئی۔ جیسا کہ روایت حضرت عبداللہ بن زید سے ظاہر ہے اور مختلف احادیث صحیح میں اس کی تصریح موجود حتیٰ کہ اب عالمی و عالم پر یہ امر روشن تو جب اذان سے اعلام حاصل نہ ہوا تو اس کا وجود و عدم برابر۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے مشائخ کرام نے کبھی حکم دیا کہ لا یؤذن فی المسجد کہ دیوار و در حائل ہونے کی وجہ سے آواز بیرون مسجد تک نہ پہنچے گا اندیشہ ہے کبھی یہ ارشاد فرمایا کی ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران۔ یعنی ایسی جگہ اذان ہو کہ قرب و جوار والے اذان سن لیں خواہ وہ کوئی جگہ ہو خارج مسجد ہو یا منارہ داخل مسجد کیوں کہ انہوں نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں کی فی موضع عام ہے اور عموم سے استدلال کے اعلیٰ حضرت بھی عادی ہیں۔ ورنہ اذان خطبہ باوصف استثناء کیوں لا یؤذن فی المسجد کے پھیر میں آتی۔ کہیں مشائخ نے اس مقصد کو نہایت واضح کر دیا اور اندرون مسجد اذان میں صورت فرض کر کے اس عدم مسنونیت کی وجہ یہ ظاہر کی کہ اعلام نہ ہوا اور دوسرے فریق کی حق تلفی ہوئی نہ یہ کہ داخل مسجد ہونا اس کا باعث ہوا ہے۔

بریلوی صاحب کا مقصد احادیث صحیحہ کے بھی خلاف

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اذان علی وجہ الاظہار ہو۔ جس جگہ اظہار میں کسر دیکھتے ہیں اس جگہ اذان کو منع کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ مقصد بالکل معقول و موافق درایت ہے کہ جو حکم مشروع کی طہ

غائب ہے اس کا ہونا بمرئج ضروری ہے۔ احادیث صحیحہ بھی ان کے مقصد کی تائید کر رہی ہیں۔ اس باب میں علامہ شامی کی یہ عبارت خصوصیت کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

قوله ويستدير في المنارة- يعني ان لم يتم الاعلام بتحويل وجهه مع ثبات قدميه ولم تكن في زمنه صلى الله عليه وسلم منذنة قلت وفي شرح الشيخ اسمعيل عن الاوائل للسيوطي ان اول من رقى منارة مصر للاذان شرحبيل بن عامر المرادي وبنی سلمة المنابر للاذان بامر معاوية رضي الله عنه ولم تكن قبل ذلك وقال ابن سعد بالسند الى ام زيد بن ثابت كان بيتي اطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه اول ما اذن الى ان بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره۔

دیکھئے۔ اعلام کی خاطر منارہ قائم ہوا حالانکہ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا وجود نہ تھا منارہ میں استاد ارہ وجہ کی اجازت محض اعلام کی خاطر روایت ام زید بن ثابت سے ثابت کہ مسجد اقدس کی منارہ سے پیشتر حضرت بلال ان کے گھر کے کونٹھے پر اذان دیا کرتے تھے۔ جو ان تمام مکانوں سے زیادہ بلند تھا جو مسجد اقدس کے گرد اگر دو واقع تھے۔ مسجد اقدس کی تعمیر کے بعد مسجد کی چھت پر حضرت بلال اذان دیا کرتے تھے۔ اور اس غرض سے کہ آواز دور تک پہنچے۔ سقف مسجد پر زیادہ بلندی حاصل کر کے لیے کوئی چیز رکھ دی جاتی تاکہ اس پر چڑھ کر اذان دیں تاکہ غائبین تک آواز پہنچے میں آسانی ہو۔ غرض مشائخ کے نزدیک اذان اعلام کے لئے ہے جو اس کے مفہوم میں داخل اس کی علت غائیہ اور حدیث صحیح حضرت بلال و عبد اللہ بن زید سے بھی یہی ثابت۔ یہ دعویٰ

عقلاً و نقلاً ہر طرح موزوں و مناسب و بغایت معقول۔

اعلیٰ حضرت کی طمع سازی

اب اعلیٰ حضرت کا مقصد سنئے آپ کو اس سے صحت نہیں کہ اذان اعلام کے لئے ہے یا انصاف کے لئے نہ اس سے صحت کہ مختلف جگہ کیوں اذان دی گئی آپ صرف ایک بات جانتے ہیں وہ یہ کہ اذان و مسجد میں تقاض ہے مسجد میں اذان دینا حق تعالیٰ کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ کہئے! مشائخ کرام کے معقول و دعویٰ کو اس بوالعجب مقصد سے کیا علاقہ یہی تفاوت راہ از کجاست تا بجا۔ در حقیقت اعلیٰ حضرت سب کے خلاف چلے ہیں۔ یہ ان کی طمع سازی ہے کہ میں عبارات فقہاء کرام سے مستدل ہوں۔ بھلا کہاں فقہاء کرام کا نفیس قول اور کجا اعلیٰ حضرت کا تراشیدہ خیال۔ جو نہ حدیث کے مطابق (جس کو علامہ شامی نے نقل کیا) نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہ صاحبین سے اس کی روایت نہ مشائخ کرام اس کے قائل۔

بریلوی صاحب کے مقصد کی فقہاء کرام کی عبارات کے ساتھ تطبیق مزید توضیح و نیز ناظرین کی تنبیہ خاطر کے لیے عبارات مذکورہ بالا کی اعلیٰ حضرت کے مقصد کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں۔ جس سے حق بالکل ہی واضح ہو جائے گا۔ اور ظاہر ہو جائے گا کہ حضرات مشائخ کرام کے مقصد سے اعلیٰ حضرت کس قدر دور ہیں۔ لے دے کے بعض مشائخ کے اس قول ”لایوذن فی المسجد“ کا ہی اعلیٰ حضرت کو سارا تھا اس کا بھی یہ حشر ہوا۔

عبارت اول

”لایوذن فی المسجد“ مشائخ کرام کا اس سے یہ مقصد ہے کہ اذان مسجد میں ہوگی تو اس کے درود یوار غائبین تک آواز پہنچنے میں خارج ہوں گے۔ اس وجہ سے اذان مسجد میں نہ دی جاوے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ مسجد میں اذان دنیا حق تعالیٰ کی گستاخی و بے ادبی ہے اس وجہ سے اذان اندرون

مسجد منع کی گئی۔ اب اس کے معقول کہنے کے لیے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ انسانی فطرت منح ہو کر کسی حضرت کی عقل اس میں حلول کرے۔

عبارت دوم

وینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران۔

مشائخ کرام جن کے پیش نظر اذان میں صرف اعلام ہے اور جو داخل مسجد و خارج مسجد اذان کے پابند نہیں ان کے نزدیک اس کا مطلب ظاہر اور جو ان کے مقصود کے ساتھ نہایت چسپاں ہے، اعلیٰ حضرت جن کے پیش نظر صرف یہ ہے کہ اذان خارج مسجد ہو خواہ اعلام کے لیے ہو یا انصاف کے لیے اور یہ کہ اذان اندرون مسجد حق تعالیٰ کی گستاخی ہے ان کے نزدیک اس میں تاویل کی ضرورت ہے اس طرح کہ ”فی موضع“ سے مراد خارج مسجد ہے اور ”یکون اسمع للجیران“ سے مراد یکون اسمع للملاحد الجیران ہے۔ اب اس عبارت کا مطلب صحیح ہو گیا کہ موذن خارج مسجد اذان دے تاکہ وہ ملائکہ جو قرب و جوار میں ہیں۔ وہ مسنون اذان کو سنیں ورنہ خلاف سنت اذان کو وہ نہیں سنتے۔ نہ اس کو حق تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں سماع سے مراد سماع قبول ہے اگر یہ تاویل نہ کی جاوے تو کو مشائخ کرام کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اعلیٰ حضرت پھر کورے رہ جاتے ہیں۔

عبارت سوم

لا نہا اقیمت علی وجه السنة باظهار الاذان یہ جملہ اذان اندرون مسجد کے بارے میں واقع ہوا ہے اس سے مشائخ کرام کا مقصد بالکل واضح ہو گیا کہ اس صورت میں اذان اندرون مسجد ہو رہی ہے۔ اور یہ حکم نہیں کیا جاتا کہ یہ اذان اندرون مسجد ہونے کی وجہ سے ناجائز یا بدعت یا کم از کم مکروہ ہے۔ بلکہ اظہار اذان نہ ہونے کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جماعت اولیٰ

علی وجہ السنۃ ادا نہیں ہوئی جس سے یہ صاف سمجھا گیا کہ اگر اندرون مسجد اس کا اظہار ہو جاتا تو پھر نہ اذان میں کوئی حرج تھا نہ جماعت اولیٰ میں۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر اس صورت میں اعظم ترین وجہ قباحت اذان اندرون مسجد ہے اس کے ہوتے ہوئے اس سے سکوت اور دوسری ضعیف وجہ کا اظہار نہایت غیر معقول ہونے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کہ ”باظہار الاذان“ سے مراد باخراج الاذان ہے اور اخراج کا صلہ عن المسجد مخدوف ہے چونکہ بعض مواقع میں اظہار کے لیے پہلے اخراج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بطور اطلاق اسم السبب علی السبب اظہار سے اخراج کا ارادہ کیا اور عبارت اس طرح بن کر تیار ہو گئی کہ ”لانہا ما اقيمت علی وجہ السنۃ باخراج الاذان عن المسجد“ اب اگر شبہ رہا تو صرف اس قدر کہ اس عبارت کے ماسبق علی وجہ الخلافۃ کی قید اس کے مزاحم ہے تو اس کا جواب سہل ہے کہ وہ استطراد ادا آگئی ہے۔ ایک قید کو اعلیٰ حضرت کی خاطر حشو تسلیم کرنے میں چنداں مضائقہ نہیں۔

بریلوی صاحب اور مشائخ کا تاجین مسلک

اصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مسلک اور مشائخ کرام کے مسلک میں نسبت عموم و خصوص من وجہ ہے۔ ان ہر دو مسلک کا تاجین و تصادق استخفا کی صورت میں قوی واضح ہو سکتا ہے۔

استفتاء اول

ما قولکم رحمکم اللہ۔ اس بارے میں کہ اذان خارج مسجد علی وجہ الخلافۃ دی گئی۔ اس طرح کہ اہل محلہ میں سے کسی نے نہیں سنا یہ اذان علی وجہ السنۃ ہوئی یا نہیں بیوا تو جروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون ہیں کیونکہ اس میں اعلام غائبین نہیں ہوا۔ جو اذان کے

مفہوم میں داخل اور اس کی مشروعیت کی علت غائیہ جس پر نصوص شاہد - اور ہم نے لایوذن فی المسجد بھی اسی اعلام کی خاطر کہا تھا - جب خارج مسجد بھی اعلام نہ ہوا تو داخل خارج دونوں برابر ہو گئے - ہم کو خارج مسجد اذان سے خدا نخواستہ کوئی چڑ نہ تھی - اذان سے جو غرض تھی اس کو پورا کرنا چاہتے تھے - جب وہ خارج مسجد بھی پوری نہ ہوئی تو اذان مسنونیت کے دائرہ سے نکل گئی -

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ خارج مسجد ہوئی - رہا یہ کہ اعلام ہوا یا نہیں اس سے صحت نہیں کیونکہ اذان صرف اس لیے مشروع ہوئی ہے کہ مسجد میں نہ دی جاوے جب یہ غرض پوری ہو جاوے تو اب اعلام کے فقدان پر صحت کرنا فضول ولا یبنی ہے - یہی وجہ ہے کہ ہم نے اذان خطبہ کو بھی آخر کار مسجد سے خارج کر ہی دیا - محض اس وجہ سے کہ وہ اذان ہے اور اذان مسجد میں نہیں ہو سکتی کہ اس میں حق تعالیٰ کی گستاخی ہے - اگرچہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں ہے بلکہ انصاف حاضرین کے لیے ہے لیکن اس فرق کا اثر حضرات مشائخ کرام پر پڑ سکتا ہے کہ جنہوں نے اسی ما پر اذان پہچانہ و اذان خطبہ میں فرق کر دیا کہ اول الذکر کو خارج مسجد اور آخر الذکر کو داخل مسجد گردانا - ہم پر اس کا کچھ اثر نہیں - رہی یہ بات کہ اذان کے مفہوم میں اعلام داخل ہے اور اس کی علت غائیہ یہ ہمارے نزدیک مسلم نہیں اور اس کی دلیل صرف یہ کہ مسجد میں اذان دینا حق تعالیٰ کی بے اولیٰ و گستاخی ہے - پس اگرچہ صورت مسئلہ میں اذان علی وجہ الحاق ہوئی جس کو کسی نے نہیں سنا لیکن وہ مسنون ہے کیونکہ خارج مسجد ہے -

استفتاء نمبر ۲

ماقولکم رحمکم اللہ - اس بارے میں کہ اذان داخل مسجد علی

وجہ الجہر دی گئی۔ جس سے فونی اعلام غائبین ہو گیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں وہ اذان دی گئی جب کہ خارج مسجد نہ کوئی منار ہے اور نہ کوئی بلند جگہ اور اس لحاظ سے داخل مسجد و خارج مسجد دونوں حکم صورت میں برابر تھے۔ اس صورت میں یہ اذان علی وجہ السنۃ ادا ہوئی یا نہیں۔ بیوا تو جروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ علی وجہ الاظہار ہوئی اور یہی اذان سے مقصود ہے۔

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان مسنون نہیں کیونکہ داخل مسجد ہوئی اور اس میں بارگاہ الہی کی بے ادلی و گستاخی بھی ہوئی۔ اس وجہ سے نہ صرف حرام بلکہ قریب کفر ہے۔ اس قدر بھی ہم مسلمانوں کے خوف سے کہتے ہیں ورنہ صریح کفر ہے کیونکہ بارگاہ الہی کی گستاخی پر بھی کفر نہ ہو تو پھر وہ کون سی صورت ہے جس سے انسان کافر ہو سکے۔ رہا یہ امر کہ اعلام غائبین ہو گیا یہ محض فضول بات ہے۔ خواہ اعلام ہو یا نہ ہو لیکن اذان خارج مسجد ہو یا ضرور۔ اور داخل مسجد اگرچہ اعلام ہو جاوے لیکن اس کے لیے حرام اور قریب کفر کا فتویٰ دینا لازم ہے۔ اذان سے مقصد نہ اعلام ہے نہ انصات۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ خارج مسجد ہو اور داخل مسجد ہو۔ اذان کے مسئلہ میں مطمح نظر صرف دخول فی المسجد و خروج عن المسجد ہے۔ ہم کو نہ مفہوم اذان کی طرف توجہ نہ اس کی علت غائیہ اعلام و انصات سے صحت۔ نہ دخول فی المسجد و خروج عن المسجد کے سبب کی طرف التفات۔

استفتاء نمبر ۳

ما قولکم رحمکم اللہ۔ اس بارے میں کہ اذان داخل مسجد علی وجہ الخافۃ ہوئی جس کو کسی اہل محلہ نے نہیں سنا۔ بیوا تو جروا۔

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت و مشائخ کرام دونوں متفق ہیں کہ یہ

اذان مسنون نہیں ہے۔ مشائخ کرام کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان علی وجہ الاظہار نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اس وجہ سے کہ خارج مسجد نہیں ہوئی۔

استفتاء نمبر ۴

ما قولکم رحمکم اللہ - اس بارے میں کہ اذان خارج مسجد علی وجہ الجہر ہوئی جس سے اعلام غائبین ہو گیا یہ اذان مسنون ہے یا نہیں، بیوا تو جروا۔

اس کے جواب میں بھی مشائخ کرام و اعلیٰ حضرت متفق ہیں کہ یہ اذان مسنون ہے۔ مشائخ کرام کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان علی وجہ الاظہار ہوئی۔ جس سے اعلام غائبین ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان خارج مسجد ہوئی۔

استفتاء نمبر ۵

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ - اس بارے میں کہ اذان خطبہ جو حسب تصریح فقہاء کرام انصات حاضرین کے لیے ہے قریب منبر داخل مسجد دی گئی۔ یہ مسنون ہے یا خلاف سنت، بیوا تو جروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ اعلام کی خاطر ہم نے لایوذن فی المسجد کہا تھا نہ اس وجہ سے کہ مسجد اور اذان میں مباہلت ہے۔ اس اذان سے چونکہ مقصود انصات حاضرین ہے اس وجہ سے نہ صرف بلا کراہت مسجد میں جائز بلکہ مسنون ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت اپنی کتب میں کر دی ہے۔ چنانچہ مغلہ ان کے درمختار کی تصریح دیکھو جس میں ہے۔

الاذان لغة الاعلام و شرعاً اعلام مخصوص لم يقل بدخول الوقت ليعم الفائقة وبين يدي الخطيب۔

یعنی اذان کی تریف میں اعلام مخصوص کے ساتھ اس وجہ سے اکتفا کی گئی کہ دخول وقت کی قید اس کی جامعیت میں خلل انداز تھی۔ جس کے زائد کر دینے کے بعد اذان خطبہ خارج ہو جاتی۔ دیکھو یہ صاف اس پر دال ہے کہ اذان خطبہ دخول وقت کے اعلام کے لیے نہیں اور اس سے بدابہت یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اعلام غائبین اس سے مقصود نہیں، اس نتیجہ تک پہنچنے میں کیا دشواری ہے کہ جب اس سے مقصود اعلام غائبین نہیں جس کی بنا پر اذان مسجد سے خارج کی گئی تھی۔ تو اب اسی لکیر کو یہاں پھیننے کی کیا ضرورت اور لایوذن فی المسجد کی دہائی اور چچ پکار کی کیا حاجت۔ بلکہ جائے اس کے ہمارے صریح اقوال بین یدی الخطیب و عند المنبر و علی المنبر پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ جس کی تصریح ہماری تمام کتب معتبرہ متون و شروح و فتاویٰ میں ہے اور کہیں ہم نے اس کے خلاف عند باب المسجد یا علی باب المسجد نہیں کہا۔ ان واضح تصریحات پر بھی اگر کوئی شخص اپنے مغز سے اس کی خلاف نتیجہ اخذ کرے وہ اس کے دماغ کا قصور ہے نہ کہ ہمارے بیان کی کمزوری۔

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان خلاف سنت بلکہ بدعت بلکہ قریب کفر اور عند التحقيق کفر ہے کیونکہ داخل مسجد ہوئی اور داخل مسجد اذان دینا بارگاہ الہی میں بے ادبی ہے اور ہم اعلام و انصات کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ ہمارا ایمان مشائخ کے صرف اس مجمل قول لایوذن فی المسجد پر ہے۔ اور وہ بھی اتفاقاً۔ ورنہ ہم ان کے دو سے اقوال بھی تسلیم کرتے۔ حالانکہ ہمارا ان کا کسی امر میں اتفاق نہیں۔ پھر مشائخ کرام کے اقوال ہم پر کیوں حجت ہونے لگے۔ وہ اپنے قول لایوذن فی المسجد کی کچھ ہی وجہ بیان کریں۔ ہمارے نزدیک صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم محض اس وجہ سے ہے کہ اذان فی المسجد بارگاہ الہی میں بے ادبی ہے۔

خان صاحب نے دھوکہ دہی کی خاطر مشائخ کا قول پیش کیا

ناظرین اب تو آپ سمجھ کر درحقیقت مسلمانوں کے دھوکا دینے کے لیے اعلیٰ حضرت نے مشائخ کرام کا قول پیش کیا تھا۔ ورنہ کجا حضرات مشائخ کا پاکیزہ و معقول و مدلل خیال اور کجا اعلیٰ حضرت کا بے سروپا دعویٰ۔ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

فمائش سوم

اعلیٰ حضرت کا مسئلہ اذان میں سرمایہ ناز صرف فقرہ لایوذن فی المسجد ہے اس کی یہ حالت ہے کہ نہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہ صاحبین سے اس کی روایت نہ ان کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ متون معتبرہ متداولہ میں اس کا نشان۔ بعض فتاویٰ میں اس کا ذکر اور اس کا بھی محل وہ جو ہم نے بیان کیا جس کی وجہ سے وہ ہم کو مفید ہوا اور اعلیٰ حضرت کا خود ساختہ مطلب مرا حل اس سے دور رہا۔

بریلوی صاحب کے ماخذ نے ان کے خلاف ڈگری دے دی

اب پھر اسی کے متعلق گزارش ہے کہ فتاویٰ قاضی خان میں (جس سے اعلیٰ حضرت نے اپنے فتویٰ مبارکہ میں اس فقرہ کو نقل کیا ہے) اس طرح وارد ہوا ہے۔ وينبغي ان يوذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يوذن في المسجد۔ چونکہ یہ تمام عبارت کو اعلیٰ حضرت اپنے حق میں مضمر سمجھ گئے تھے۔ اس وجہ سے اس کا پہلا حصہ اڑا گئے اور صرف جملہ لایوذن پر قناعت فرمائی۔ اس عبارت میں مئذنة اور خارج مسجد کو باہمی ایک دوسرے کا تقسیم اور مقابل قرار دیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر کہ مئذنة اندرون مسجد فرض کیا گیا ہے ورنہ خارج مسجد ہونے کی صورت میں خارج مسجد کا مقابلہ صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کو اعتراف حق سے لرزہ آتا ہے

اب اعلیٰ حضرت کے لیے یہ مصیبت کہ اگر مٹھنہ کو داخل مسجد ماننے ہیں تو امر حق کا اعتراف ہوتا ہے جس سے ان کو لرزہ آتا ہے اور خارج مسجد تسلیم کرنے میں عبارت کی بے رطلی عیاں ہے۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت اس جملہ یذبغی ان یوذن کو حذف نہ کرتے تو کیا کرتے۔ اہل حق کے طور پر تقابل صحیح کیونکر وہ خواہ مخواہ اذان کو مسجد باہر نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ اذان ایسی جگہ دی جائے جہاں سے اعلام فونی ہو سکے خواہ داخل مسجد یہ بات میسر آوے یا خارج مسجد چونکہ مسجد کے دالان و صحن میں عموماً درو دیوار حائل ہونے کی وجہ سے اعلام میں نقصان نظر آیا اس وجہ سے یہ حکم دیا کہ اذان مٹھنہ پر ہونا چاہیے یا خارج مسجد کہ اول الذکر کو داخل مسجد ہے لیکن اس کی بلدی کی وجہ سے اعلام میں نقصان نہ ہو گا اور آخر الذکر (خارج مسجد میں دیوار در حائل نہ ہونے کے باعث اعلام فونی ہو گا۔ اور چونکہ مسجد کے صحن و دالان میں یہ بات نہیں اس وجہ سے ان کو لایوذن فی المسجد کہہ کر مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ جب خارج مسجد اور مٹھنہ (داخل مسجد) اذان کے لیے مخصوص ہو گئے تو اب سوائے صحن و دالان کے کیا باقی رہا جو ممانعت کے حکم میں آئے۔ در حقیقت اہل حق کو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مٹھنہ کو داخل مسجد میں حصر کریں۔ کیونکہ ان کو مد نظر اعلام ہے۔ اب خواہ مٹھنہ داخل مسجد دیا خارج مسجد وہ دونوں صورتوں میں اذان جائز رکھتے ہیں۔ تخصیص کی ضرورت اعلیٰ حضرت کو ہے کہ ان کے طور پر فرض ہے کہ مٹھنہ خارج مسجد ہو اور یہی تخصیص عبارت کو مکمل و بے ربطہ مادینے کے لیے کافی ہے۔ عوم کی صورت یا مٹھنہ کے داخل مسجد ماننے کی حالت میں عبارت اس بد نما عیب سے پاک رہتی ہے۔

خان صاحب جامہ سے باہر ہو کر مغلطات سنانے لگے

اعلیٰ حضرت اگر کلمہ معنی پر ہی نظر غائر ڈالتے تو ان کو اپنا استدلال پادر ہوا نظر آتا۔ کہ یہ کلمہ عموماً اولویت میں مستعمل جس سے ثابت کہ اذان اگر خارج مسجد اولیٰ و افضل ہے تو داخل مسجد غیر اولیٰ نہ کہ خلاف سنت و بدعت۔ اور اگر کسی اصول قاعدہ سے اعلیٰ حضرت یذبغی کے معنی یجب کر دکھائیں سو اس کا درجہ اسی قدر ماننا چاہیے کہ اس قاعدہ کی رو سے یہ حکم ہے نہ یہ کہ اس کو نص صریح کا ہوزن قرار دے کر تمام مسلمانوں کے لیے قصیق و تکفیر کا دروازہ کھول دینا اور بیٹھے ٹھائے جامہ سے باہر ہو کر سب کو مغلطات سنانا۔ مسلمانوں اتم نے دیکھا کہ حضرات مشائخ کرام اس مسئلہ میں کس قدر نرم اور موجودہ صدی کے مجدد کس قدر گرم ہیں۔ پھر جو دونوں میں بین تفاوت ہے وہ جدا رہا جب ایسی بے بنیاد بات اور ضعیف حجت بلکہ باطل شبہ پر اعلیٰ حضرت نے یہ شور خشر مپا کر دیا تو نہ معلوم اس وقت کیا قیامت ڈھاتے جب کہ دلیل میں قوت اور دعویٰ میں قدرے معقولیت ہوتی۔

فمائش چہارم

جب اعلیٰ حضرت نے اعلام و انصاف کے فرق کا خاتمہ کر دیا اب ان کو اذان خطبہ پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے کون روک سکتا تھا۔ انہوں نے اذان بیگانہ کی مد میں اذان خطبہ کو بھی شامل کر کے سب دہان بائیں پھیری کی محض صادق کی اور یہ نہ سمجھے کہ لایوذن فی المسجد اذان بیگانہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہاں اعلام غائبین مقصود۔ اعلام کامل عموماً اندرون مسجد نہیں ہوتا۔ لیکن اذان خطبہ نے کیا قصور کیا کہ اس کو بلا وجہ بلا سبب مسجد باہر کیا۔ جب کہ اس سے غرض محض انصاف حاضرین ہے کہ وہ اذان سن کر خطبہ کے لیے مستعد ہو جاویں۔ اس کے لیے تو یہی موزوں ہے کہ اندرون مسجد ہو۔ آپ کو لایوذن فی المسجد پر ناز ہے تو آپ کے مخالف کے لیے بین یدی الخطیب وعند المنبر وعلی المنبر۔ کافی ہیں۔ آپ اگر مصلحت اعلام نظر انداز کر کے لایوذن میں تمسیم فرمادیں گے اور اس طرح اذان خطبہ پر بھی اس کو

حاوی ثابت کریں گے تو آپ کے مخالف کے لیے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ بین یدیدہ میں تعمیم کر کے آپ ہی کے اصول پر اذان اندرون مسجد ثابت کر دے اور آپ کی طرح کہے کہ بین یدیدہ صرف محاذات کو چاہتا ہے۔ خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد۔ آپ کیوں خارج مسجد کے خواہ مخواہ ٹھیکہ دار ہوتے ہیں۔ اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔

بریلوی صاحب کا عموم خود انہیں پر لوٹ پڑا

جنہوں نے اذان خطبہ داخل مسجد ہونے پر زور دیا ان سے الٹی سیدھی گفتگو کر کے آپ بظاہر عمدہ بر آہو گئے۔ لیکن جو شخص کسی امر کا مدعی نہ ہو کر صرف آپ کے دعویٰ کی تصحیح کرنا چاہے اس کا آپ نے کیا تدارک کیا ہے۔ وہ آپ ہی کے قول سے آپ کے دعویٰ کی تردید کر سکتا ہے اور آپ اف بھی نہیں کر سکتے۔ فرمائیے آپ ہی نے تو یہ جا جا ارشاد فرمایا ہے کہ بین یدیدہ میں کیا دھرا ہے۔ وہ تو صرف محاذات کو چاہتا ہے۔ گز ڈیڑھ گز میں محصور نہیں ہو سکتا۔ جب اس میں اس قدر تعمیم ہے تو آپ کو کیا حق ہے کہ باب مسجد پر اذان کا حصر کر دیں کہ نہ آگے بڑھنے کی گنجائش نہ پیچھے ہٹنے کی۔ آپ کی اس تعمیم کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اذان خطبہ ہر طرح جائز ہے خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد۔ خارج مسجد کی صورت میں باب مسجد پر ہو یا سڑک پر ہر طریقہ منبر کے محاذی ہو آپ اس لفظ کے اطلاق سے دوسروں کا حصر باطل کر رہے ہیں اور اپنے حصر کی خبر نہیں لیتے کہ وہ بھی ان کے حصر کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔ آپ کا یہ عذر لنگ ہی میاں نہیں چل سکتا کہ میں مانع ہوں اور میرے مخالف علماء بین یدیدہ سے متدل نہیں نے اس میں اطلاق و تعمیم کر کے ان کے استدلال کا خاتمہ کیا کیونکہ آپ کا مخالف وہ ہے جس کا مدعا صرف آپ کے دعویٰ کی تصحیح ہے اور بس وہ اس عذر بارود کو پامال کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ آپ اس ترکیب سے ظاہر بین نظروں میں کسی کے استدلال کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کتب فقہیہ میں جو عام طور پر لفظ ہیں بین یدیدہ الخلیب وارد ہو گیا ہے۔ اس کو نہیں محو کر سکتے اور نہ اپنے

اس لکھے ہوئے سے منحرف ہو سکتے ہیں کہ (بین یدیدہ میں کیا دھرا ہے وہ صرف محاذات کو چاہتا ہے گزڈیڑھ گز میں محصور نہیں ہو سکتا) پس میرے لیے (کہ بار استدلال سے سبکدوش ہوں) فقہاء کرام کا وہ لفظ (بین یدی الخطیب) اور آپ کی یہ تحریر (جو اس لفظ میں تعمیم ثابت کر رہی ہے) آپ کے استعمال دعویٰ کے لیے کافی ہے۔ اب آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ لایوذن فی المسجد کے عموم سے یہاں حصر ثابت کریں۔ اس طرح کہ بین یدیدہ کو جو صرف محاذات کو چاہتا ہے عموم سے معری کر کے اذان خطبہ کو باب مسجد میں محصور کر دیں۔ یہ ترکیب اس وجہ سے بیکار ہو گئی کہ لایوذن کی طرح اب بین یدیدہ بھی عام ہے۔ تسلیم کیا کہ لایوذن میں عموم ہے کہ تمام اذانوں کو حاوی ہے حتیٰ کہ اذان خطبہ بھی اس کے دائرہ عموم میں آگئی لیکن اسی طرح بین یدیدہ جو اذان خطبہ کے متعلق وارد ہوا ہے عام ہے۔ اس طرح کہ داخل مسجد و خارج مسجد دونوں کو شامل ہے۔ لایوذن اپنے عموم کی وجہ سے اذان ہچکچانہ و اذان خطبہ دونوں کو شامل اور بین یدیدہ اپنے عموم کے سبب داخل مسجد و خارج مسجد دونوں کو حاوی پس ایک کو اپنے عموم پر باقی رکھنا اور دوسرے کو خاص قرار دینا تحکم و زبردستی ہے یا نہیں۔ اگر لایوذن آپ کے نزدیک بین یدیدہ کا تخصص ہے تو اسی طرح بین یدیدہ لایوذن کا کیوں تخصص نہیں ہو سکتا۔ لایوذن کی تخصیص کا اگر یہ ثمرہ ہے کہ اذان باب مسجد پر محصور ہو گئی تو بین یدیدہ کی تخصیص کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہونے لگے بلکہ بتادار کے لحاظ سے وہیں محصور ہو جائے۔ آخر بین یدیدہ کے مفہوم کو آپ بھی عام تسلیم کرتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اس کا عموم آپ ہی نے سب کو سمجھایا جب آپ ہی کا سمجھایا ہوا مطلب آپ کے دعویٰ کا استیصال کرنے لگا تو آپ نے اس کی حفاظت اس طرح کی کہ گو بین یدیدہ کی رو سے اذان داخل مسجد ہو سکتی ہے کہ یہ صرف محاذات کو چاہتا ہے لیکن لایوذن فی المسجد اس کا تخصص ہے۔ اس وجہ سے ہم اس عام کو عام مخصوص منہ البعض کے قبیلہ سے گردانیں گے۔ اسی طرح آپ کے مخالف کو بھی منجائش ہے

کہ وہ کہے کہ گولایوڈن فی المسجد کی رو سے اذان خطبہ داخل مسجد نہیں ہو سکتی کہ وہ تمام اذانوں کو حاوی ہے لیکن بین یدیدہ اس کا تخصیص ہے۔ اس وجہ سے ہم اس عام (لایوڈن) کو عام مخصوص منہ البھض کے قبیلہ سے گردانیں گے۔ اور علی المنہر وعند المنہر سے جو قرب متبادر ہے اس کے لحاظ سے اذان خطبہ کو اندرون مسجد محصور کر دیں گے۔ آخر اس کی وجہ کیا کہ ایک عام (لایوڈن) دوسرے عام (بین یدیدہ) کا تخصیص اور ممزولہ استثنیٰ کے قرار پائے اور دوسرے عام کو اس منصب تخصیص و استثنیٰ سے محروم کیا جائے۔ دونوں لفظ فقہاء کی عبارات میں وارد ہوئے ہیں۔ فرق تو اس قدر کہ بین یدی الخطیب اور بین یدیدہ کی تصریح سے ان کی کوئی کتاب خالی نہیں لایوڈن فی المسجد سے تمام متون اور اکثر شروح و تاوی عاری ہیں۔ پھر آپ کی سمجھ میں باوصف بین یدیدہ کو عام مان کر وہ بات کیا آئی ہے جس سے آپ نے لایوڈن کو عموم کے لیے انتخاب کیا ہے اور بین یدیدہ کو تخصیص کے لیے اور وہ کیا معیار ہے جس کے ذریعہ آپ نے دونوں کو پرکھ کر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ کیا آپ کی نظر سے وہ واقعہ نہیں گزرا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ حاملہ متونی عننا زوجا کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ تھا کہ اس کی عدت اہد الاجلین ہے اس کی ماضی صرف یہ تھی کہ ہر دو آیت کریمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے عموم پر باقی رکھا تھا اور ہر ایک کو دوسرے کا تخصیص قرار دے کر یہ احتیاطی فیصلہ فرمایا کہ عدت اہد الاجلین ہونا چاہیے۔ اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ جانتے تھے کہ آیت کریمہ اولات الاحمال الایہ متاخر ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس امر میں جس میں مزاحمت تھی اس کو خارج قرار دیا۔ لیکن آپ کے پاس کیا ایسی زبردست دلیل ہے جس کی رو سے آپ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکو۔

اعلیٰ حضرت احتیاطی فیصلہ دینے کے قابل نہ رہے

آپ اس مقام میں کوئی احتیاطی بھی فیصلہ دینے کے قابل نہیں رہے کیونکہ یہ تو جب ہو تا کہ آپ اپنے قول کو احوط کہتے ہیں اور مخالف کی رائے کو غیر محتاط، آپ نے ستم یہ کیا کہ مسئلہ کو سنت و بدعت میں دائرہ کر دیا بلکہ اذان اندرون مسجد کو بارگاہ الہی کی بے ادبی و گستاخی فرما گئے۔ آپ کو یہ کب سزاوار ہے کہ یہ کہہ کر کہ (اذان علیٰ باب المسجد کی صورت میں دونوں پر عمل ہو جاتا ہے) کیونکہ عقوبت گزاری کر سکتے ہو مخالف آپ کا یہ نہ کہے گا کہ حضرت احتیاط کو آپ سر دست بالائے طاق رکھئے۔ آپ تو مسجد میں اذان کو بارگاہ الہی کی بے ادبی فرماتے تھے۔ اور یہ لیجئے وہ عین ید یہ جس کو آپ نے بھی عام فرمایا ہے اس کا عموم آج یہ ستم ڈھار ہا ہے کہ مسجد میں بھی اذان دینے سے نہیں روکتا۔ رہی آپ کی بدعت و بے ادبی اس کا اثبات آپ کے ذمہ لیکن عین ید یہ کے عموم سے آپ کو کہاں مفر؟ اس عموم نے تو اذان کو مسجد میں داخل کر ہی دیا گو کہ اس کا دخول غیر احوط ہی کیوں نہ ہو لیکن بدعت و کفر کے نزعہ سے تو کھل گیا۔ اس قدر حزلات و ارخاء عثمان کے بعد دیکھنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کیا جواب شافی عطا فرماتے ہیں کیونکہ یہ مصیبت خود انہوں نے اپنے ہاتھ مول لی ہے۔ بھول گئے کہ۔

الجما ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں میاد آگیا

اعلیٰ حضرت مسلمانوں پر تشدد و سختی کرنے سے تائب ہو جائیں

صرف اس حد کے تعقیب سے تمام نزاع کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ براہ کرم اعلیٰ حضرت اس کا شافی جواب دیں ورنہ مسلمانوں پر تشدد و سختی کرنے سے تائب ہو جاویں۔ البتہ اپنے اجماع و اذنب کو جس قدر چاہیں اجر تقسیم کریں ہم کو اس سے حد نہیں لیکن اس سا پر دوسروں کی تحلیل و تفسیق نہ فرمادیں۔

فہمائش پنجم

اعلیٰ حضرت نے لایوذن فی المسجد کے عموم پر خوب عمل کیا کہ اذان خطبہ تک بھی اس عموم کے تحت میں داخل کر دی لیکن ساتھ ہی اس کے کئی تصریحات فقہاء کرام کے عموم کا خون کر دیا رد المحتار کی اس جلیل تصریح و ینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران میں فی موضع عام ہے جس سے بدامت ثابت کہ اذان خواہ کسی جگہ ہو لیکن اسمع للجیران ہو۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک فی موضع سے خارج مسجد مراد ہے۔ ایک خون یہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ بین یدیه کو خود بھی عام مان کر کہ (اس میں کیا دھرا ہے یہ صرف محاذ کو چاہتا ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر) اس کی تخصیص کر بیٹھے کہ اذان باب مسجد پر ہونا چاہئے۔ نہ اس سے آگے بڑھنے نہ پیچھے۔ اور اپنا قول فراموش کر گئے جو شخص اپنے حلیم کردہ عموم کا اس میدردی سے خون کرے اس سے عموماً فقہاء کرام کے خون کرنے کی کیا شکایت اعلیٰ حضرت نے لایوذن فی المسجد پر تو بظاہر عمل کیا لیکن یہ خیال نہ فرمایا کہ مصلحت اعلام فقہاء کرام کے نزدیک اس قدر واقع ہے کہ موذن کو اعلام کی خاطر استدراہ اور گھومنے کی بھی اجازت دے دی۔ جس کی تصریح گذر چکی۔ اس کا فقرہ یہ ہے کہ ویستدیر فی المنارة ان لم یتم الاعلام بتحویل وجہ مع ثببات قدمیہ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اندرون مسجد تھی

فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مقصود اعلام ہے خواہ کسی جگہ اور کسی طریق سے ہو حتیٰ کہ گھوم کر ہو یا مسجد میں یا مسجد کی محبت پر چنانچہ علامہ شامی نے اس کی تصریح ہی نہیں کی بلکہ حدیث صحیح سے مدلل کر دیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیچہ سقف مسجد پر بعد تغیر مسجد اقدس اذان دیا کرتے تھے فرمائیے۔ یہ اذان داخل مسجد ہوئی یا خارج مسجد مسجد کی محبت کی نسبت فقہاء کی تصریح ہے کہ وہ حکم میں مسجد کے ہے ہدایہ میں ہے۔

لان سطح المسجد له حکم المسجد حتی یصح

الاقتداء منه بمن تحته ولا يبطل الاعتكاف بالصعود
 الیہ ولا یحل للجنب الوقوف علیہ۔ دیکھے کیا تصریح جلیل ہے
 کہ مسجد کی چھت مسجد کے حکم میں ہے حتیٰ کہ جو نمازی چھت پر ہیں۔ ان کا
 اقتداء صحیح چھت پر چڑھنے سے اعتکاف نہیں باطل ہوتا۔ جنبی کا وقوف وہاں
 جائز نہیں۔

اب فرمائیے اس کے مسجد ہونے میں کیا شبہ رہا۔ نمایہ حاشیہ ہدایہ میں اس
 کی اور پختگی کر دی گئی۔ لان حکم المسجد فی السقف والہوا
 جمیعاً۔ یعنی چھت تو جائے خود رہی اس کی ہوا کو بھی مسجد کا حکم ثابت اس
 سے بڑھ کر فتح القدیر کی تصریح ہے کہ لان سطح المسجد لہ حکمہ
 الی عنان السماء یعنی سقف مسجد سے لے کر آسمان تک جو
 اس چھت کی محاذات میں ہے حکم مسجد میں ہے۔ اس سے بدامت یہ نتیجہ نکلا کہ
 حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ اندرون مسجد اذان دیا کرتے تھے۔ یہ بھی ہم نے
 تنزیلاً کہا کہ نتیجہ نکلا اور نہ یہ نص خود اس بارے میں ناظر ہے کہ عند اقدس میں
 حضرت بلال دائمی طور پر اندرون مسجد اذان دیتے رہے۔

اعلیٰ حضرت کا حضرت بلالؓ اور حضور اقدسؐ پر نہایت بے باکانہ حملہ
 اب اگر مسجد میں اذان دینا بارگاہ الہی کی بھول اعلیٰ حضرت بے ادبی و گستاخی
 ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ بارگاہ الہی کی بے
 ادبی و گستاخی کرتے رہے۔ لطف یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی
 ان کو منع نہ فرمایا اور اس بے ادبی سے ان کو نہیں روکا اور گستاخی بھی ایسی گستاخی
 جو دائمی تھی۔ اور کس کی گستاخی بارگاہ الہی کی اور صادر کس سے ہوئی حضرت
 بلال رضی اللہ عنہ سے اور اس کی اجازت کس نے دی۔ العیاذ باللہ اس مقدس
 ذات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی بعثت کا اعلیٰ مقصد یہ تھا کہ تمام مدعوں کی
 گردنیں مالک حقیقی کے سامنے خم کرادیں۔ نعوذ باللہ من شرور
 انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ اعلیٰ حضرت فرمادیں کہ لا یؤذن فی

المسجد سے مرتبہ میں یہ تصریح کم تھی جو آپ تو اس کو نظر انداز کر گئے۔ اور یہ عظیم ترین قباحت آپ نے اختیار فرمائی۔ ان تمام ذلتوں کا سرچشمہ صرف ایک بات ہے کہ آپ نے مصلحتِ اعلام کو نظر انداز کیا کیا تماشہ کی بات ہے کہ بعض فقہاء کرام لایوذن فی المسجدِ اعلام کی مصلحت سے فرما رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت اس کی علت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی قرار دے رہے ہیں۔ زہے اعلیٰ حضرتی ولمائی۔

تجلی سوم

اعلیٰ حضرت کے اس فقرہ (مجاہل یا جہل سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) پر یہ اعتراض ناظرین کو ضرور ہو گا کہ مصنف القول الاظہر گو مجہول یا جاہل سہی لیکن اعلیٰ حضرت بھی اگر ہیں تو صرف ایک مفتی۔ دوسرے مفتیاں کرام برادر ہر سائل کا جواب دیتے ہیں اور یہ عذر سائل سے نہیں کرتے کہ چونکہ تم مجہول یا جاہل ہو تم سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ حالانکہ سائل سے یقیناً علم و فضل میں ان کو فوقیت ہوتی ہے۔ اس خدشہ کو ناظرین اس طرح دفع کریں کہ دوسرے مفتیان کرام مثل اعلیٰ حضرت مجدداتہ حاضرہ نہیں ہیں۔ یہ صرف مجدداتہ حاضرہ ہی کو زیبا ہے کہ دینی مسئلہ میں بھی دنیوی وجاہت و جاہ و طمطراق کا لحاظ کر کے جواب دے۔ ورنہ پھر مجدد و غیر مجدد میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا۔

بریلوی صاحب کا علماء عصر سے تقابل

اب اگر ناظرین کو کسی قسم کا خدشہ رہ سکتا ہے تو صرف یہ کہ منصب مجددیت ان کو کیسے حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ محض فتویٰ نویسی اس کا سبب نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ہندوستان کے تمام مفتیان کرام اس منصب عالی کے کیوں سزاوار نہیں۔ خصوصاً اسلامی ریاستوں مثل حیدر آباد دکن۔ بھوپال ٹونک وغیرہ کے مفتیان کرام کہ وہ منجانب ریاست خدمت فتویٰ نویسی کے لیے فارغ کر دیئے

گئے ہیں۔ اور جن کا شب و روز یہی کام ہے۔ اس وجہ سے یہ نہایت قرین قیاس ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت سے بھی زائد وسیع النظر ہوں۔ پس محض فتویٰ نویسی ہی اگر اس کا سبب ہوتی تو پھر مجددیت کا سرا جائے اعلیٰ حضرت کے ان کے سر مدد مانتا چاہیے۔

خان صاحب نے کبھی تدریس کا خواب سادیکھا تھا

رہی تدریس تو اس کا اعلیٰ حضرت نے کسی زمانہ میں صرف خواب ہی دیکھا ہے کہ وہ ان کو خواب پریشاں کی طرح یاد بھی نہ رہا۔ کثرت تالیفات کے باعث بھی وہ اس منصب کے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ کثرت تعداد کی صورت میں کسی طرح وہ نواب صدر الدین حسین خان صاحب رکیں بڑودہ سے نہیں بڑھ سکتے۔ کہ جنہوں نے انسان کی ابتدائی حالت سے لے کر انتہا تک تدریجی مراتب سے بحث کرتے ہوئے اس کے اعمال و افعال کے متعلق نہایت مبسوط بحث اس طرح لکھی ہے کہ ہر عمل و فعل پر ایک رسالہ تحریر فرمادیا ہے۔ اس وجہ سے ان کا شمار تصنیف کنی سو ہو گیا ہے۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے لطف یہ کہ تصانیف عموماً انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اس طرح کہ غیر مسلم کے دل میں اسلام کی خوبیاں راسخ ہوں اور مسلمان اپنے حادہ مستقیم پر ثابت قدم رہیں۔ ان میں بے دردی کے ساتھ تفریق بین المسلمین اور ان کی تکفیر و تفسیق و تضلیل کا سبق نہیں پڑھایا گیا بلکہ صلح اور اتفاق کا کافی درس دیا گیا ہے کہ جس کے فقدان کے باعث موجودہ نحوست مسلمانوں پر سوار ہے۔ اور وقت مضامین و کثرت افادہ و زیادتی حجم کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت کی تالیفات کو حضرت مخدوم الانام عالی جناب استاذنا المعظم مولانا مولوی حکیم حاجی سید برکات احمد صاحب مدظلہم العالی و حضرت حقائق آگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم معین الہام امور مذہبی صوبہ دکن کی تالیفات کے ساتھ سوائے تضاد کوئی نسبت نہیں ہر دو مخدوم کی تصانیف نہایت یر مغز و بے حد مفید ہیں کہ جو نہ صرف عوام کو

مفید بلکہ ان ہر دو بزرگوار کی بعض تصانیف اے سے خواص علماء بھی بے نیاز نہیں

۱۔ عام افادہ کی غرض سے ہم ان ہر دو بارہ روزگار کی بعض مخصوص تصانیف کا نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ بے خبر حضرات مطلع ہو کر ان سے مستفید ہوں اور اجمالی طور پر ناظرین کو ان کی با وقعت تصانیف کا اندازہ ہو۔ اگرچہ ان میں سے بعض مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں اور ہمارے تعارف سے قطعاً بے نیاز۔

فہرست تصانیف حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب۔ تصانیف حضرت مولانا حکیم سید محمد برکات احمد

نام کتاب کیفیت نام کتاب کیفیت

۱۔ انوار اللہ دینی یہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں قابل دیدر سالہ الحجۃ البازغہ فی تردید فلاسفہ کی اہمیت مسائل کا اجمال

مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ ہجرات الفلاسفہ کر کے جدید کلام کی بنیاد ملی ہے۔

۲۔ انوار احمدی آداب زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ تقریباً ۳۰ ج میں مہلج اثاثہ

۳۔ انوار اللہ اسلام حب راہ میں طبع ہوئی ہے۔

۴۔ سالہ ترجمہ ۲۰ ج میں مہلکین و مشائخ و صوفیہ کرام و

۵۔ ایک تحریر مرزائی کا دندان حسن جواب مشرقیہ کا جدید مسلک توحید

۶۔ بیان کر کے توحید وجودی ثابت ہے۔

۷۔ نام الکلام فی کیسے

حقیقۃ الہیہ

۸۔ افادۃ الافہام مرزائی کا بیان کی مشہور کتاب توحید الہیہ نام ۴۔ سالہ وجود راہی

۹۔ کتاب انصاف جلد ۲ کی تردید ہے

۱۰۔ کتاب انصاف جلد ۳ اصل کی دوسری نقل کی اہمیت ثابت ہے ۵۔ سالہ وجود راہی جدید

۱۱۔ مناقب امام اعظم و اہل بیت قیاس شرعی و ۶۔ تعلیقات علی الدرر

۱۲۔ جلد ۳ تقلید میں بتغیر کتاب ہے ۷۔ سالہ حوالہ

۱۳۔ شمس العلماء شمس فیضی کی مشہور کتاب ۸۔ تعلیقات حاشیہ امور

۱۴۔ اسلام جلد ۱ الکلام پر مختلفہ تفسیر ہے۔ عام

۱۵۔ سالہ ۲ سالہ ۹۔ سالہ بر میرزا لہو سالہ

۱۶۔ سالہ ۳ سالہ ۱۰۔ سالہ تردید شریف

۱۷۔ سالہ ۴ سالہ ۱۱۔ تعلیقات سنن دولوی

۱۸۔ اس میں طاقت لاسیہ کی فضائل مذکور

۱۹۔ دوسری کے ساتھ کی گئی ہے۔

۲۰۔ سالہ ۷

۲۱۔ سالہ ۸

۲۲۔ سالہ ۱۶۔ سالہ ۱۱۔ سالہ ۱۰۔ سالہ ۹۔ سالہ ۸۔ سالہ ۷۔ سالہ ۶۔ سالہ ۵۔ سالہ ۴۔ سالہ ۳۔ سالہ ۲۔ سالہ ۱۔ سالہ

۲۳۔ سالہ ۱۷۔ سالہ ۱۲۔ سالہ ۱۱۔ سالہ ۱۰۔ سالہ ۹۔ سالہ ۸۔ سالہ ۷۔ سالہ ۶۔ سالہ ۵۔ سالہ ۴۔ سالہ ۳۔ سالہ ۲۔ سالہ ۱۔ سالہ

۲۴۔ سالہ ۱۸۔ سالہ ۱۳۔ سالہ ۱۲۔ سالہ ۱۱۔ سالہ ۱۰۔ سالہ ۹۔ سالہ ۸۔ سالہ ۷۔ سالہ ۶۔ سالہ ۵۔ سالہ ۴۔ سالہ ۳۔ سالہ ۲۔ سالہ ۱۔ سالہ

تکلیف رسالہ ہے۔

ہو سکتے۔ غرض یہ وجہ بھی باعث مجددیت نہیں۔ ورنہ یہ ہر دو بزرگوار اس منصب عالی کے بہ نسبت اعلیٰ حضرت بہت زیادہ مستحق! ہیں۔

وہ فضائل جن پر چودھویں صدی کے مجدد کی تجدید کا مدار ہے

پھر آخر وہ کیا فضائل ہیں جس نے خاک پاک بریلی کے ایک مفتی کو مجدد بنا دیا۔ یہ ایک سوال ہے جو ناظرین کو حیرانی میں ڈال سکتا ہے۔ اس سوال کے حل کے لیے اعلیٰ حضرت کے بعض ایسے فضائل کا تذکرہ ہم ضرور کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کے ہاتھ ایک دستور العمل آجائے گا۔ کہ چودھویں صدی کی تجدید کے لیے یہ شرائط تھے کہ جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی عالم و مفتی و عارف کو نصیب نہ ہوئے اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ان کا یہ خدشہ رفع دفع ہو جائے گا۔

فضیلت ۱۔ پہلودار گوئی

اعلیٰ حضرت اپنے مخالفین کو شدت غیظ میں بھی جائے سب و شتم صرف پہلودار بات سناتے ہیں۔ چنانچہ اپنے مقلد اجمل اکذب کے صفحہ ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

انہیں کوئی پہلودار لفظ کہا اور ان سنی مسلمان نے والوں کی تہذیب میں آگ لگی۔

حقیقت میں یہ ان کی شان تجدید ہے۔ کہ حالت غیظ بھی وہ فرط تحمل سے

۱۔ فقیر کی رائے میں باعتبار توفیق و صلاح و کثرت لکھنؤ و برکات اس دور کے حقیقی و اصلی مجدد دینی ہر دو بزرگوار ہیں کہ تمام اوصاف مجددیت ہر دو میں موجود ہیں۔ جس قدر سلسلہ تعلیم و تعلم و اقامت مدارس و اعانت اہل علم کا طور ان ہر دو چشمہ ہدایت سے ہوا اس کی نظیر فقیر کی نظر میں مفقود۔ باب تجدید میں فقیر ان حضرات کا متبع ہے جو ایک مصرع میں تعدد مجددین کے قائل ہیں۔ اس مصرع میں اگر کسی جگہ انہیں اوصاف کے ساتھ کوئی اور برگزیدہ ذات ہو ان کی تجدید کا بھی فقیر منکر نہیں۔ رسالہ میں ان ہر دو بزرگوار سے اس تجدید کی نفی کی ہے جو اعلیٰ حضرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

صرف پہلودار الفاظ استعمال فرماتے ہیں نہ کہ صریح سب وشم ہم نے بھی ان کی بعض تصانیف کا مطالعہ کیا واقعی ایسے مواقع میں پہلودار الفاظ معانیہ میں آئے کہ جو صرف ایک پہلور کہتے ہیں۔ ان پہلودار الفاظ میں آپ کو لفظ تین زیادہ مرغوب ہے۔ خلقت اس کو فحش وایہام فحش و بازاری گفتگو کہتی ہے۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ سوغنی ہم ان کی بعض کتب سے حوالہ صفحات چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ کوئی پہلودار لفظ کہنا یا عام مخلوق کا یہ گمان کہ وہ پہلودار لفظ نہیں بلکہ فحش و بازاری گفتگو ہے۔ پہلے لفظ تین کے مختلف استعمالات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت ممدوح صدر الصدور صاحب بالقاب نے اور بھی آسانی دیکھی بدایونیوں کو دوسری کا جو تاہو یا ملتا تھا دہائیہ ورامپوری انہیں تین کا ملا۔ صفحہ ۱۳۰ جل الرضا۔

تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ۔ مقتل کذب کید صفحہ ۵۶۔ تیسرا ان کے نصیبوں کا سب میں سیدھا۔ سدالفرار صفحہ ۱۱۔ اگر یہ کمال بے حیائی اپنی دوستی میں وہ تیسرا احتمال داخل بھی کر لے۔ وقعات السان صفحہ ۲۸۔ مسماۃ یہ تیسرا بھی کیسا ہضم کر گئی۔ وقعات السان صفحہ ۴۶ تیسرا دونوں سے بڑھ کر مضر سدالفرار صفحہ ۵۶ یہی تینوں آگریہ نے ہضم فرمائے۔ سدالفرار صفحہ ۵۷ پچ میں سے تین حرف کا جملہ پکڑ لیا۔ وقعات السان صفحہ ۴۸۔ ہمارے اگلے تین پر پھر نظر ڈالیے۔ دیکھئے وہ رسیا والے پر کیسے ٹھیک اتر گئے۔ وقعات السان صفحہ ۵۲۔

باقی امثلہ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔ اب وہ مثالیں پیش ہیں جن میں عدد تین کی پامدی نہیں ہے۔ اور پہلودار ہونے میں امثلہ مذکورہ کے موافق ہیں۔ اس پر اگر وہ والی یوں نکھرتی ہے۔ سدالفرار صفحہ ۱۶۔ آپ معمول مجہول کا بیوند جوڑ کر دخول کی مشکل آسان بھی کر لیں۔ سدالفرار صفحہ ۳۹۔ تمہارا نام

الف کے تلے لیں۔ وقعات السنان صفحہ ۱۷ ہے ہے، آدمی لکھی ہے ہے پوری نہ لی وقعات السنان صفحہ ۴۸۔ بھلے مانس کی صورت شیطان ملعون کی ٹانگ تلے آ کر کفر زبان سے نکال دیا۔ رسلید والا بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی کرے سے پالا پڑا تھا۔ اب وہ کھولوں جس سے مخالف چند ہیا کر پٹ ہو جائے۔ وقعات السنان صفحہ ۵۰۔ سب پر ابلیس ایک طرح سوار۔ دوسرا اور مسماہ کی گرہیں کھولنے اترتا ہے۔ وقعات السنان صفحہ ۵۲ سوال ۳۴ میں قلاں و قلاں کے سوراخوں والا میان نہ بھول جانا۔ وقعات السنان صفحہ ۵۴۔ انچا سواں رسلید والے پر ٹھیک اتر گیا۔ وقعات السنان صفحہ ۵۶ مت کئی کیوں نہیں جاری وقعات السنان صفحہ ۶۱ رسلید کی چک پھیریاں تو گوہر کو بھی مات کر گئیں۔ اب مسلمان کے چیلنے کو پھر کاوا کا تھی ہے۔ وقعات السنان صفحہ ۶۹۔ یہ مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں جن کو کل کے ساتھ ایک قطرہ کی نسبت ہے۔

بریلوی صاحب کے فحش کی نسبت خلقت کی غلط فہمی اور اس کا جلیل حل

ان الفاظ کی نسبت خلقت کہتی ہے کہ یہ صریح فحش ہیں اور اس وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اس طرح طعن کرتی ہے کہ ایسے شخص کو نیکی کا اسفل درجہ بھی نہیں دیا جاسکتا کہ معاذ اللہ اس کو شیخ وقت اور مجدد تسلیم کرنا کہ یہ ایسی زبردست سفاہت و حماقت ہے کہ اس کے بعد حماقت کا کوئی درجہ نہیں۔ اس بازاری گفتگو پر بھی اگر کوئی جماعت اس کو مقتداء تسلیم کر لیتی ہے تو پھر وہ بازاریوں اور پاک شدوں کی کیوں نہیں معتقد ہو جاتی۔ جب کہ اس کے شیخ جیسے اوصاف ان میں بھی پائے جاتے ہیں اور کیوں نہیں سب کو مجدد ماثہ حاضرہ مانتی جب کہ صفت خاصہ میں دونوں کو اشتراک ہے لیکن خلقت کا یہ اعراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ خلقت کی اصطلاح میں فحش وہ ہے جس کی طرف ذہن کا انتقال فی الجملہ ہو جائے خواہ لفظ اس کے لیے موضوع ہو یا نہ ہو۔ پھر انتقال قریب ہو یا بعید۔ قرب کی صورت میں بطور لازم عین کے ہو یا نہ ہو۔ اس کی طرف تبادر عرفا و حقیقہ ہو یا نہ ہو سب فحش میں داخل ہیں اور اس وجہ

سے خلقت اس سے محترز بھی رہتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک فحش کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ لفظ خاص فحش کے لیے موضوع ہو۔ اور اس کے سوا کسی دوسرے معنی کی طرف ذہن منتقل ہی نہ ہو۔ بلکہ کھونٹی کی طرح اسی پر جم کر رہ جائے۔ پس صرف یہ فحش ہے اور باقی اقسام سب پہلو دار میں داخل ہیں۔ اس خلاف کا ثمرہ یہ نکلا کہ الفاظ مذکورہ خلقت کے نزدیک فحش ہیں تو اعلیٰ حضرت کے نزدیک پہلو دار خلقت کہتی ہے کہ (تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ) صریح فحش ہے کہ اس میں صراحۃً امر مذموم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ لفظ چوٹ ایک خاص قسم ضرب کی لیے موضوع ہے خواہ وہ پتھر کی پتھر کے ساتھ ہو یا لوہے کی لوہے کے ساتھ۔ اب اس سے خواہ مخواہ تم وہ خاص بات سمجھ لو تو یہ تمہارے ذہن کا قصور ہے۔ اسی طرح لفظ تین خاص عدد کے لیے موضوع ہے۔ چوٹ کے ساتھ اس کے اقتران سے کوئی جدا معنی نہیں پیدا ہوئے جو حالت انفراد تھے۔ وہی اب رہے۔ پس اس میں قباحت کیا ہوئی۔

خان صاحب کے نفیس محاورات

اس طرح خلقت ان پر طعن کرتی ہے کہ اس فقرہ (اگر بجمال بے حیائی اپنی دوستی میں وہ تیسرا داخل بھی کر لے) میں سراسر فحش ہے کہ اولاد دوستی کے ساتھ لفظ تیسرا ہی فحش مادے کے لیے کیا کم تھا جو داخل اور بے حیائی بڑھا کر اس کو اور چار چاند لگا دئے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے لیے یہ کافی عذر ہے کہ حالت انفراد کسی میں فحش نہیں۔ البتہ ان لفظوں کے اجتماع سے ایسے لطیف معنی پیدا ہو گئے جس سے فحش متبادر ہونے لگا۔ لیکن محض متبادر فحش کے لیے کافی نہیں تاؤ فحش پر اس کا اقتضار و حصر نہ ہو۔ ورنہ اشتراک کی صورت میں بھی فحش نہ رہے گا۔ یہ خلقت کی زیادتی ہے کہ وہ ایسے نفیس محاورات کو ادنیٰ انتقال ذہنی پر فحش کہنے لگی۔ اور اتنا خیال نہ کیا کہ کسی کلام کا فحش ہو یا کوئی دل لگی نہیں ہے کہ معمولی متبادر ذہنی سے وہ فحش ہو جائے بلکہ متبادر کے ساتھ کلام

کے فحش ہونے میں وضع و نفی اشتراک کی ضرورت ہے۔ البتہ اس قسم کا کلام پہلودار قرار دیا جاسکتا ہے۔

فحش محاوروں پر اعلیٰ حضرت اور شہدوں کا توارد

اسی طرح خلقت بے محل یہ طعن کرتی ہے کہ یہ جملہ (افری رسلیا تیرا ہولاپن۔ خون پونچھتی جا اور کہہ خدا جھوٹ کرے) سراسر فحش ہے کہ یہاں تبادر کے علاوہ وضع بھی ہے کہ خاص لفظ خون کا آگیا۔ اور پھر لفظ پونچھنے اور خدا کے جھوٹ کرنے نے تو اس فحش میں جان ڈال دی لیکن یہاں بھی اعلیٰ حضرت کہہ سکتے ہیں کہ حالت انفراد کسی لفظ میں فحش نہیں لفظ خون اختلاط خاص کے لیے موضوع کہ جس کا استعمال تمام کتب طبیبہ میں آتا ہے۔ آخر قتل کو بھی لوگ خون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا یہ بھی فحش ہے۔ اسی طرح لفظ پونچھنے کو نکھیے۔ باقی رہا یہ کہ عام طور پر پاک شہدے اس کو مقام فحش میں استعمال کرتے ہیں تو اس سے اعلیٰ حضرت پر کیا الزام۔ الزام تو جب ہو تا کہ اعلیٰ حضرت ان سے سیکھ کر لکھتے۔ اور جب کہ ایک محاورہ پر دونوں کو توارد ہو جائے۔ تو اس صورت میں اعلیٰ حضرت سے طعن مرتفع ہو جائے گا۔ کہ وہ تقلید کہتے ہیں اور اعلیٰ حضرت اجتہاد!

اعلیٰ حضرت کی ایک عظیم الشان خرق عادت

خلقت کی زیادتی دیکھو کہ وہ اس فقرہ (تیرا ان کے نصیبوں کا سب میں سیدھا) کو بھی فحش سمجھ بیٹھی، حالانکہ یہ تقدس مآب فقرہ نسبت بہت کم وزن ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حقانی جوش کو لحاظ کرتے ہوئے صرف اس قدر خفیف و ہلکے فقرہ کا صدور در حقیقت اعلیٰ حضرت کی ایک عظیم الشان خرق عادت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ تیرے کے ساتھ سیدھے کا اقتران ہو گیا۔ یہ فقرہ کیونکر فحش بن سکتا ہے۔ اگر بالفرض تین چیزوں میں صرف ایک چیز سیدھی ہو تو اس کا طریق اداجز اس طریق کے اور کیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون خاص کو اس

طرح بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ (تیسرا سوال یا جواب بالکل صاف و سیدھا ہے) لیکن لفظ سوال یا جواب کے حذف اور نصیبوں کی زیادتی سے جو لطافت پیدا ہو گئی ہے اور فقرہ میں جان پڑ گئی ہے اس کا تقیاً اس طرز بیان سے خون ہو جاتا۔ خلقت تہذیب کی دلدادہ ہے اور اعلیٰ حضرت لطافت کے شیدائی۔ ہر دو کا اختلاف مذاق باہمی مخالفت کا باعث ہوا۔ ورنہ بات کچھ نہ تھی۔

خان صاحب بالجبر اپنے تقدس کا سکھ اور

اپنی مجددیت کی دھونس بٹھا رہے ہیں

اب اسی کو دیکھئے اردوئے معلیٰ کی اصلی شان کے اظہار کے لیے اعلیٰ حضرت نے یہ فقرہ استعمال فرمایا۔ کہ (لب وہ کھولوں جس سے مخالف چند حایا کر پٹ ہو جائے) خلقت جائے اس کے کہ اس پر نعرہ آفریں بلند کرتی۔ اور اعلیٰ حضرت کی اردو دانی کی تعریف و تحسین کرتی وہ الٹا ان پر طعن کرتی ہے کہ یہ بازارِ فقرہ ہے جس میں نقش بھی ہے کہ جو شایان شان علم نہیں خصوصاً ایسے شخص سے اس کا صدور نہایت قبیح ہے جو ایک عالم پر بالجبر اپنے تقدس کا سکھ بٹھا کر لوگوں کو مید رنج و دھڑا دھڑ مرید کر رہا ہے۔ اور صرف اسی پر قانع نہ ہو کر اپنی مجددیت کی بھی دھونس بٹھا رہا ہے۔ ایسے شیخ وقت اور پیر فانی کی زبان و قلم سے ایسے سو قیادہ جملے نکلتے ہوئے دیکھ کر خیال ہوتا ہے۔ کہ اب قیامت آئے میں اگر کچھ دیر ہے تو صرف چند لحظات کی، لیکن درحقیقت اس طعنہ زنی کا سبب خلقت کی عام بد مذاقی اور اردوئے معلیٰ سے ناواقفیت ہے۔ خلقت تہذیب و شائستگی میں ایسی سرشار ہے کہ اس کی دھن میں افسوس ہے کہ فقرہ کی لطافتوں پر مطلع نہ ہو سکی۔ اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ فقرہ کس جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس مقام کا یہ فقرہ ہے وہاں اس سے پیشتر اعلیٰ حضرت اپنے اثبات و دعویٰ پر اٹے سیدھے کچھ دلائل بیان فرما چکے تھے۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ اعلیٰ حضرت اپنی تحقیقات خاصہ کا پندہ بر سائیں کہ جس سے مخالف کو جائے دم زد نہ رہے۔ اس

مضمون کی ادائیگی میں اعلیٰ حضرت نے فخرہ مذکورہ کو استعمال فرمایا ہے کہ یہ مضمون محض اس جملہ سے بھی ادا ہو سکتا تھا کہ (اب وہ تحقیقات فیض بیان کروں جن کے سامنے مخالف بھی سر تسلیم خم کر دے۔ اور بجز سکوت اس کو چارہ نہ ہو) لیکن (تحقیقات بیان کروں) سے زیادہ فصیح (کھولوں) ہے کہ اس میں ایک سر کنون کی طرف لطیف اشارہ بھی ہے۔ پہلا جملہ اس ایہام و اشارہ سے عاری ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہا کہ اعلیٰ حضرت کی فصاحت مآب تحریر میں آتا۔ اعلیٰ حضرت جیسے بزرگ و شیخ کے سر کنون پر نفس اطالع ہی انسان کے تنہید و حواس ماننے کے لیے کافی ہے نہ کہ مادی العین اس کا مشاہدہ پھر بچارے کی آنکھیں چند ہیا کر پٹ نہ ہو جاویں۔ تو پھر وہ کون سا ہو لٹاک منظر دنیا میں ایسا ہے کہ جس پٹ ہوں گی۔ اب فرمائیے کہ یہ جملہ زیادہ بلیغ ہے کہ جس میں اس قدر لطافتیں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہیں۔ یادہ سید حاساد ہانک جملہ جس کو خلقت اپنی عام بد مذاقی کے باعث پسند کرتی ہے۔ ہم تو اعلیٰ حضرت کی پہلودار گوئی کے قائل ہیں۔

اعلیٰ حضرت کا پر لطف ارشاد

کیا پر لطف ارشاد ہے کہ (آپ معمول مجھ کو کا پیوند جوڑ کر دخول کی مشکل آسان بھی کر لیں) حضرات علماء کرام بدایوں کو اذان کے داخل مسجد ہونے پر اصرار تھا۔ اعلیٰ حضرت کی لطافت طبع دیکھو کہ لفظ دخول کی مناسبت سے کہاں سے کہاں پہنچے۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت کے لطائف جن کے سمجھنے کے لیے خلقت نے کبھی زحمت گوارا نہ کی۔ اس پر اعلیٰ حضرت کو جس قدر اس سے شکایت ہو جا ہے اعلیٰ حضرت خلقت کی عام بد مذاقی کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اوقات کنایہ کو خیر باد کہہ کر تصریح اختیار کر بیٹھتے ہیں اور اس طرح کلام پہلوداری کی حد سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے (رسلایا کی چک پھیریاں تو گوہر کو بھی مات کر گئیں۔ اب مسلمان کے چہلنے کو پھر کاوا کا نئی ہے) یہاں ممکن تھا کہ گوہر سے نفرتی مراد لے لیتے لیکن لفظ چہلنے اور کاوا کا نئے اور چک پھیریاں نے اس

طرف رہبری کردی جو اعلیٰ حضرت کی عین مراد ہے۔

خان صاحب کی فحش گوئی سن کر بازاری اور اوباش تک

کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں

خلقت کے ایک نفیس طعن کو سنواؤ کہتی ہے کہ ان فقرات۔

(اس پر آگرہ والی یوں کھرتی ہے۔ وہی بدایونیہ کا حربہ مسامحہ تیسرا بھی
کیسا ہضم کر گئی۔ دوسرا اور مسامحہ کی گرہیں کھولنے اترتا ہے۔ مت کئی کیوں نہیں
جاری)

میں فحش اور سو قیت کے علاوہ حضرات علماء کرام کی غایت درجہ کی تحقیر و
توہین بھی ہے کہ ایسے حضرات کو جو عباد الرحمن اور حضور انور صلی اللہ علیہ
وسلم کے سچے وارث ہیں صاف لفظوں میں مونث کہا گیا ہے کہ جس کو سن کر
بازاری و اوباش تک کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ اب اس کے بعد وہ کون سا
درجہ ہے جس کی بنا پر اعلیٰ حضرت کو فحش کو قرار دیا جائے دنیا میں جب اعلیٰ
درجہ کا فحش گواہ اپنے انتہائی فحش گوئی کی نمائش کرتا ہے تو اس کی فحش گوئی کا
خاتمہ بھی ایسے جملوں پر ہوتا ہے جن کا صدور آئے دن اعلیٰ حضرت کی ذات
سے علماء کرام کی شان میں ہوتا رہتا ہے۔ فرق ہے تو صرف اس قدر کہ اس کی
فحش گوئی کے لیے کوئی طائفہ مخصوص نہیں اور اعلیٰ حضرت کی فحش گوئی کا مورد
خاص علماء کرام کا طبقہ ہے۔ محض اس فرق کی بناء پر اعلیٰ حضرت کی فحش گوئی کے
دارہ سے کیونکر خارج ہو سکتے ہیں۔

بریلوی صاحب اور مشرکین عرب کا اتباع

لیکن ہم کو خلقت کے اس طعن پر کلام ہے۔ درحقیقت یہ فقرات نہ فحش
ہیں نہ ان میں سو قیت۔ اعلیٰ حضرت نے یہ فقرات اوباش و بازاریوں سے یکہ کر
نہیں تحریر فرمائے بلکہ ان حضرات کا تتبع اور تقلید کی ہے جن کی شان میں یہ
آیت کریمہ وارد ہوئی ہے۔ وجعلوا الملئکة الذین ہم

عباد الرحمن اناثا (المزخرف)۔ ان حضرات اور اعلیٰ حضرت میں فرق ہے تو اس قدر کہ انہوں نے ملائکہ کو اثاث قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت نے علماء کرام کو باقی عباد الرحمن کو دونوں مونث کہتے ہیں کہ ملائکہ کی طرح حضرات علماء کرام بھی عباد الرحمن ہیں۔ حقیقت تو ہے یہ لیکن خلقت اپنے زعم باطل میں گرفتار ہے کہ اس کی نظیر اعلیٰ حضرت کی جنس گوئی پر مقصور ہے۔ کہ اس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی۔ الحمد للہ تعالیٰ ہماری اس تقریر سے خلقت کے تمام اعتراضات کا قلع قمع ہو گیا۔

ماء غیظ و غضب صرف نفس پروری ہے

اب اگر خدشہ باقی رہا تو صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت نے پہلو دار گوئی کو اس طائفہ کے لیے مخصوص کیا تھا جو ان کی تحقیق میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ گالیاں دینے والا ہے۔ چنانچہ اپنے مقتل اجمل اکذب صفحہ ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (وہ جنہما تو اللہ اور رسول کو کھلی گالیاں دیں اور انہیں کوئی پہلو دار لفظ کہا) لیکن سند الفرار و مقتل کذب و کید وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ان سنی علماء سے بھی پہلو داری کا دعویٰ برتاؤ کیا جو گالیاں دینے والوں کے ساتھ تھا کہ جس میں سر مو ثقاوت نہیں حالانکہ ان سے اگر خلاف ہے تو صرف مسئلہ اذان میں جس کو خود اعلیٰ حضرت ایک فرعی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ اس سے خلقت یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں مخالف غیر مخالف سب برابر ہیں۔ خواہ اللہ و رسول کو گالی دینے والا ہو یا ان کے ساتھ کسی مسئلہ فرعی میں خلاف کرنے والا۔ ان کو دونوں پر یکساں غیظ آتا ہے۔ اور یہ تو صرف اعلیٰ حضرت کا حیلہ ہے کہ محبت خدا اور رسول مجھ کو پہلو دار گوئی پر آمادہ کرتی ہے۔ درحقیقت اپنی مخالفت اعلیٰ حضرت کو زہر مطوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کو ایسا طیش آتا ہے کہ بھروسہ نہیں دیکھتے کہ اس کا خلاف کسی اہم مسئلہ میں ہے یا فرعی حکم میں۔ ماء غیظ و غضب صرف خود داری و نفس پروری ہے۔ البتہ اپنے خدا و ادا جو ہر قابلیت کے ذریعہ اعلیٰ حضرت

خوبصورتی کے ساتھ کھینچ جان کر کے اس کو بالجبر خدا اور سول کا مخالف مادیتے ہیں۔ اور اس طرح ان کے تمام مخالف یکساں برتاؤ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس خدا شہ کا جواب خود اعلیٰ حضرت نے اپنے مقلد اکتذب اجل صفحہ ۱۲ میں اس طرح دیا کہ (ان سنی نماؤں کی تہذیب کو دھکا لگا) مطلب یہ کہ اس فرعی مسئلہ میں خلاف کرنے والے بھی سنی نہیں بلکہ سنی نما ہیں۔ اس وجہ سے یہ بھی پہلو داری کے گھاٹ اتارنے کے لائق ہیں۔ چلئے قصہ ختم شد

دنیاۓ سنیت کا واحد شہید ار

اصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سنیت کے بلا شرکت غیر مالک ہیں اور دنیاۓ تسنن میں ان کا دور حکومت ہے، جس کو چاہیں دائرہ سنیت میں رکھیں اور جس کو چاہیں نکال باہر کر دیں۔ سنیت ان کی مملوک اور حنفیت ان کی جاگیر۔ اب دنیا میں کسی کو حق نہیں کہ بغیر اجماع و مشورہ اعلیٰ حضرت سنیت کا بطور خود مدعی ہو سکے وہ زمانہ گزر گیا۔ جب کہ سنیت و حنفیت کسی شر و ملک و اقلیم کی پابند نہ تھی اب بریلی کے سوداگری محلہ میں جا کر سنیت نے اپنے کو اعلیٰ حضرت کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اگر کسی کو سنیت سے فائدہ اٹھانا اور اس طرح سنی بننا ہے تو اس کو لازم ہے کہ بریلی جا کر سوداگری محلہ کا طواف کرے۔ کیا عجب ہے کہ سنیت سے کچھ اس کو بہرہ ملے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

فضیلت ۲۔ تکفیر

خلقت آپ کی اس فضیلت سے بے حد نالاں ہے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہو گا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا۔ طعن کی تو بات اور ہے مگر درحقیقت یہ وہ فضیلت ہے جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔

ایں جنس گرامی ہمہ کس رائد ہند

سر زمین ہند میں شیوع اسلام دراصل ان پاک اور مقدس ہستیوں کے جذب روحانی کا ثمرہ ہے جو اپنے دل میں اسلام کا درد اور اپنے سینوں میں مسلمانوں کی مچی محبت رکھتے تھے۔ اور شانِ رافت و رحمت کے مظہر اتم تھے۔ جنہوں نے اپنی جانکاہ اور ان تھک کوششوں سے اس زمین میں حتم اسلام بویا جو آخر کار ان کے حسن اخلاص کی برکت سے پھلا اور پھولا۔ اور نونمال کی شکل میں آکر ایک عظیم الشان تناور درخت ہو گیا۔ جس کے زیر سایہ اب چھ ریاسات کروڑ مخلوق بستتی ہے۔ یہ حضرات جن کے مقدس ہاتھوں سے بابِ رشد و ہدایت کھلا صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا طبقہ عالیہ ہے، جن کی مساعی جلیلہ کی بنا میں ایک غیبی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ وہ حضرات عموماً مخلوق کے حق میں سراسر رحمت تھے۔ کیونکہ ان کے پیشِ نظر یہ حدیث تھی۔ کہ انما یرحم اللہ من یرحم (کنز العمال) ان کے اطوار سے غیظ و غضب کے بدلے رحم و رافت کی شان نمودار تھی کیونکہ یہ حدیث من لا یرحم المسلمین لا یرحمہ اللہ (کنز العمال) ان کا ایک اساسی اصول تھا جس پر ان کے تمام کام چلتے تھے۔ وہ ہر ایسی بات سے جو کسی کے شیشہ دل کو سنک گراں کی طرح چور کر دے۔ نہ صرف محتر زرتے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھتے تھے وہ جانتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان اللہ لا یحب کل فاحش متفحش (کنز العمال) وہ اس شخص کو بدترین خلق سمجھتے تھے جس کی بے ہنگام زبان اور فحش گوئی کی بدولت یہ گت ہو جاتی کہ خلقت اس کی طرف رخ نہیں کرتی۔ کیونکہ ان کو اس حدیث ان من شر الناس من ترکہ الناس اتقاء فحشہ (کنز العمال) سے کافی آگاہی تھی۔ ان کا دامن عجب و تعلق کے بدنامہ سے بالکل پاک تھا۔ ان کے اعمال صالح تھے لیکن زبان ساکت تھی ان کا کوئی لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہیں جاتا تھا لیکن اس کی مدح کی عوض زبان پر قفل تھا۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کار بند تھے۔ کہ من حمد نفسه علی عمل صالح فقد ضل

شکرہ و حبیط عملہ (ابو نعیم) ان کے تمام اعمال اخلاص سے گلغٹہ تھے وہ سب کچھ کرتے تھے لیکن کہتے کچھ نہ تھے۔ ان کا یہ طریق عمل نہ تھا کہ کہیں سب کچھ اور کریں خاک نہیں۔ وہ مقدس ہستیاں دنیا میں اس لیے آئی تھیں کہ کفر کی تنگی کو ایمان کی حلاوت سے بدل دیں اور ایمان کے نعل متین کو اور زیادہ مضبوط کر دیں۔ انہوں نے کسی مسلمان کو کافر نہیں مایا بلکہ بیشمار کافران کے انفاس قدسیہ کی بدولت نعمت اسلام سے مشرف ہو گئے۔ وہ جبل و قار و کوہ حلم تھے کہ خلقت کے عیوب کی پردہ دہری نہیں کرتے تھے۔ بہہ ہم تخلقوا باخلاق اللہ شان ستاری کے کامل مظہر تھے۔ وہ عیب پوشی کے ذریعہ عیوب کا قلع قمع کرتے تھے۔ خلقت کو اس کے عیوب پر مطلع بھی کرتے تو رحم و تلمظ کے ساتھ ان کے جرائم کا اظہار بھی کرتے تو پردہ کے ساتھ کیونکہ وہ روحانی طبیب تھے وہ عیب جوئی سخت گوئی کے ذریعہ عیب و نقس کو رواج دینے نہیں آئے تھے وہ لاتجسسوا ولا تبأ غصوا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ کی بے شمار مصلحتوں پر مطلع تھے۔ اس کی خوبیوں و اسرار سے واقف تھے۔ تیرہ سو سال تک رحم و رافت کا یہی دور رہا۔

چودھویں صدی کے دعویدار تجدید خان صاحب میں

رافت و رحمت کے بدلے خشونت و غلظت

اس سے خلقت نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک ہادی برحق اور خصوصاً مجدد کے لیے وہ صفات ہونا چاہی جو ان پچھلے برگزیدہ حضرات میں تھیں۔ اب اسی کو وہ اصلی معیار قرار دے کر سوال کرتی ہے کہ اس چودھویں صدی کے دعویدار تجدید میں یہ اوصاف ہیں تو وہ اپنی بد قسمتی سے سب کا جواب نفی میں پاتے ہیں اس کی مزید توضیح کے لیے ہم سلسلہ سوالات و جوابات قائم کرتے ہیں۔

سوال - ۱: اس دور کے مجدد میں کیا شان رافت و رحم ہے؟ اعلیٰ حضرت کا طرز میان و طریق عمل دونوں جواب دیتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ عالی میں

کبھی رافت و رحم کو حاضری کی تک اجازت نہیں دے گئی۔ ان پر لطف و کرم چائے خود رہا۔ البتہ رافت و رحم کے بدلے خشونت و غلظت آپ کے دربار میں بازیاب و دخیل ہیں، انہیں کے مشورہ و اصلاح سے آئے دن امت مرحومہ کے حق میں قہری فرمان صادر ہوتے رہتے ہیں۔

سوال - ۲: اس دور کے مجدد نے کس قدر اسلامی تعداد میں اضافہ کیا۔
جواب کفر کی تعداد میں بے شمار اضافہ کر دیا اور اسلام کو قریب قریب اپنے زعم میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

سوال - ۳: مدعی تجدید کے قول و فعل میں کہاں تک مطابقت ہے۔
جواب: ان کا قول سدالقرار صفحہ ۲ میں اپنی نسبت یہ ہے کہ وہ جس نے کبھی شہرت نہ چاہی وہ جس نے ہمیشہ اسباب شہرت سے نفرت رکھی اس قول پر آپ اجل الرضا لکھتے وقت اس طرح عمل پیرا ہوئے کہ یہ جملہ آپ کے قلم سے تراوش کر گیا کہ مجاہل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق مطلب یہ کہ شہرت بہت اچھی چیز ہے۔ اور ہم مشہور و معروف ہیں۔ اور جمہوریت وغیرہ معروفیت ایسا سنگین جرم سے جس کی وجہ سے ترک کلام بھی درست ہے۔

سوال ۴: شان تواضع کا اس چودہویں صدی کے مجدد نے کیا نمونہ دکھایا؟
جواب: اس کے متعلق سدالقرار صفحہ ۲ کی یہ عبارت دیکھو کہ اس کے ساتھ عداوت نہ ہوگی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت میں رکاوٹ ڈالنی۔ مطلب یہ کہ میری ایسی ذات ہے جس کی حمایت سے (العیاذ باللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت محفوظ ہے بھلا اس سے بڑھ کر کیا شان تواضع ہو سکتی ہے۔

سوال - ۵: مجدد صاحب کا مخلوق کے ساتھ طرز گفتگو کیا ہے۔
جواب: طرز گفتگو انداز کلام یہ ہے کہ (تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ) اور (اف رے رسیا تیرا ہوا اپن خون پوٹھتی جاو کہ خدا جھوٹ کرے۔

سوال - ۶ : دعویٰ ارتجدید خلقت کے عیوب سے اغماض بھی کرتے ہیں ؟

جواب - عیب پوشی دوسری چیز ہے جو واقع میں جرم نہیں ہوتا اس کو جرم کی صورت میں ظاہر کرنے کے عادی ہیں۔ اسی کو دیکھئے کہ جب علماء کرام بدایوں کی تحریرات مناظرہ میں ان کی پوری کھینچ تان کے بعد بھی کفر نہ ملا تو شمس العلوم کے پرچے منگا کر ان پر زبردستی کفر تھوپ دیا۔

سوال - ۷ : مدعی تجدد حق تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے کہیں متجاوز تو نہیں ہیں ؟

جواب - حق تعالیٰ کی نزدیک مجہولیت وغیر معروفیت کوئی جرم نہیں لیکن مدعی تجدد کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ جس کی بدولت غیر معروف طالب ہدایت مخاطب سے بھی محروم کیا جاسکتا ہے گو کہ وہ مخاطب غضب آمیز ہی سہی۔ چنانچہ مدعی صاحب کار شاد ہے کہ مجاہل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔

سوال - ۸ : مدعی تجدد کلمات دل آزاری تو نہیں استعمال فرماتے ؟

جواب - ان کے ملفوظات طیبات میں سے یہ دو جملے ہیں۔ ان سے اندازہ کر لیجئے۔ بھلے مانس کی صورت شیطان ملعون کی ٹانگ تلے آکر کفر زبان سے نکال دیا۔ ۲ سب پر ابلیس ایک ہی طرح سوار۔

ان وجوہ سے خلقت کو اعلیٰ حضرت سے سوء زنی ہو گئی ہے اور وہ اعلیٰ حضرت کو ان کے چند مشنری کی طرح باضابطہ مجدد نہیں تسلیم کرتی اور سب سے زیادہ وہ ان کی مقدس تکفیر سے بدکتی ہے لیکن ہم محض تکفیر ہی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کو مجدد مانتے ہیں۔

بریلوی صاحب کی مجددیت پر زبردست برہان

ان کو مجدد نہ ماننے والے حضرات ہم پر طعن نہ کریں۔ خصوصاً جب کہ

اس پر ایک زبردست برہان بھی ہم قائم کر دیں اصل بات یہ ہے کہ حضرات صوفیائے کرام کے مسلک پر دنیا میں اسماء الہی کا ظہور ہے اور اس طرح تمام عالم

مظہر اسماء الہی ہے اس حکم سے عالم کا ایک ذرہ مستثنیٰ نہیں۔ پس جب کہ حق تعالیٰ ذوالجلال والا کرام ہے تو جس طرح اسم اکرام کا ظہور عالم میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ اسی طرح کسی دور میں اسم جلال کا ظہور ہونا چاہیے۔ جب تک دنیا میں عام طور پر نیکی کا بدی پر غلبہ رہا یا کم از کم دونوں حد اعتدال پر رہیں اس وقت تک اسم رحیم و اسم اکرام کا ظہور رہا اور اس وجہ سے مجدد بھی آئے تو ایسے کہ جو مظہر کرم و رحم تھے۔ اس چودہویں صدی میں چونکہ بدی کا پلہ بہت گراں ہو گیا اور لوگوں کی شامت اعمال کی بدولت قحط و وبا اور ایسے امراض ظاہر ہوئے کہ جن کے ذکر سے تمام کتب طبیبہ عاری ہیں ایسی حالت میں ضرورت تھی کہ ایسے زمانہ کے لیے مجدد بھی ایسا منتخب ہو کہ اگر تمام مصائب ایک طرف اور اس مجدد کی مصیبت عظمیٰ ایک طرف ہو تب بھی پلہ اس مصیبت کا گراں رہے جو مجدد کے دست کرم سے مخلوق کو پہنچے اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت اس چودہویں صدی کے مجدد بھی اور مظہر اسم جلال بھی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی ذات عذاب الہی

خلقت جائے اس کے کہ وہ مجدد صاحب کے سخت برتاؤ دیکھ کر اپنے اعمال بد سے تائب ہوتی اور اس قہر الہی سے چپنے کے لیے بارگاہ الہی میں خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگتی وہ اور الٹا ان کی تجدید میں کلام کرنے لگی اس باہمی گفتگو و بحث و مباحثہ سے اس مصیبت کا ہر گز خاتمہ نہیں ہو سکتا، تاؤ فیکہ توبہ و استغفار کے ساتھ بارگاہ ذوالجلال والا کرام میں جہہ سائی نہیں کی جاوے خلقت اپنے پر عذاب مسلط دیکھ کر بھی چپنے کی راہیں اختیار نہ کرے تو یہ قصور خلقت کا ہے نہ کہ اعلیٰ حضرت مجدد صاحب کا آپ تو نام خدا مظہر اسم جلال ہیں۔ قاعدہ کی رو سے تو سوائے قہری خطابوں کے آپ کی بارگاہ سے کچھ صادر نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے آپ کے مشنری آپ کو صاحب الحجۃ القاہرہ تحریر کیا کرتے ہیں۔ اس میں یہی راز ہے جو عاجز نے عرض کیا۔ ہم خلقت سے پوچھتے ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت مظہر اسم جلال نہیں ہیں تو پھر وہ بتائے کہ

ہندوستان کا وہ کونسا خطہ ہے جہاں آپ کا شرارہ جلال نہیں گرا اور وہ کون سی انجمن یا مدرسہ ہے جو آپ کے شرارہ جلال سے محفوظ رہا۔ اور وہ کون سا ایوان اتحاد ہے جس کو آپ کے سنگ قمر نے توڑ کر پارہ پارہ نہیں کر دیا اگر خلقت بنا نہیں سکتی تو پھر ان کو مظہر اسم جلال تسلیم کرنے میں کیوں دریغ کرتی ہے خلقت اتنا نہیں سمجھتی کہ اعلیٰ حضرت وہ مظہر اسم جلال ہیں کہ ان کا شرارہ جلال اہماء عصر سے گذر کر دور سابق تک تجاوز کر گیا ہے۔ اگر اس کو یقین نہ ہو تو ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ وہ خلقت کا کسی قدر اطمینان کر سکیں۔

شرارہ جلال نمبر ۱

بدایوں کے پرچہ شمس العلوم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ جملہ مرقوم تھا کہ ہر شخص آپ کا اور آپ کی ہر ادا کا مفتون ہو جاتا تھا۔ اس پر اعلیٰ حضرت کا شرارہ جلال سد الفرار صفحہ ۱۰۲ میں اس طرح گرا۔

”کہ یہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ انگیز اور حضور کی محبت کو فتنہ کننا ہی اس کا استعمال معشوقان مجازی میں اس لیے ہے کہ ان کی محبت فتنہ ہے۔ اور وہ فتنہ گر۔ وہی خطاب آپ نے ان کو دیا جو ہر فتنہ کے مٹانے والے اور ان کی محبت اصل ایمان ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم“

اس کے حاشیہ پر یہ سرخی تحریر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فراموشی سخت حملے۔ گویا لفظ مفتون کیا آگیا کہ اعلیٰ حضرت کو تخیل کی جولانی کا موقع مل گیا اور دہی زبان سے اہل بدایوں کی تکفیر فرما گئے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ حملہ کرنے کے بعد بھی اسلام باقی رہے تو پھر اسلام کے زائل ہونے کی کیا صورت۔

بریلوی صاحب کا مولانا جامیؒ پر حملہ

اب یہ ظاہر میں صرف اہل بدایوں پر طعن ہے اور ان کی تکفیر مگر

در حقیقت اعلیٰ حضرت نے اس الموحدین حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی کی تکفیر کی ہے کہ انہوں نے اہل بدایوں سے بھی زیادہ تیز کہا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

روحي فداك اے صنم ابطحي لقب

آشوب ترك شور عجم فتنه عرب

اہل بدایوں نے دوسروں کو مفتون کہا تھا اس سے اعلیٰ حضرت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتل و فتنہ انگیز ہونا استنباط فرمالیا۔ مولانا جامی نے تو کچھ تسمہ ہی لگانہ رکھا۔ صاف فتنہ عرب کہہ دیا اور اس پر بس نہ کر کے آشوب ترک شور عجم، صنم، بدھا کر حق گستاخی پورا ادا کر دیا۔ پس اگر اہل بدایوں معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت سخت حملہ کرنے والے ٹھہر گئے۔ تو حضرت مولانا جامی قدس سرہ کو سخت سخت سخت سخت سخت سخت سخت حملہ کرنے والا قرار دینا چاہیے کیوں کہ وہاں صرف ایک لفظ مفتون سے لفظ سخت کی تکرار ہو گئی تو چار لفظوں کے لیے چار بار تکرار کی ضرورت ہے اور اگر صراحت و التزام کے فرق کا لحاظ کیا جائے تو ایک تکرار اور باقی رہ جاتی ہے۔ بہر حال مولانا جامی کا اہل بدایوں سے نمبر بدھا رہا۔ خلقت صرف یہی سمجھے ہوئے ہے کہ اعلیٰ حضرت کی برق غضب صرف اہل بدایوں پر چمکی ہے یہ اس کے خیال کا قصور ہے ورنہ اعلیٰ حضرت کی شان اس سے ارفع ہے کہ وہ صرف اہماء عصر کی تکفیر پر اقتصار کریں آپ کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں۔

شرارہ جلال ۲

پرچہ شمس العلوم میں حق تعالیٰ کے کرم اور مغفرت کے بیان میں ہے کہ گنہگار میدان قیامت میں بھٹتے پھریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تم سے وہی کروں جس کے تم مستوجب ہو تو کرم کہاں رہے گا۔ صفحہ ۱۳۔

اس پر اعلیٰ حضرت کا شرارہ جلال سد القرار صفحہ ۸۳ میں اس طرح گرا۔

اللہ تعالیٰ کا کرم گنہگاروں کی معافی کا محتاج ہوا کہ معاف نہ فرمادے تو کرم ہی نہ رہے اور کرم رہنا ضرور ہے تو معاف فرمانا اللہ پر واجب ہوا کہ اپنا کرم تو باقی رکھے۔ حاشیہ میں اعلیٰ حضرت نے اس کی دوسریاں تحریر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ پر حملہ، معتزلہ کی تقلید۔

بریلوی صاحب کا مولانا نظامی گنجویؒ پر حملہ

اس برق جہاں سوز نے صرف اہل بدایوں کے ہی خرمن کو نہیں سوخت کیا ہے بلکہ حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی بے دریغ چمکی ہے چنانچہ ان کا یہ شعر ہے جس کا مضمون شمس العلوم کے مضمون کے ساتھ بالکل متحد ہے۔

گناہ من ار نادمے در شد

ترا نام کے بودے آمرزگار

لیجئے حضرت مولانا نظامی گنجوی بھی حق تعالیٰ پر حملہ کرنے والے اور معتزلہ کے مقلد ہو کر اچھے خاصے معزلی ہو گئے۔

اعلیٰ حضرت کا حدیث رسول ﷺ پر حملہ

بلکہ یہ سیفی تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی چل کر رہی۔ عام طور سے نیک اعمال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بھارت دی کہ وجبت (الجنت) اسی طرح بد اعمال پر بھی وجبت (النار) کے ذریعہ انداز فرمایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وجوب بلا ایجاب متصور نہیں تو اب اعلیٰ حضرت کے اعتراض سے کہاں مغرور وہ اس طرح اس حدیث پر اعتراض وارد کر دیں گے کہ جنت یا نار میں داخل کرنا حق تعالیٰ پر واجب ہوا تاکہ اپنا عدل باقی رکھے۔ اب اہل بدایوں کو ان سے شکایت کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت کی سیفی سب پر یکساں چلتی ہے وہ نہ موقفہ و محل دیکھیں نہ وجوب استحسانی سمجھیں انہیں تضلیل و تکفیر سے مصروف ہے کیونکہ حقیقتاً وہ مظہر اسم جلال ہیں۔

شرارہ جلال ۳

پرچہ شمس العلوم میں حضرت اولیس قرنی و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت مذکور ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار اور بحال جہاں آرا احمدی پر شید اور اس کے دیوانہ ہیں۔ تو اس پر اعلیٰ حضرت کا قری فرمان سدالفرار صفحہ ۱۰۴ میں اس طرح صادر ہوا۔

”کہ سیدنا اولیس کو دیوانہ کہا فاروق اعظم کو دیوانہ کہا مولیٰ علی کو دیوانہ کہا ہزاروں صحابہ کو دیوانہ کہا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ آپ کا ادب ہے۔“

بریلوی صاحب کا امیر خسرو پر حملہ

اعلیٰ حضرت نے یہ چوٹ دراصل حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ پر کی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایسی تیزی کی کہ حضرت جبرائیل روح الامین کو مرغ اور ملائکہ کو مثل گس قرار دیدیا۔ چنانچہ ان کے دیوان میں ہے کہ۔

مبارک نامہ قرآن تو داری
کہ مرغ نامہ شد روح الامینش
لش چوں انگلیں ریزد دور اللہ
ملائک چوں گس در انگلیش

دیوانہ تو پھر آدمی کی قسم ہے۔ یہاں لغت احمدی میں ملائکہ عباد الرحمن اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مرغ و گس کہا جا رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت ان کی خیر نہیں لیتے یا یہ ٹھہرائی ہے کہ تفسیق و تحلیل کے لیے صرف اہل بدایوں ہی کو حصہ مشق مایا جائے۔ جب حق گوئی پر آگئے تو پھر ڈر کس کا ہے۔ حق گوئی کی خاطر اپنے مالدار معتقدین کی ہرگز پروا نہ کیجئے۔ ہاں اگر خوف ہے تو صرف اس کا کہ اعلیٰ حضرت کو خلعت پھر عام طور سے دہائی کہنے لگے گی۔ اس وجہ سے ضرورت ہے اس کی کہ ان اکابر کے کلام سے اغماض کیا جائے اور اہل بدایوں و

دیگر معاصرین علماء پر بے دریغ تفسیق و تحلیل و تکفیر کی سیفی چلائی جائے کہ اس میں راز بھی فاش نہ ہو گا اور ادھر خلقت سب سے منحرف ہو کر صرف اعلیٰ حضرت کا کلمہ پڑھنے لگے گی سوا لگ۔ اس مصلحت شناسی و دور اندیشی کی ہم بھی داد دیتے ہیں۔

شہزادہ جلال ۲۔ بریلوی صاحب کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سے نفرت پرچہ شمس العلوم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی شان میں غایت محبت کا اظہار اس طرح کیا گیا تھا کہ ”چمکتے مکھڑے“ کی بلائیں اس محبت آمیز فقرہ پر اعلیٰ حضرت کا سد الفرار صفحہ ۱۰۳ میں اس طرح قہر ٹوٹا۔ مکھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تصغیر حرام کبیر ہے۔ علماء کرام نے جمائل کو مصحف چھوٹی مسجد کو مسجد کہنے کو منع فرمایا۔ اس پر خلقت کتنی ہے کہ اصل میں اعلیٰ حضرت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح دنیا سے اٹھ جائے۔ اب اسی کو دیکھئے کہ مثل زبان عربی و فارسی زبان اردو میں تصغیر کے لیے کوئی وزن و صیغہ نہیں قرار دیا گیا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے لفظ مکھڑے کو جو مقام محبت میں عموماً استعمال کیا جاتا ہے صیغہ تصغیر قرار دے ہی دیا۔ کاش اگر یہی ہو تا کہ تصغیر کے لیے نہ تو کوئی قاعدہ ہے نہ کوئی وزن و صیغہ نہ محاورہ میں یہ کلمہ (مکھڑا) تصغیر کے لیے مستعمل بلکہ اس جگہ مستعمل جہاں غایت محبت کا اظہار مقصود پھر بھی اعلیٰ حضرت کو غیظ آگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کج فشیوں سے مقصود صرف یہ ہے کہ حمد و نعت کا دروازہ یک لخت بند کر دیا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کریں تو اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے پوچھیے وہ بتائیں گے کہ کون لائق ہے میرٹھ کے ایک مشہور زباں داں شاعر میان یزدانی نے بھی ایک نعتیہ غزل میں لفظ مکھڑا استعمال کیا ہے۔

بے نقاب آج تو ہے گیسویں والے آجا

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا

اس مطلع سے ہوئے محبت ٹپکتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عشق احمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری کی حالت میں یہ مطلع ان سے نکلا ہے جس کا قلب پر بے حد اثر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ مطلع بکھر پوری غزل جس کا یہ مطلع ہے فقیر کو بغایت پسند ہے۔ اور اسی طرح اکثر اصحاب کیف کو اس مطلع و غزل سے لطف اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اعلیٰ حضرت اس میں بھی یہ پر لطف تقریر جاری کریں گے کہ کھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ الخ اگر میان یزدانی مثل جامی و امیر خسرو بزرگ نہیں ہیں۔ تب بھی زبان اردو کے ایک ماہر شاعر ضرور ہیں۔ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ کھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ آج تک کسی اہل زبان نے ان کے اس مطلع پر اعتراض نہیں کیا۔ ورنہ حیثیت زبان وہ اعتراضات کا نشانہ بن جاتے۔ لیکن خلقت کا یہ اعتراض صحیح نہیں اعلیٰ حضرت کا ان قیودات کے بدھانے سے مقصود صرف یہ ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی پیروی پر دنیاۓ اسلام کو مائل کر دیں جس کا یہ قول تھا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں صرف عبدہ و رسولہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس سے ذرا ایک قدم بدھایا۔ اور فقدا لشرك شمر کا کے دائرہ میں آئے۔ وہ کہتا تھا کہ مدح صرف اسی جملہ عبدہ و رسولہ میں ہے اس کے سوا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا جائے گا وہ سب داخل مذمت اور شرک ہے۔ اس کی تقلید کی بنا پر اعلیٰ حضرت نے حضرت امیر خسروؒ مولانا جامی و حضرت نظامیؒ جیسے اکابر کے نعتیہ اشعار کو رد کر ہی دیا۔ اہل بدایوں و میان یزدانی کس شمار و قطار میں ہیں۔ لیکن ہم کو اس کا سخت افسوس ہے کہ آیت کریمہ و رفعنا لک ذکرک اعلیٰ حضرت کے اس ارمان دلی کو کبھی پورا نہیں ہونے دے گی۔

شرارہ جلال ۵

پرچہ شمس العلوم کے اس جملہ ”ایک مست مانے والی باکیف و ناز لہجہ میں حسین عربی نے فرمایا“ پر اس طرح سد الفرار صفحہ ۱۰۳ میں غضب توڑتے ہیں کہ کیف نشہ کو کہتے ہیں شان اقدس میں اس کا استعمال آپ کا ادب ہے؟ شکر ہے

کہ اعلیٰ حضرت نے لفظ ناز پر کچھ اثر نہیں لیا ورنہ اس چلتی ہوئی شمشیر کو کون روک سکتا تھا۔ اسی طرح لفظ مست پر نظر نہ پڑی ورنہ یہ شمشیر اس طرح چلتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مست ہونے والے محلہ کرام تھے۔ اور مست اس کو کہتے ہیں کہ جو شراب کے نشہ سے مست ہو تو گویا العیاذ باللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار ہا صحابہ کرام کو شراب سے بے خود و مست بنادیا۔ اس وقت یہ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ معرفت کی مستی دے خودی مراد لے لیتا کیونکہ کیف کے معنی میں کسی نے اعلیٰ حضرت کا کیا کر لیا جو اس وقت کچھ کر لیتا۔ اسی طرح مولانا جامی روح اللہ روحہ کے اس شعر سے بھی اس کو کچھ مدد نہیں ملتی۔ جو شان اقدس میں ہے کہ۔

رفقن ہر طریق لوب نیست در رہت

ماعا شقیم و مست نیاید ز ما لوب

کیونکہ اولاً مولانا جامی خود اعلیٰ حضرت کے ہدف تیرا اعتراض ہیں ثانیاً انہوں نے اپنے کو مست کہا ہے۔ صحابہ کرام کی طرف اس کی نسبت نہیں کی کچھ قسمت ہی الہ بدایوں کی اچھی تھی ورنہ اعلیٰ حضرت کی جو روش اعتراض ہے اس کا جواز یہاں بھی فونی ہو سکتا تھا۔

بریلوی صاحب کی حضور اقدس کی شان میں اقراری گستاخی

اب اگر ہم کو کھٹکا ہے تو صرف اس کا کہ کہیں الہ بدایوں اعلیٰ حضرت کے ان دو شعروں پر مطلع نہ ہو جائیں جو ان کے قصیدہ معراجیہ میں ہیں کہ
وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نوائے طرب کے سماں عرب کے مہماں کے لیے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے رکتے لوب سے ڈرتے حیا سے جھجکے
جو وصل انہیں کی روش پر ہوتا تو لاکھوں منزل کے مرطے تھے
کیونکہ اگر کہیں الہ بدایوں کو ان کی اطلاع ہو گئی تو وہ صاف کہیں گے کہ

صرف لفظ کیف پر ہم پر اس طرح مید ر بلغ سیفی چلائی اور اپنی خبر نہیں کہ اس سے بلاہ کر طرب اور وصل جیسے الفاظ جو عموماً دوسرے مقامات میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں شان اقدس میں استعمال کیے جاتے ہیں اور بے ادبی و گستاخی کا خطرہ دل میں نہیں گزرتا۔ پھر انہیں پر بس نہیں لفظ (جھجکتے اور شرم سے جھجکتے) سے انہیں تازہ روح پھونکی جا رہی ہے کیا اس کا نام ادب ہے ہماری تمنا ہے کہ جس طرح اعلیٰ حضرت کی نظروں سے لفظ مست و نازا و جھل ہو گئے اسی طرح یہ دو شعر اہل بدایوں کی نظروں سے او جھل رہیں تاکہ دونوں برابر ہو جاویں اور کسی کو کسی سے شکایت نہ رہے۔ خیر یہ تو اعلیٰ حضرت اور اہل بدایوں کا معاملہ تھا لیکن ہم کو اعلیٰ حضرت کے دونوں شعر نہایت پسند ہیں یہ اور بات ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اصول کے موافق ان دونوں شعروں میں گستاخی و بے ادبی ہے مگر ہمارا ذوق طبع اس پر مجبور کر رہا ہے کہ ان کی حسن و خوبی کا اظہار کریں خصوصاً دوسرا شعر بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ جو اہل مذاق سے مخفی نہیں۔

شعر ۶ جلال

اعلیٰ حضرت پر تکفیر و تفسیق کی ایک دھن سوار ہے

پرچہ شمس العلوم میں ہے۔ آسمان و زمین چکر کھا کر کہتے ہیں اس پر سد القرار صفحہ ۹۶ میں اس طرح غضب کی بجلی کو ندی۔
”کیا خوب آسمان تو آسمان زمین بھی گردش کرتی ہے۔ نصاریٰ کا اتباع اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔“

کیا خوب نصاریٰ صرف زمین کو متحرک مانتے ہیں آسمان ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت نے خوب کہی کہ نصاریٰ کے نزدیک آسمان و زمین دونوں حرکت کرتے ہیں۔ اگر یہ نہیں تو پھر اتباع کے کیا معنی غرض تکفیر و تفسیق کی ایک دھن سوار ہے اللہ رحم کرے۔

شرارہ جلال ۷

اہل بدایوں کے پرچہ مذکور علیہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نسبت مرقوم ہے۔ کہ ”یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ واللہ اس کے مقابلہ میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں بیچ ہیں۔“ اس پر اعلیٰ حضرت بہت ججڑے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ آخرت کی اعظم نعمت دیدار الہی درضوان اکبر ہے ان کو بیچ کتنا کون سی دیداری ہے۔ سدالفرار صفحہ ۸۸۔

بریلوی صاحب کا شعار اسلامی ”اذان جمعہ“ کا صراحت سے انکار

اہل بدایوں کے قلوب میں تو اس بوالعجب معنی کا خطرہ بھی پھینکا نہیں گزرا لیکن اعلیٰ حضرت نے مقتل کذب و کید میں صراحتاً نفس اذان جمعہ ہی کو باطل قرار دے دیا جس کا اجماعی ہونا خود بدولت کے نزدیک بھی مسلم ہے کلام ہے تو صرف اذان کے داخل مسجد و خارج مسجد ہونے میں نہ کہ نفس اذان میں اصل میں اعلیٰ حضرت مسجد سے اذان باہر کر دینے پر قناعت نہیں فرماتے بلکہ اس کے درپے ہیں کہ نفس اذان ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جیسی تو فرماتے ہیں۔

صاف نہ کھل گیا کہ اذان جمعہ ایسی ہی شدید باطل ہے جس کے ماننے کو کوئی حجتی سند نہیں ملتی۔ مقتل کذب و کید صفحہ ۳۔

دیکھئے صراحت اس کو کہتے ہیں کہ نہایت صاف لفظوں میں اس شعار اسلامی کا انکار کر دیا۔ جس پر تمام امت محمدیہ کا اجماع اور اس اجماع کے خود بدولت بھی مقرر۔ پھر بھی کس صفائی کے ساتھ اس کو باطل فرما رہے ہیں بھلا اہل بدایوں کو کہاں یہ صفائی نصیب ان کی عبارت میں دیدار الہی کا ذکر تک نہیں اور عام طور پر یہ کلمہ حصر اضافی میں مستعمل پھر بھی اعلیٰ حضرت نے ان کو دیدار الہی کا معاذ اللہ بیچ سمجھنے والا قرار دے ہی دیا اب یہ دیکھنا ہے کہ اپنے اس صریح انکار کی نسبت اعلیٰ حضرت کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

فضیلت ۳ عمل بالحدیث

اعلیٰ حضرت اصل میں عامل بالحدیث ہیں لیکن خلقت براہ غلط فہمی ان کے بعض اقوال کی رو سے ان کو وہابی خیال کرنے لگی ہے اور اس پر متعجب ہو کر اس طرح زبان طعن دراز کرتی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ایک دنیا کو وہابی کر ڈالا۔ ایسا بد نصیب وہ کون ہے جس پر آپ کا خنجر وہابیت نہ چلا ہو۔ وہ اعلیٰ حضرت جو بات میں وہابی ماننے کے عادی ہوں وہ اعلیٰ حضرت جن کی تصانیف کی علت غائیہ وہابیت جنہوں نے اکثر علماء اہل سنت کو وہابی ماکر عوام کا لالہ نام کو ان سے بدظن کر دیا جن کے اجتماع کی پہچان یہ ہے کہ وہ وعظ میں اہل حق سنیوں کو وہابی کہہ کر گالیوں کا اینہ برسائیں۔

بریلوی صاحب نے وہابیت کے حیلہ سے علماء ربانین کی جڑ کاٹی جنہوں نے وہابیت کے حیلہ سے علماء ربانین کی جڑ کاٹنے میں وہ وہ مساعی جیلہ کیں کہ جن کا خطرہ حسن بن صباح جیسے مدعی امامت و نبوت کے دل میں بھی نہ گزرا ہو اور جن کے فتنہ و فساد کے سامنے حسن بن صباح کے فدائی بھی گرد ہوں اگر حسن بن صباح زندہ ہو کر آجاوے تو اس کو اعلیٰ حضرت کے کمالات کے بالمقابل سوائے زانوئے ادب نہ کرنے کے چارہ کار نہ ہو غرض ایسی معتد رجماعت کا پیشوا جن کی زبانیں سوائے وہابی اور وہمڑے اور لہمڑے کے دوسرے الفاظ سے انشاء وعظ میں آشای نہیں ہوتیں۔ اگر در پردہ وہابی ثابت ہو جائے تو پھر تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ خلقت کہتی ہے وہ اعلیٰ حضرت جو اپنے کو وہابی کش ظاہر فرماتے ہیں بالآخر خود وہابی ثابت ہوئے اور اس طرح وہ جائے وہابی کش کے در حقیقت خود کش ہیں۔ خلقت اپنے اس جرمی دعوے کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے چند اقوال پیش کرتی ہے۔

وہابیت نمبر ۱

۱۔ اہل الرضا صفحہ ۱۳ میں علماء بدایوں پر اعلیٰ حضرت اس طرح طعن کرتے ہیں۔ رہے اذانوں کے الفاظ و القاب وہ محض تصنع ہوا کرتے ہیں جو

دربارہ اذان سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع کرے اگر امام وقت ہے جاہل و نامذہب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب ہے اور جو پدر پرستی میں سنت نبوی و ارشادات فقہ کو پس پشت پھینک دے۔ وہ جاہل سا جاہل ہو امام اور علامہ و جنمیں و چنان ہے۔ اتھی۔

بریلوی صاحب کا حضرت عثمان غنیؓ پر سخت حملہ

پدر پرستی کے کلمہ نے اعلیٰ حضرت کی وہابیت کا مرقع الٹ دیا۔ دیکھئے یہ صریح حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ پر طعن ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کیا اور اس خلاف میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھی ہوئے۔ اور اجماع سنت کی توفیق ملی تو اس شخص کو جو چور ہو جس صدی میں خاک بریلی سے اٹھا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اب فرمائیے۔ وہابیوں میں کیا سرسینگ ہوتے ہیں کہ وہ تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ پر طعن اور آزادی کے باعث لاندہب کہلائے جاویں اور اعلیٰ حضرت، حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ کو ایسی صاف ستانے پر بھی ہٹے کٹے سنیئے رہیں۔ قاعبر وایا اولی الالبصار۔ بات یہ ہے کہ جب عبد عثمانؓ میں اذان جمعہ کی زیادتی پر اذان خطبہ اندرون مسجد قریب منبر ہو گئی اور اس پر اجماع صحابہ ہو گیا۔ تو یہ امر اعلیٰ حضرت کو ناگوار گزر اس وجہ سے حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کو پدر پرستی کا طعنہ دیا۔ کہ ان کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے رافضی ہونے کا ثبوت

لیکن خلقت کا اس دلیل سے دعویٰ ہرگز ثابت نہ ہوا۔ دعویٰ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت وہابی ہیں اور ثابت یہ ہوا کہ وہ رافضی ہیں کیونکہ حضرات خلفاء ثلاثہ کی توہین کرنے والا وہابی نہیں بلکہ رافضی ہے پس دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہ رہنے سے قریب تام نہ ہوئی۔ اس وجہ سے خلقت کا یہ دعویٰ خارج کیا گیا البتہ

اعلیٰ حضرت کے اس بیان سے یہ ضرور ثابت ہوا۔ کہ عہد عثمانی میں جو اذان کی جگہ میں تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کو اعلیٰ حضرت تسلیم کرتے ہیں۔ جیسی تو اس وطن کی ضرورت پیش آئی۔ ہمارا بھی اسی قدر مقصود تھا جو اعلیٰ حضرت کی عبارت سے واضح ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

وہابیت - ۲

اعلیٰ حضرت جناب مولوی عبدالغفار صاحب رامپوری کے اس دعویٰ (کہ میں نے یہ کتاب بارشاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کی) کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ وعظ کہتے کہتے گھومنے لگے کہ ابھی حضور تشریف لائے تھے۔ تم نے نہیں دیکھی ابھی سواری آئی تھی۔ زے بے عقل مان لیتے ہوں گے مگر جن کو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے موجب مضحکہ وارسال لاحول ہوتے ہیں۔ (مقتل کذب وکید صفحہ ۷۴) مطلب یہ کہ جن کو معرفت عطا ہوئی ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے تصرفات کے قائل نہیں۔ اگر کوئی اس قسم کے تصرفات بیان کرے تو وہ محض ایک ڈھکوسلا اور بے بنیاد بات سمجھی جاوے گی۔ جس پر جائے ایمان واذعان لاحول خوانی کی ضرورت ہے اس بے غمی کے بعد اب شورشوری کی ٹھہرتی ہے۔

بریلوی صاحب کے نزدیک حضرت غوث اعظمؒ

حضور اقدس ﷺ سے افضل ہیں

حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پرچہ شمس العلوم میں مرقوم تھا۔ تجھے کہاں تک پکاروں کیا تجھے بغدادی سبز گنبد سے نکلنے کی فرصت نہیں جو ہندی جٹلاؤں کی فریاد سننے اچھا وہیں بلا کر کم از کم وہ دل سن لے۔ اس پر اعلیٰ حضرت کو اہل بدایوں پر غیظ آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ گنبد میں مد ماننا کوئی تعریف ہے۔ شاید مدرسہ خراما کی یہی تعلیم ہوگی کہ جب تک وہاں جا کر

نہ چلاؤ وہ فریاد نہیں سنتے۔ پکارتے پکارتے تھک گئے۔ کہاں تک پکاریں۔ (سدالفرار صفحہ ۱۰۹) مطلب یہ کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ سبز گنبد میں مد نہیں ہیں وہ جیسے قید مکان سے حیات میں آزاد فارغ تھے اسی طرح اب بھی ہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے سبز گنبد میں محصور ہیں کہ اس جگہ کے سوا کہیں تشریف نہیں لے جاسکتے۔

اعلیٰ حضرت ادھر ادھر کی سنا کر اصل بحث کو اڑا دیتے ہیں

اس پر خلقت کہتی ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی کھلم کھلا وہابیت ہے لیکن ہم کو خلقت کے اس دعوے میں کلام ہے کیونکہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر برتری و فوقیت تسلیم کرنے والا شخص وہابی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیا ہے اس کا جواب خود اعلیٰ حضرت سے پوچھ دیکھو لیکن شرط یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت کر کے سوال نہ کرنا بلکہ زید و عمر کی طرف نسبت کر کے سوال قائم کرنا تب تو اعلیٰ حضرت سے شافی جواب کی امید ہو سکتی ہے ورنہ وہ اعلیٰ حضرت ہیں ادھر ادھر کی سنا کر اصل بحث کو اڑا جائیں گے۔

وہابیت - ۳

بدایوں کے پرچہ مذاکرہ علیہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی نسبت تحریر تھا کہ ارادت نے عقل کل کو سر جھکانے پر مائل کیا آنکھیں تلوؤں سے ملیں۔ اعلیٰ حضرت اس عقیدت مندانہ جوش کو پامال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تصنیف ہے۔ (سدالفرار صفحہ ۹۲) مطلب یہ کہ نہ عقل کل و جبرائیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکایا اور نہ آنکھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں سے ملیں یہ صرف ان کی من گھڑت اور تصنیف ہے۔

حضور اقدس کی نعت سے اعلیٰ حضرت کی برہمی و بے زاری

اعلیٰ حضرت کو حضور اقدس کی نعت سے اس قدر برہمی و بے زاری ہے کہ وہ مجاز و استعارہ کی حد تک فراموش کر گئے۔ اور بات بات میں چین چین ہو کر ہر بات کی سند دریافت کرنے لگے۔ یوں ہے تو جب کوئی اعلیٰ حضرت سے کہے کہ آپ ہمارے سر پرست ہیں تو اس وقت اعلیٰ حضرت کو اس طرح دست جبریاں ہونا چاہیے کہ یہ کلمہ شرک ہے کیونکہ پرستیدان کے معنی ہیں پوجنا اور عبادت کرنا اور سر پرست اس کا اسم فاعل ساعی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ بر کا پرستش کرنے والا گویا تو نے مجھ کو شرک کہا۔ دور ہو میرے سامنے سے۔ پھر یہ قماش دیکھو کہ خود بھی بیان معراج میں وہی حرکت کر بیٹھے ہیں جو اہل بدایوں سے صادر ہوئی۔ چنانچہ ان کے قصیدہ معراجیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

وہی تو اب تک جھلک رہا ہے وہی تو جون لپک رہا ہے

نمانے میں جو گرا تھا پانی کنورے ہدوں نے مھر لیے تھے

یہاں پر اہل بدایوں کو حق ہے کہ وہ کہیں کہ یہ کس روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شب معراج میں غسل فرمایا تھا اور نمانے میں جو پانی گرا تھا اس کو ستاروں نے لے لیا تھا۔ اور لیا بھی کنوروں میں اور اب جو ان کی چمک دک ہے وہ اسی کا طفیل اور صدقہ ہے۔ مجاز و استعارہ و اظہار جذبہ دل کا تو یہاں نام لے نہیں سکتے کیونکہ ان کی راہیں اعلیٰ حضرت پہلے ہی مد کر چکے ہیں اس طبع شعر کی خود اعلیٰ حضرت کے ہاتھوں مٹی خراب ہوئی جس کا ہم کو بے حد قلق ہے۔

بریلوی صاحب کے اصول پر حضور اقدس کی نعت گوئی کا باب مسدود ہو گیا فرض اعلیٰ حضرت نے ایسے اصول ایجاد فرمائے کہ اگر وہ خدا خواست جاری ہو جائیں تو پھر نعت اقدس کا دروازہ ہی مد ہو جائے۔ اس وجہ سے خلقت کتنی ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف وہابی نہیں ہیں بلکہ ان کے سر تاج ہیں۔ لیکن ہم کو خلقت کے اس خیال سے اتفاق نہیں۔ اصل یہ ہے کہ وہابیت کے مفہوم سمجھنے میں خلقت نے غلطی کی وہ وہابی اس کو سمجھتی ہے جو اکابر کی شان میں گستاخ

اور ائمہ کے دائرہ اتباع سے خارج ہو اور اعلیٰ حضرت صرف اس کو وہابی کہتے ہیں جو ان کی مجددیت کا منکر ہو۔ پھر وہ خواہ خلقت کے نزدیک کیسا ہی زبردست سنی ہو لیکن اعلیٰ حضرت کے نزدیک وہابی ہے اور جو حضرت کی تجدید کا اعتراف کرے پھر وہ وہابی ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ اعلیٰ درجہ کا سنی ہے۔ اس اصطلاح کی رو سے نہ اعلیٰ حضرت وہابی ہیں نہ ان کے متبعین کیونکہ سب کے سب تجدید کے معترف ہیں۔ باقی ان کے سوا تمام دنیاۓ اسلام وہابی ہے۔ اس تقریر سے نہ صرف خلقت کا اعتراف رفع ہوا۔ بلکہ اور الثا وہابیت کا طوق اس کی گردن میں پڑ گیا۔

فضیلت ۴ خود ستائی۔ و کبر و انانیت

خلقت اعلیٰ حضرت پر معترض ہے کہ جس قدر وہ خود اپنی مدح و ثناء کرتے ہیں اس کا عشر عشر کا بھی ظہور کسی سے نہیں ہوتا۔ خلاف مجددین سابق کے کہ ان کے اقوال و اعمال دونوں میں تواضع و انکساری کی شان پائی جاتی ہے وہ اپنے حق میں کچھ نہیں کہتے لیکن ان کی نسبت خلقت سب کچھ کہتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ خود بدولت ہی اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں جس کی انجام دہی مخلوق کے ذمہ ہے چنانچہ سدالفرار صفحہ ۳۳ میں خود اپنے کو اس لقب سے یاد فرماتے ہیں کہ (یعنی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد المائۃ الحاضرہ صاحب الحجۃ القاہرہ مدظلہم الاقدس) اجل الرضا صفحہ ۲ میں ارشاد ہوتا ہے (ایک امام اہل سنت مجدد المائۃ الحاضرہ کے طرف مقابل بننے کا شرف مفت ہاتھ آتا ہے) اس کے بعد فرط جوش سے صفحہ ۴ میں اس طرح مزید فرماتے ہیں (مجاہل یا حملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) پھر افتخار و کبر و انانیت کی موج میں اعلیٰ حضرت اس طرح غوطہ کھاتے ہیں۔

ہاں اگر یہ عزت و فخر مراد ہو کہ چند لمحہ کے لیے نظر عوام میں ایک ایسے فرد کیلئے امام بے ہمتا کی طرف مقابل بن گئے۔ جسے علماء حرمین شریفین فرما رہے ہیں انہ المسید الفرد الامام تو یہ دوسری بات ہے۔ (اجل الرضا صفحہ ۷)

پھر افتخار کا دورہ ان کو اس طرح بیتاب کرتا ہے کہ اب کیوں نہ ہے ضرورت معلوم ہو گا کہ محمدی کچھار کا شیر شرذہ حیدری نعرہ کے ساتھ سامنے آیا۔ (اجل الرضا صفحہ ۱۷)

اپنے علوم کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر اس میں وہ علوم القا فرمائے جن کی ضیا سے حق کی پیشانی جگمگا اٹھی۔ (سدالفرار صفحہ ۲) اپنی فرضی و خیالی غیر محدود مقبولیت کی نسبت اعلیٰ حضرت کا قلم تراوش کرتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مدہ پر کرم کہ اسے اپنی پاک مبارک عزت کی نصرت و حمایت کے لیے کھڑا کیا اور مسلمانوں کے قلوب کو اس مدہ کی محبت سے بھر دیا۔ (سدالفرار صفحہ ۳)

پھر اسی کے متصل اپنی مٹخت کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ وہ جس نے کبھی شہرت نہ چاہی۔ وہ جس نے ہمیشہ اسباب شہرت سے نفرت رکھی۔ مطلب یہ کہ (بغیر ان کے) چاہے خود خود شہرت حاصل ہو گئی۔ حقیقت میں اعلیٰ حضرت نہایت خدا رسیدہ شخص ہیں۔ شہرت و دنیوی جاہ کی بھلا اس ذی شان بزرگ کی نظر میں کیا وقعت جیسی تو خود خود یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجاہل یا حملہ سے مخاطب نہ چھ مفید اور نہ یہاں کے لائق۔ چونکہ شہرت سے آپ کو نفرت ہے اس وجہ سے مجبولیت کو آپ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں سبحان اللہ۔ یہ آپ کی ہی شان عالی ہے کہ شہرت و مجبولیت دونوں کو آپ حقیر سمجھتے ہیں اصل یہ ہے کہ حب مولیٰ میں آپ ایسے مستغرق ہیں کہ تمام ماسوا سے آپ کو نفرت ہے اس وجہ سے آپ کی نظروں میں نقیضین کا ارتقاع جائز ہے۔

بریلوی صاحب کو اپنی شہرت پر ناز

پھر خود خود اپنی شہرت کا ترانہ اس طرح گاتے ہیں کہ
ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے عرب و عجم و روم و شام و مصر و عراق و مشرق و مغرب میں آفتاب عز و کمال و جاہ و جلال ماکر مشہور کر دیا۔ (سدالفرار صفحہ ۳)

گویا شہرت خود خود اعلیٰ حضرت کے پلے پڑی۔ ورنہ وہ تو اس سے ایسے
ہزار تھے کہ اس کے اسباب تک کو اپنے پاس پہنکنے نہیں دیتے تھے۔ اب جو خود
ان کا یہ قول سبب شہرت بن رہا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اسباب
شہرت سے شہرت کے پہلے نفرت چاہیے لیکن جب کہ شہرت ہو جائے تو پھر
اسباب شہرت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اور بات بات میں اس کے اظہار
کی کہ دیکھو ہم اتنے مشہور ہیں کہ مشرق و مغرب تک ہمارا اثر ہے۔ لطف یہ کہ
خود اس قسم کے اقوال ذریعہ شہرت ہوں ہوا کریں۔ کیونکہ جب مجبوری کی
آن ایک بار ٹوٹ گئی تو اب ذرائع شہرت کو فروغ دینے سے روکنے والا کون۔
شہرت طلبی اور شہرت سے ہزاری دونوں جائے خود صحیح رہیں۔ بقول شخصیت
کہ۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مسلمانو! یہ علوم ہیں جو اعلیٰ حضرت کو القا ہوئے ہیں کہ کہیں ارتقاء
تقصین جائز اور کہیں اجتماع تقصین جائز۔

بریلوی صاحب کے زعم میں حضور اقدس ﷺ

کی عزت ان کی حمایت سے محفوظ ہے

لیجئے اب اس سے بھی زیادہ تیز سنئے۔ اپنی منقبت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ
”وہ اکیلا محمدی شیر جو اس مہرے میدان اعداء میں یارِ رسول اللہ کہہ کر کود پڑا
اور تماچار طرف تلوار کر رہا ہے۔ (سد الفرائض صفحہ ۳)

یعنی گریٹے قلم کے نیزے چلا رہا ہے جس کو اس نیزہ بازی سے اتنی بھی
فرصت نہیں ملی کہ کبھی مجمع عام میں آکر کسی سے سر پیکار ہو تا پھر وہ خواہات
کہا کر ہی گھر لوٹا۔ لیکن خلقت یہ کہنے سے تو باز رہتی کہ۔

از ابداء معرکہ او در میان نبود

لیکن اس میں شک بھی نہیں کہ گھر بیٹھ کر جس قدر اعلیٰ حضرت کے حصہ میں قلبی نیزہ بازی آئی ہے۔ وہ بھی ایسے شخص کے افتخار کے لیے کیا کم ہے شائبہ ہے۔ آفریں باد میں ہمت مردانہ او۔ اور اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے عجب و افتخار کو اتھائی درجہ تک پہنچا دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں! اس کے ساتھ عداوت نہوگی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت رکاوٹ ڈالتی۔ (سدالفرار صفحہ ۳) کیونکہ اب دنیا بھر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی عزت العیاذ باللہ سوائے اعلیٰ حضرت کے کوئی نہیں رہا۔ اس کو خلقت عام طور سے کہتی ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی حد سے متجاوز تعلق و عجب ہے لیکن فقیر کے خیال میں یہ تعلق نہیں ہے بلکہ اس آیت کریمہ واللہ العزیز وکرمہ و اللہ لمنین کی ایک بوجب تاویل ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لوازم سے العیاذ باللہ عزت نہیں ہے بلکہ بطور عرض مفارق کے ہے جس کے لیے اعلیٰ حضرت کی حمایت کی ضرورت ہے اور وہ بھی تہا ان کی حمایت کی جیسی تو فرمایا کہ میرے ساتھ عداوت کے یہ معنی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت میں فتور ڈالا گیا حضور اقدس ﷺ کی عزت آپ کی حمایت سے (چشم بد دور) محفوظ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ وجہ ہیں جن کی وجہ سے عام طور پر خلقت آپ سے بدظن ہے لیکن فقیر کے خیال میں سوء ظنی کی کوئی وجہ نہیں جب کہ اعلیٰ حضرت مجدد ماضیہ حاضرہ ہیں تو خلقت کو چاہیے تھا کہ وہ شب و روز ان کی مدح سرائی میں گزارتی جیسا کہ مجددین سابقین کے ساتھ اس کا یہی رواج رہا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی قدرتی طور سے خلقت کے ساتھ یہ امید و اہمیت کی لیکن انہوں نے مخلوق کی زبانوں پر قفل پڑا ہوا پایا تو بالآخر مجبور ہو کر ان کو اپنی ہر سکوت کو توڑنا پڑا۔ کہ اب اگر یہ مدح نہیں کرتی تو پھر میں کیوں اپنی مدح و ثناء سے چوکوں۔ رہی یہ بات کہ دیگر مجددین کے طرز عمل سے اعلیٰ حضرت کا طریق جدا رہا۔ سو اس میں کوئی قباحت نہیں کہ سب سے علیحدہ ہو کر سب سے ممتاز ہو گئے۔ بقول شخصے کہ ۔

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بجڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اعلیٰ حضرت چونکہ قدرتی طور پر سب سے ممتاز ہیں اس وجہ سے اگر امتیاز کے طالب ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ خلقت کی نظر اعلیٰ حضرت کے صرف صریح دعویٰ مجددیت پر ہے۔ ہنوز ان کے ضمنی دعویٰ پر اس نے نظر غائر نہیں ڈالی۔ اگر خلقت کو کچھ سمجھ ہے تو فقیر اس کی طرف ایک اشارہ کرتا ہے۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو پھر صراحت کے ساتھ بھی سمجھانا اس کو مشکل ہوگا۔ دیکھو! اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ مصطفیٰ رضا خاں کا نام نامی کتاب وقعات السنان کی لوح پر اس طرح مرقوم ہے۔ تصنیف لطیف جناب مولانا مولوی ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری۔ فرمائیے جب صاحبزادہ صاحب آل الرحمن ہوئے تو خود اعلیٰ حضرت کیا ہوئے۔ بس سمجھ جاؤ۔ اب محی الدین جیلانی تحریر کرنے کی کیا شکایت۔ اعلیٰ حضرت کے مطلع نظر وہ شی ہے کہ اس کے سامنے مجددیت کی کوئی حقیقت نہیں۔

اعلیٰ حضرت سے گزارش

اعلیٰ حضرت سے بادب گزارش ہے جناب کو اگر خدا نخواستہ اس رسالہ کے مطالعہ سے ٹکدر پیدا ہو تو پہلے اپنے ان الفاظ پر نظر ثانی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمالیجیے۔ جو اہل الرضائیں آپ نے تحریر فرمائے ہیں جس کی چند مثالیں پیشکش مدگان عالی ہیں۔ مجاہل و جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ (اجل الرضا صفحہ ۴) ہمت تو بہت فرمائی تھی مگر افسوس کہ ایک وار کی بھی نہ ہوئی۔ (صفحہ ۴) ایک بار میدان میں آنا ہوا اور دیکھا کہ سامنا اس کا شیر شرزہ سے ہے۔ صفحہ ۵ معمولی مخرقات جن کے صد ہار دھو چکے (صفحہ ۵) مصنف القول الاظہر کے دل میں اللہ واحد قہار کی عظمت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی باگلی ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۹) مقتضائے حیا تو یہ تھا۔ (صفحہ ۱۰) آپ

کے رسالہ القول الاظہر کو کہ اسس بنیا نہ علی شفا جرف ہار فانسہار کا مزہ چکھایا۔ (صفحہ ۱۴) اجماع کے اسلی حرف تین ہی تو ہیں دونوں پر زوائد بھی درکار ہوں تو اشرف علی وانیمٹھوی کہ الحاد وار تدا کے سر ہیں جب الحاد و جمل و مکامہ والار تدا و عناد کے سر جمع ہو جاویں (صفحہ ۱۶) نہایت ناگفتنی بات حد سے زیادہ شرمناک (صفحہ ۱۹) وہ جو شدید باطل و مطرود بلکہ ملعون و مردود ادعا تھا۔ (صفحہ ۲۰) اس کے بعد کے نمبر اسی خرافت کے رد ہیں۔ (صفحہ ۲۰) یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علیہ میں دخل کی ہمت۔ (صفحہ ۲۱) القول الاظہر کی تاہمیاں صفحہ ۱۹ مصنف القول الاظہر کی سخت ناہمی (صفحہ ۲۱)

مصنف القول الاظہر نے آپ کی جناب میں ایسی کیا گستاخی کی تھی جس کا یہ معاوضہ ملا۔ اس میں نہایت ادب کے ساتھ آپ کو خطاب کیا تھا۔ اور جا چاہا آپ کو فاضل بریلوی سے تعبیر کیا گیا تھا جس کا یہ صلہ ملا۔ کہ مجاہل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ اس زیادتی پر چاہے تو یہ تھا کہ جواب ترکی بہ ترکی دیا جاتا لیکن جب کہ آپ اپنی عادت نہیں چھوڑتے تو ہم کیوں اپنی پسندیدہ عادت کو خیر باد کہیں ہم نے اب بھی آپ کو تعطیس الفاظ سے مخاطب کیا ہے اور صریح ناملائم الفاظ سے احتراز کیا کہ وہ آپ کا حصہ ہو چکے ہیں دوسرے کی ملکیت میں ہم کیوں دست اندازی کریں اور اس وجہ سے ہم دوسروں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ آپ مذہبانہ طرز سے گفتگو کریں بلکہ ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو طریق گفتگو آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو آپ میں رنج اختیار فرمائیں لیکن براہ کرم اس خوبصورت حیلہ مجاہل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ سے اپنی عقب گزاری نہ کریں۔ آخر مخاطبہ کی نوبت پہنچ ہی گئی۔ گودر پردہ سہی۔ آپ پردہ کے ساتھ مخاطبہ کریں ہم بے حجاب آپ سے مخاطبہ کے لیے تیار ہیں۔

انہر میں ہم بھی اعلیٰ حضرت کی طرح مسلمانوں سے عرض کرتے ہیں کہ
 مسلمانو! اگر دین عزیز ہے۔ تو آنکھ کھولو اور گمراہیوں سے بچو۔ ورنہ تم جانو تمہارا
 کام۔ سجدہ دینا ہمارا کام۔ توفیق دینا مولیٰ عزوجل کا کام۔ و آخر دعوانا ان
 الحمد لله رب العالمین وصلى الله تعالى على خير
 خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

فقیر معین الدین کان اللہ لہ

صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ

اجمیر شریف

علمائے دیوبند اور بریلی
کی خدمات کا تقابلی جائزہ

از قاری محمد طیب صاحب

مقدمہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
ماہنامہ ”فاران“ کراچی میں فاضل محترم مدیر فاران جناب ماہر القادری
بدایونی کا مضمون بعنوان ”ہماری نظر میں“ نظر سے گذرا جو دو قسطوں میں فاران
میں شائع ہوا ہے۔ پہلی قسط جولائی ۱۹۷۶ء میں کتاب ”فاضل بریلوی علماء حجاز
کی نظر میں“ مصنفہ پروفیسر محمد مسعود صاحب پر تنقید کے سلسلے میں ہے اور
دوسری قسط فروری ۱۹۷۷ء میں کتاب ”زلزلہ“ مصنفہ جناب ارشد صاحب
قادری پر نقد و تبصرہ کے سلسلے میں ہے۔

محترم مدیر ممدوح حضرت ماہر القادری سے مجھے اس وقت سے تعارف
حاصل ہے جب وہ تقسیم ملک سے پہلے بمبئی میں مقیم تھے اور پھر تقسیم ملک کے
بعد کراچی میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہ تعارف اور تعلق اس وقت سے اب تک
بدستور قائم ہے۔ احقر نے انہیں مخلص، نیک، نادر، یک رخ اور صاف ذہنی سے
بے لاگ تنقید و تائید کا خورگ انسان پایا۔ وہ اپنی دانست میں جو بھی کہتے یا لکھتے
ہیں ضمیر کی سچائی سے کہتے ہیں۔ تائید ہو یا تردید ہر ایک میں یہ رنگ اعتدال کے
ساتھ قائم رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میں ان سے کسی نظریہ یا خیال سے اختلاف
کر لوں اور متفق نہ ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان کے کہنے یا لکھنے میں
ان کے ضمیر کی سچائی سے اختلاف رکھوں، کہ یہ خود میرے ضمیر کے خلاف ہے۔
اس زیر نظر مضمون میں بھی ان کا یہ صاحبانہ اور دیانتدارانہ معتدل
رنگ نمایاں ہے جس میں انہوں نے اپنے ضمیر کی حد تک زیر تنقید اور زیر تائید
طباقوں کی خوبی اور خرابی کو بے لاگ طریقہ سے پیش کیا اور بر ملا خوبی کو خوبی

اور خرابی کو خرابی کہا ہے۔ ان کے مضمون کی ان دونوں قسطوں میں ایک حصہ نفس مسلک سنت و بدعت کے متعلق ہے۔ اور ایک حصہ ان مسلکوں کے پیروں کے افکار و خیالات اور مقدمات و حالات سے متعلق ہے۔ اور دونوں ہی امور کے بارے میں انہوں نے صاف دلی کے ساتھ صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ علماء دیوبند کی خدمات اور ان کے اتباع سنت اور محتاط رویہ کو سراہا ہے۔ اور حضرات بریلی کے مبتدعانہ اور اعتقادات شرک آمیز جذبات الوہیت و عبدیت نبوت و ولایت اور توحید و شرک کے فرق کو مٹا دینے کی روش پر گراں تنقید کی ہے۔ صاف دلی کے ساتھ صاف گوئی کا اثر مطالعہ کنندہ پر پڑتا ہے اس لیے احقر کا ان کے مضمون سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ میں یقیناً متاثر ہوا اور کافی حد تک متاثر ہوا اور دل میں مدیر محترم کی قدر و منزلت اور عزت اور زیادہ بڑھ گئی۔

لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ میں اس مضمون میں علماء دیوبند کی خدمات، صحت عقائد اور جذبہ عمل کی ترجمانی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا کہ رد بدعات و منکرات اور شرک و الحاد اور دین میں مضحکہ خیز جاہلانہ رسوم کی صاف صاف قلعی کھولنے سے متاثر ہوا ہوں۔ کیونکہ علمائے دیوبند کی خدمات کتنی بھی دقیع، واقعی، اور جہی بر حقیقت ہوں وہ بہر حال ایک طبقہ کی خدمات ہیں، جنہیں مانا بھی جا سکتا ہے اور ان کا انکار بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ فی زمانہ اہل بریلی کا دین ہی علماء دیوبند کی خدمات کا انکار بلکہ ان کے اسلام و ایمان تک کے انکار و تکفیر پر قائم ہے۔ گویا علماء دیوبند نہ ہوتے تو شاید ان کا مزعومہ ایمان بھی انہیں نصیب نہ ہوتا، جو جہی ہی اس منفی پہلو پر ہے۔ اسی لیے بریلوی حضرات اپنی خدمات کے سلسلے میں آج تک کوئی مثبت اور معقول نصب العین نہیں پیش کر سکے جس پر اہل نظر غور و فکر کر کے کسی رد و قبول کا فیصلہ کرتے، خواہ وہ تعلیمی نظریہ ہوتا یا تبلیغی و سیاسی منصوبہ ہوتا یا اقتصادی، تصنیفی پروگرام ہوتا یا تربیتی، قومی پروگرام ہوتا، یا بین الاقوامی، جبکہ بد قسمتی سے سارے ہی اس قسم کے پروگرام علماء دیوبند نے سمیٹ لیے تو میدان علم و عمل میں رہ ہی کونسا گیا تھا کہ وہ اس میں ہمہ گیر طریقہ پر پیش قدمی کرتے، نیز جبکہ بریلی کے پروگرام کا اہم ترین بلکہ اقدم ترین نظریہ تکفیری مشغلہ ہے کہ یہ کافر وہ کافر وہ خارج از اسلام اور یہ خارج از ملت اور ان سب طبقوں کا نکاح شرعاً غیر منعقد۔ لہذا وہ ولد الزنا اور یہ ولد الحرام وغیرہ

یعنی ابجد ہی جب منفی پہلو سے ہو تو کسی مثبت پروگرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پروگرام جسے کہتے ہیں وہ منفی سوراخوں سے کبھی نکلتا ہی نہیں۔ عملی نقوش ہمیشہ مثبت ہوتے ہیں اسی لیے قابل توجہ ہوتے ہیں جن پر وجود پسند غورو فکر کے ساتھ توجہ کرتے ہیں۔ منفی اور عمومی اشیاء کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا، کہ وہ قابل التفات ہوں۔

بہر حال علمائے دیوبند کی خدمات واقعی ہوں یا غیر واقعی ایک طبقہ کی خدمات ہیں جن کا ماننا نہ ماننا یا مدح و ذم کا سزاوار سمجھنا نفس دین پر براہ راست اثر انداز نہیں ہو سکتا لیکن بدعات و منکرات غلو کنندوں کی تحریفات مبطلوں کے کذبات جاہلوں کی رکیک تاویلات اور تبلیغات کا پردہ چاک کر کے اصل دین معین اور اصل سنت معین کے چہرہ سے نقاب اٹھانا یا بالفاظ دیگر مصنوعی دین کو راستہ سے ہٹا کر اصل دین و سنت اور اسوۂ نبوت کو سامنے لے آنا کسی طبقہ خاص کی خدمت نہیں بلکہ اصل دین کی بنیادی خدمت ہے جس پر بظاہر اسباب دین کا بقا اور ارتقاء موقوف ہے اس لیے قدرتنا مجھ پر انبساط اور اطمینان کا جو اثر مضمون کے اس حصہ سے پڑا اتنا علماء دیوبند کی طرف سے مدافعت اور ان کی خدمات کو سراہنے کا نہیں پڑا گو وہ بھی بالواسطہ دین ہی کی خدمت تھی اور قابل تشکر خدمت تھی۔

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرت ماہر القادری جیسے نقاد اور بے لاگ تنقید کے خوگر انسان کے قلم سے علماء دیوبند کی خدمات اور ان کے اصل مسلک کا اعتراف بلکہ اعلانیہ ان کی حمایت و تائید اور باوجود بعض امور میں اختلاف رکھنے کے پر زور دفاع و اقدام ناپسای ہوگی اگر اس کو قابل قدر اور واجب تشکر نہ سمجھا جائے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء محترم مدیر فاران کی اس تائید و حمایت علماء دیوبند کا خلاصہ قدرے میرے الفاظ کی آمیزش کے ساتھ یہ ہے کہ علماء دیوبند نے مجاہدانہ شان سے دین کو پھیلانے اور دشمنان دین کو پسپا کرنے کی مساعی میں جانوں کی بازی لگا دی مالی قربانیاں دیں۔ مدح و ذم سے لاپرواہ ہو کر اعلیٰ کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا، علی لائوں میں ہر دینی علم کی پیلاپے تصانیف سے کتب خانوں کو بھر دیا، اپنے خطبات و مواعظ میں محققانہ انداز تعبیر سے مسائل دین اور عقائد سلف کو وقت کی زبان میں دنیا کے سامنے رکھا، جس سے ان کی

تصانیف اور مقالات نے قبولیت عام کا تمغہ حاصل کیا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ملک کے ہر ہر خطہ اور کونے سے گذر کر دوسرے ممالک تک بھی پہنچا۔ اور مشرق و مغرب ان سے سیراب ہوا۔ تبلیغ و موعظت کی لائن سے کتنوں ہی کو گمراہی سے نکال کر انہوں نے راہ راست پر ڈالا۔ پھر تعلیمی لائن اور درس و تدریس سے ہزاروں کی تعداد میں محدث، مفسر، فقیہ، متکلم اور مشائخ سلوک تیار کئے۔ جس سے قلوب ان کی طرف جھک گئے۔ اور ان سب کامیابیوں کی ظاہری بنیاد یہی ہے کہ انہوں نے دین کی دعوت اسی طرح سادگی اور للہیت اور اخلاص سے دی جو طریقہ سلف صالحین کا تھا کہ سلف کی دعوت و تبشیر و انذار و تحذیر میں نہ کسی پر لعن طعن ہوتا تھا۔ نہ بدگوئی، نہ سب و شتم سے ان کی زبانیں آلودہ ہوتی تھیں، نہ ان کے قلوب میں ضد اور عناد کے جراثیم پرورش پائے ہوئے تھے۔ نہ فساد ذات البین اور قوم کے بندھے ہوئے شیرازہ کو بکھیرنے اور قومی تفریق کی تہمت سے متہم تھے۔ نہ ان کی تیز و تند آوازوں کی بے نیام تلواریں تکفیری اور دل خراش ہوتی تھیں کہ دلوں کے ٹکرے کر دیں، نہ وہ جمع شدہ کو تفریق کا شکار بناتے تھے، نہ گروہ سازی ان کے پیش نظر تھی کہ تعصب و عصبیت کو ہوائیں دیں نہ جدال و مجادلہ اور مبارز طلبی ان کا نصب العین تھی کہ وہ سادہ لوح عوام کے جذبات کو بھڑکائیں، بلکہ صرف قال اللہ و قال الرسول اور قال الصحابہ ہی ان کی زبانوں کی زینت اسوۂ نبوت و ارثان نبوت ہی ان کے دست و بازو کی قوت تھی۔ اور اخلاص و اتباع سنت ہی ان کے دلوں کا جوہر تھی۔ ان کے اصلاحی خطبات اور موبیانہ کتبات میں نرمی و رافت، لہجوں میں رحمت و شفقت اور انداز تعبیر میں محبت و اخوت کے جذبات گھلے ہوئے تھے جو قدرتنا قلوب کی تسخیر کا باعث اور جذب و کشش اور مقبولیت کا ذریعہ تھے۔ یہ تھی روشن موعظت و نصیحت علماء سلف کی اور یہی صورت تعلیم و تبلیغ علماء دیوبند نے بھی اختیار کی جس سے انہیں بھی وہی موروثی مقبولیت ملی جو سلف کو ملی تھی۔ اور ان کا سلسلہ علماء، علمائے ”ذوقاً“ و جداناً سلف صالحین سے سند متصل کے ساتھ ملا ہوا رہا جس میں کبھی کوئی درمیانی انقطاع نہیں ہوا۔ دور صحابہ سے مسلسل ملا ہوا چلا آ رہا ہے اس لئے یہی علماء دیوبند اہلسنت والجماعت کہلانے کے قابل ہوئے۔ اس لئے یہ کوئی فرقہ نہیں بلکہ اصل میں فرقہ وہ ہے جو ان سے کٹ کٹ کر

اصول و فروع میں الگ ہوتا رہا اور اپنا مستقل وجود سب سے الگ تھلگ ان کی نفی پر قائم کرتا رہا ہے۔ جس کی بنیاد سنت و جماعت پر نہیں بلکہ خود اپنے اپنے ذہنی منصوبوں پر ہے۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ ہی سے اس طبقہ حقہ کا لقب اہل السنۃ و الجماعت قرار پایا۔ جن میں محدثین و فقہاء مفسرین و متکلمین مشائخ سلوک و طریقت، مجاہدین و غزاة اور امراء عدل و قسط سب شامل ہیں جن کے مجموعے کا نام اہل السنۃ و الجماعت ہے اور سلف صالحین سے وراثتہ انھیں یہ لقب ملا ہے۔ جیسا کہ اس جامع لقب کے بارے میں محدث شمشیر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب البدور السافرة فی امور الآخرة میں ایک مستقل باب رکھ کر آیت کریمہ یوم تبيض وجوه و تسود وجوه کے تحت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال هذه الآية قال يوم تبيض وجوه اهل السنۃ و الجماعة، و تسود وجوه اهل البدع و الضلال... جس سے واضح ہے کہ اصل ملت اسلامیہ کا یہ لقب صحابہ ہی کے زمانہ خیر و برکت کا تجویز شدہ ہے۔ پھر جو بھی فرقہ بتا وہ اس سے کٹ کر بنا ہے اور اسے فرقہ بدعت و ضلال پکارا گیا۔ اس لیے اصل طبقہ دین اور دوسرے منقطع شدہ فرقوں کے حق و باطل کے پہچاننے کا سیدھا سادہ معیار یہی نکلتا ہے کہ جس طبقہ میں عشق و محبت صحابہ، عزم و جلالت صحابہ، عقیدہ و عمل میں پیروی صحابہ اور ذوق و وجدان میں نمونہ صحابہ کا رنگ اور ان کے علوم اور آثار کا نقش شدہ متصل کے ساتھ قائم ہے وہی طبقہ اہل السنۃ و الجماعت ہے۔ اور جن میں صحابہ سے بغض و عداوت یا بدگوئی یا بدظنی اور ان کے نمونہ ہائے عمل سے گریز اور اس کے مقابلہ میں جس کے دینی امور مخالف طریق صحابہ، من گھڑت نمونوں، ایجاد شدہ نظریوں اور رسوم اور رویوں پر مشتمل ہوں، جس کی کوئی سند ان تک نہ پہنچتی ہو تو وہی اہل بدعت و ضلال ہیں۔ اس لیے صحابہ ہی کی مقدس جماعت فرقوں کے حق و باطل کے پہچاننے کا صحیح معیار ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث افتراق امت میں اس کی صراحت فرما دی

گئی ہے۔

اسی بنا پر مدیر فاران نے زیر تنقید کتب کے مصنفین اور ان کے فرقہ کے اس طرز عمل پر اظہار تاسف کیا ہے کہ دونوں نے علماء دیوبند کو فرق باطلہ روافض و خوارج یا قدریہ جبریہ یا مجسمہ معطلہ وغیرہ کو فرق باطلہ کی لائن میں لاکر انہیں ایک فرقہ کی حیثیت سے دیکھا اور ان کی تکفیر کا وظیفہ ادا فرمایا ہے دران حالیکہ اہل سنت نے خود ان فرقوں کی بھی علی الاطلاق تکفیر نہیں کی اس لیے علماء دیوبند کوئی فرقہ نہیں ہیں بلکہ اصل ملت کے پیرو ہونے کی وجہ سے اصل دینی طبقہ ہیں جو سند متصل کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں اس لیے وہ اصل ہیں نہ کہ اصل سے ہٹا ہوا کوئی فرقہ۔ فرقہ اصول و کلیات کی تبدیلی و تحریف سے بنتا ہے نہ کہ فروع کے اجتہادی اختلاف و تفاوت سے کہ وہ باہمی اختلاف کے باوجود ایک ہی فرقہ کی شاخ کہلاتا ہے جبکہ اس میں وہ کلیات اور اصول کا اختلاف نہیں ہوتا جس میں غلو اور مبائد اور تشدد یا غلبہ حال شامل ہو کیونکہ اصول کا اختلاف کبھی غلو اور غلبہ پر احداث سے ہوتا ہے اور کبھی غلبہ محبت سے ہوتا ہے جیسے روافض کا دین اسی غلو پر مبنی ہے۔ جس کے اصول ہی وہ نہیں جو اصل مسلک حق کے تھے کبھی غلو عداوت سے ہوتا ہے جیسے خوارج نے اسی غلو سے مغلوب ہو کر صحابہ کی روش سے اصولی اختلاف کیا کبھی غلو عقل و خرد سے ہوتا ہے جیسے معتزلہ نے عقل کو نقل پر حاکم مانا اور دین کے اصول و کلیات کو عقلی تنگ و تاز سے بدل دیا کبھی یہ غلو غلوئے بلاوۃ و غباوۃ سے ہوتا ہے جیسے جبریہ نے غباوۃ سے مغلوب ہو کر نظام دین ہی یکسر بدل ڈالا اور عقائد کو نظریات میں تبدیل کر دیا کبھی شہوات نفس اور نفسانی جذبات کے غلو سے ہوتا ہے جیسے عموماً تمدن پسند طبقہ اپنی خواہشات نفس پر دین کو ڈھال لیتا ہے اور حسب خواہش نفس مسائل میں طرح طرح کے اصولی تغیرات کرتا رہتا ہے جس سے دین کی ایک نئی قسم بنام ماڈرن دین پیدا ہو جاتی ہے جس کے اصول و فروع ہدایت رب کے بجائے ہوائے نفس سے بنتے ہیں اور شدہ شدہ دین کا لقب پا لیتے ہیں۔ لیکن علمائے دیوبند جبکہ دین کی تمام اصول و فروع میں دین صحابہ کے پابند اور انہی کے آثار کے دائرہ میں محدود رہ کر اصول و فروع کو سمجھتے اور ان کی مرادیں متعین کرتے ہیں جس میں نہ غلوئے محبت سے

جادو مستقیم سے بنتے ہیں، نہ غلوئے نفرت اور منافرت سے نہ عقل نااندیش کے غلو اور تعمق کا شکار ہیں، نہ ہوائے نفس کے غلو میں گرفتار تو ان کے فرقہ ہونے کی کوئی وجہ ہی پیدا نہیں ہوتی۔ انھوں نے تو ایک ایک سنت نبوی اور اسوۂ حسنہ نبوت و صحابیت کی ہر ہر شعبہ جات دین و معاشرت میں شدت سے پابندی اور پیروی کی کہ اس کے بغیر فراست ایمانی، قوت عرفانی، ضیا وجدانی اور علمی قوتوں کا نشوونما ممکن نہیں تھا۔ اور شخصیات مقدسہ کی عظمت و توقیر یعنی ذات نبوی سے لے کر آپ کے سچے ورثہ و جانشین اور راسخین فی العلم صحابہ و تابعین۔ ائمہ مجتہدین علماء و مشائخ ربانین، حکماء دین، عرفاء حقانین کی ذوات کے ساتھ گرویدگی، ادب و تعظیم، نیاز مندانہ عقیدت و محبت اور ان کے اخلاق و شمائل، سنن و خصائل اور روایت کردہ مسائل و دلائل کے ساتھ مطیعانہ شغف کے ساتھ پیروی، نیز حل مسائل میں ان کے اقوال و آثار سے باہر آنا ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں کیا، اگر صوفیاء پر حرف آیا تو برسر میدان اس کا ازالہ کیا۔ اس الصوفیاء شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ پر ان کے بعض اسالیب بیان سے گرفتیں کی گئیں تو حضرت تھانویؒ نے ”التنبیہ الطریبی فی تنزیہ ابن العربی“ لکھ کر طاعنوں کا منہ بند کیا۔ اور اگر حضرت منصور علاج پر ان کے بعض مقامات سکر یہ پر طعن و تشنیع کی زبانیں کھلیں تو ”القول المنصور“ حضرت ممدوح نے لکھ کر ان کے اقوال کی صحیح توجیہ پیش کی جس سے طعنہ زنوں کے منہ بند ہو گئے اور اگر علماء سلف اور ائمہ مجتہدین پر کسی نے بدگونی کر کے اپنی آخرت خراب کی تو ان ہی علماء دیوبند نے پچاسوں تصانیف اور مقالات کے ذریعے ان کی زبانیں بھی بند کیں اور ان رخنوں میں بند لگائے۔

بہر صورت سلف صالحین کو اصل معیار دین ٹھہرا کر اسی معیار سے حق کو حق اور باطل کو باطل ٹھہرایا۔ اور غلط فہمیوں کا ہر سمت سے سدباب کیا کہ اس کے بغیر شہوات نفس کی تعدیل، محبت خدا و رسول ﷺ کے تحت زہد و ورع و احتیاط اور عمل کے حقیقی دواعی قلوب میں نہیں ابھر سکتے تھے۔ پہلی بنیاد کا ثمرہ علم صحیح تھا اور دوسری کا عشق صادق اور محبت عقلی کی یہی دو بنیادیں ہیں جنہیں الحمد للہ علمائے دیوبند نے علما و عملاً، اعتقاداً و ذوقاً اپنایا اور قائم رکھا اس لیے اس ناکارہ کے ذہن میں ان کی مقبولیت کی حقیقی بنیاد محض دانستنی خدمت نہیں بلکہ

ان کی یہ دو حقیقی بنیادی علم و عشق اور ان کی جامعیت ہے جنہوں نے ان میں اعتدال پیدا کیا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں بیان شدہ لقب کے دونوں اجزاء یعنی سنت و جماعت کو جمع کیا تو وہ جامع بین الروایۃ والدرایۃ جامع بین العقل والنقل، جامع بین العلم والعشق، جامع بین الحال والقال اور جامع بین الفقہ والسلوک ثابت ہوئے۔ اس لیے ان کی روش میں حقیقی اعتدال قائم ہوا جو ان کے حق میں ذریعہ مقبولیت و محبوبیت اور ذریعہ عمومیت و اشاعت ثابت ہوا۔ اس جامعیت کے تحت انہوں نے ایک طرف اپنے علمی وقار خودداری اور استغناء کو قائم رکھا اور ایک طرف تواضع اللہ اور انکسار نفس میں فرق نہیں آنے دیا 'نہ کبر نفس کا شکار ہوئے نہ ذلت نفس میں گرفتار ہوئے' نہ توحید چھوڑی اور نہ عقمت اہل اللہ ترک کی:

”یوں بہم کس نے کئے ساغر و سنداں دونوں؟“

اس لیے باہیں جامعیت نہ تو وہ مثل علماء روزگار خود ستا اور خود بین بنے اور نہ دوسروں کے حق میں تحقیر و تذلیل کے ساتھ مکھڑ اور بدیں ثابت ہوئے بقول سعدی شیرازی۔

یکے آں کہ برخویش خود ہیں مباش دگر آنکہ برغیر بدیں مباش

اسی لئے ان سے امت میں۔ کوئی مفیدہ پھیلا نہ فرقت کے جراثیم پھیلے نہ اختلاط حق و باطل کے شرارے ابھرے بلکہ اندرون حدود اتحاد و ایتلاف ہی نمایاں ہوا اور اندرون تہذیب حق و باطل کا فصل اور امتیاز ہی نکلا۔

اور ساتھ ہی جبکہ پروگرام منفی ہے تو اسے پروگرام سمجھ کر شاید کوئی کھڑا بھی نہ ہو گا سوائے اس کے کہ دین سے بے خبر سادہ لوح عوام سوچے سمجھے بغیر ہاں میں ہاں ملاستے ہیں۔ اور کام کا سلسلہ قائم رہے البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کاروبار کے ذمہ داروں کو خود ہی یہ خیال دامن گیر ہو کہ اس پورے ملک اور بیرون ملک کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو کہاں تک کافر کہا جائے۔ کوئی مثبت لائحہ عمل بھی اس کے ساتھ ہونا چاہئے کہ عوام کے آگتا جانے اور پڑھے لکھوں کے ہزار ہو جانے کا خطرہ ٹلے تو شاید اس لئے ان حضرات نے اپنا ایک مثبت

نصب العین بھی پیش فرمایا ہے جس کی دعوت دی ہے وہ بنیادی طور پر خالق، مخلوق، معصوم، غیر معصوم اور نبی غیر نبی کا فرق مٹا دیتا ہے۔ کیونکہ تمام لیل سنت و الجماعت سے ہٹ کر اپنا ایک ممتاز مسلک پیش فرماتے ہیں کہ جو کام خدا کرتا ہے وہی ذرا ذاتی اور عطائی کے فرق سے اس کے مقبول بندے مثلاً انبیاء بھی کر سکتے ہیں اور اگر انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اولیاء کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ ان بنوؤں کے کام تو اولیاء بھی انجام دے سکتے ہیں۔ تو پھر اس کی خاص ضرورت نہیں کہ اپنی مرادیں مانگنے میں خدای کی طرف رجوع کیا جائے اور سارے امور خدا کی عبادت پر موقوف رکھے جائیں۔ بس جیسے خدا کو سجدہ کیا جائے ایسے ہی اللہ والوں بلکہ ان کی قبروں تک کو سجدے کئے جاسکتے ہیں اور جیسے بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے ایسے ہی اولیاء کی قبور کا طواف بھی کیا جاسکتا ہے اور جیسے خدا سے مرادیں مانگی جاسکتی ہیں ویسے ہی ان بزرگان دین کی قبروں پر جا کر ان سے بھی مرادیں مانگی جاسکتی ہیں اور جیسے اللہ کے نام پر قربانی دی جاسکتی ہے ایسے ہی ان بزرگان دین کے حرارت پر ذبح کئے جاسکتے ہیں۔ جیسے خدا اپنی مخلوق میں اپنے اختیارات سے تصرف فرماتا ہے ایسے ہی یہ اولیاء اللہ بھی اپنے اختیاری تصرفات فرما سکتے ہیں اور جیسے خدا اپنے بندوں کی ہر بات سنتا ہے اور انہیں ان کی مرادیں اور اولاد و رزق وغیرہ دیتا ہے ایسے ہی انبیاء و اولیاء بھی سب کی فریادیں سنتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں اور جیسے اللہ عالم الغیب اور سارے ماسکان و مایکون کا علم رکھتا ہے اور جیسے اللہ ہر جگہ زمان و مکان میں حاضر ہے ایسے ہی حضور اکرم ﷺ بھی حاضر و ناظر ہیں جو مخلوق کی ساری باتیں سنتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں اور جیسے اپنی عبدیت و بندگی ظاہر کرنے کیلئے عبد اللہ و عبد الرحمن نام رکھے جاتے ہیں ایسے ہی ان اولیاء سے بھی اپنا رشتہ عبدیت قائم کرنے کیلئے عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ نام رکھے جاسکتے ہیں۔ یعنی اللہ اور ان بندوں میں ذات و صفات اور افعال کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں۔ بجز اس کے کہ ذاتی اور عطائی کی فصل میز لگالی جائے مگر جنس ایک ہی ہے۔ اس لحاظ سے بندوں کو اللہ بھی کہہ سکتے ہیں جیسے عیسائیوں نے کہا تھا کہ ان اللہ هو المسیح بن مریم لہذا اگر کہا جائے کہ

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
وہی زمیں پر جلوہ گر ہوا مصطفیٰ ہو کر

بہر حال ان بزرگان دیوبند نے علمی، عملی اور اخلاقی و سیاسی دائرہ میں
بھرپور علمی اور ان تھک عملی خدمات انجام دیں مگر اعتدال کا رشتہ ہاتھ سے
نہیں چھوڑا چونکہ جامعیت ان کا جو ہر نفس بن چکی تھی۔ ممکن ہے کہ یہی خدمات
اور مجاہدانہ کارنامے ان لوگوں کیلئے ان حضرات کی تکفیر کا باعث بنے ہوں ”
الناس اعداء لما جھلوا“ لیکن مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں۔ علمائے
دیوبند مومن ہوں یا معاذ اللہ کافر! اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ
ان کافر کہنے والوں کا آخر وہ کون سا نصب العین ہے اور ملی، مذہبی، سیاسی و
اقتصادی پروگرام ہے جسے وہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس میں علمائے دیوبند کو
حارج سمجھ کر ان کی تکفیر پر مجبور ہوئے۔ اگر کوئی تعلیمی پروگرام سامنے ہے تو
علمائے دیوبند نے اسے سو برس سے عالمگیر پیمانہ پر اٹھا رکھا ہے اور ہزاروں
مدارس کا جال ہند و بیرون ہند میں پھیلا چکے ہیں۔ ایک مدرسہ دیوبند ہی تقریباً
گیارہ ہزار سے زائد مکمل علماء تیار کر چکا ہے۔ جو ہند و بیرون ہند میں سرگرم عمل
ہیں۔ تو پھر انہیں تعلیمی نصب العین پر کیا اکسایا جائے۔ اگر کوئی تبلیغی پروگرام
ہے تو فضلاء و متبعین دیوبند نے بین الاقوامی طور پر تبلیغی سلسلہ کو عالمگیر بنا دیا
ہے۔ ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کا کوئی ملک نہیں چھوڑا جس میں سادگی اور
کمال فروتنی سے اللہ کا کلمہ بلند نہ کیا ہو۔ پھر نہ صرف علماء بلکہ عوام تک کو تبلیغی
جماعتوں نے سرگرم دعوت و تبلیغ بنا دیا ہے تو اس پر انہیں کیا ابھارا جائے۔ اگر
کوئی سیاسی پروگرام ہے تو وہ سو سال پہلے کانگرس قائم ہونے کے وقت سے
سیاسی اور حقوق طلبی کے اقدامات کی حمایت میں فتویٰ دے چکے ہیں اور درمیان
میں ہر انگریز مخالف تحریک کی قیادت اور سرکردگی دارالعلوم و جمعیت علماء ہند نے
کی تا آئنگہ جنگ آزادی میں بھی سب سے پیش پیش رہے۔ قید و بند کی مشقیں
سب سے زیادہ انہوں نے ہی جمیلیں اور ساری سختیاں برداشت کیں۔ یہاں تک
کہ ملک کو آزاد کرالیا تو اس میں کوئی نو پیدا جماعت انہیں کیا سبق دے سکتی ہے
اور اگر کوئی تربیتی پروگرام ہے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے اخلاق کو شائستہ

بنانے کی اسکیم ہو کہ لوگ مہذب و شائستہ بنیں، 'گالم گلوچ' متعصبانہ کرنگلی، نفرت و علیحدگی پسندی اور تکفیری جذبات سے انہیں بچا کر ربانی اخلاق پر لایا جائے تو یہ کام وہ بسلسلہ بیعت و ارشاد ہمہ گیر پیمانہ پر سو برس سے انجام دے رہے ہیں اور ہزاروں اہل دل انہوں نے تیار کر دیئے جو اپنی اپنی جگہ محقق قسم کے مشائخِ عہدیت ہوئے۔ تو اس بارے میں کیا انہیں سبق دیا جاسکتا ہے کہ وہ تو اپنا آموختہ خود دنیا کو سنانے میں مصروف ہیں۔ غرض ان میں سے کوئی بھی پروگرام ایسا نہیں جسے علمائے دیوبند بہت پہلے سے عملاً انجام نہ دے رہے ہوں۔ تو انہیں بریلی سے ایسی دعوتیں کیا دی جاسکتی ہیں۔ اگر دی جائیں گی تو تحصیل حاصل کئے ہم معنی ہوں گے۔ اب بریلی سلسلہ کا ایک ہی اہم پروگرام رہ جاتا ہے جو اس وقت عملاً جاری ہے اس کو وہ پروگرام کے نام سے پیش کر سکتے ہیں وہ تکفیر بازی کی مہم ہے۔ دیوبند والے کافر، ان کو ماننے والے سب کافر، ان کے کفر میں شک کرنے والے بھی کافر، ندودہ والے کافر، علی گڑھ والے کافر، نجدی لوگ سب کافر، اہل حدیث سب کافر، بڑے بڑے لیڈر مثل ڈاکٹر اقبال، ظفر علی خان، وغیرہ سب کافر، نہ ان کے نکاح درست ہوئے نہ ان کی اولاد حلال کی ہے۔ بقول ان کے سب ولد الزنا اور ذریت المحرام ہیں۔ اگر اس کی دعوت دینی ہے تو قطع نظر اس سے کہ یہ فعل اور یہ دعوت معقول ہے یا نامعقول۔ ان علمائے دیوبند کو اپنے شب و روز کے تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، افتائی، اصلاحی اور احسانی مشاغل سے اتنی فرصت کہاں کہ دنیا کو کافر بناتے پھریں اور اس کیلئے حیلے تلاش کر کر کے اور لوگوں کی عبارتوں سے ان کے خلاف مراد مدد لے لے کر تکفیری افسانے تیار کریں اور اس میں وقت لگائیں۔

اس پروگرام کو جبکہ حضرات بریلی نے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو یہ کافی ہے اور وہ اپنی ذاتی دلچسپی سے کسی کی مدد کے بغیر کاروبار ٹھیک چلا رہے ہیں تو جیسے وہ اب تک بلا مدد غیر چلا رہا ہے آئندہ بھی چلا رہے گا۔ اب تک اس میں کسی نے بھی اس کی مدد نہیں کی مگر کاروبار نہیں رکا۔ اب بھی کوئی مدد گار کھڑا نہ ہو تو اس کاروبار میں فرق نہیں آئے گا بلکہ بے یار و مدد گار ہی یہ کام زیادہ عمدگی سے پورا ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے کہ دوسرا اہل میں معقول ترمیم سامنے رکھ دے اور کام میں رکاوٹ ہو۔ اس لئے اس پروگرام کی کسی کو دعوت دینے کی

ضرورت ہی نہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بس احمد اور احمد میں صرف ایم کا فرق ہے جنس اور جو ہر ایک ہی ہے۔ اس لئے جیسے یا اللہ یا رحمن یا کریم پکارا جاتا ہے اسی طرح سے بقول ان کے یا رسول اللہ یا علی یا غوث کی صدا بھی بلند کی جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ بیچ وقتہ اذانوں میں خواہ اللہ نہ بھی پکارا جائے مگر یا رسول اللہ ضرور پکارا جائے۔ اور جو نہ پکارے یا اس سے گریز کرے وہ بے ادب، گستاخ ہے اور کافر ہے۔ جس طرح اللہ کا دباؤ اپنے بندوں پر ہے ایسے ہی ان لعل اللہ کا دباؤ اللہ پر بھی ہے کہ وہ کسی کو بخشا نہ بھی چاہے تب بھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اسے بخشوا سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے وہ مثبت پروگرام اور نصب العین جس کی دعوت مسلم قوم کو دی جارہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ بھی اسلام اور ایمان ہے۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سارے کام تو اسلام سے قبل جاہلیت میں بھی ہوتے تھے، دیوی، دیوتا پکارے جاتے تھے۔ ان ہی سے مدد مانگی جاتی تھی، ان ہی سے استشفاء و فریاد کیا جاتا تھا اس کو متصرف فی الامور اور مدبر عالم سمجھا جاتا تھا اور یہی بقول آپ کے اسلام تھا تو یہ اسلام تو اسلام آنے سے پہلے ہی سے موجود تھا۔ پھر اسلام کو دنیا میں آنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ یہی سب کام جب ابو جہل، ابولہب کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ کی پاک تعلیم سے صدیق و فاروق بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جب کہ ان کے آنے سے پہلے عرب میں یہ سارے کام انجام پاتے تھے بلکہ عرب کی چاروں سمتوں کے دوسرے ملکوں میں بھی ان ہی دیوی و دھاکو بنام اولیاء و انبیاء مرجع طاعت و فریاد اور مرکز استشفاء و الغیث مانا جا رہا تھا۔ ان کے ناموں کی قربانیاں دی جارہی تھیں اور ان ہی کے ناموں کو مسلمانوں کے سامنے رکھ کر چڑایا جاتا تھا کہ لنا عزی و لا عزی لکم جس پر بارگاہ نبوت سے جو لبی نعرہ یہ تلقین کیا گیا اللہ مولانا و لا مولیٰ لکم۔ لیکن جب بریلوی مثبت نقطہ نظر سے ان کے مثبت نصب العین کے تحت یہ جاہلیت اور اسلام ایک ہی چیز ہیں تو پھر کیا ضرورت تھی کہ مشرکین مکہ سے خواہ مخواہ لڑائیاں مول لی گئیں اور پورے عرب کو ان سے پاک کر کے بارگاہ نبوت سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب شیطان مایوس ہو گیا کہ جزیرہ حجاز میں اس کی پرستش کی جائے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اسلام اور جاہلیت کو دو متقابل سمتوں میں رکھ کر لیک کو دوسرے

کا مقابل کیوں کہا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ بریلی کے حضرات بھی زبان سے کم سے کم یہ کہتے ہوں تو کیوں کہتے ہیں جبکہ ان دونوں کے احوال و اوصاف میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔

بہر حال اس پروگرام کے تحت محبت و عظمت خدا و رسول کے یہی معنی ہیں کہ خالق و مخلوق، نبی غیر نبی، معصوم غیر معصوم میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ ولی نبوت کے مقام پر آجائے اور نبی خدائی کے مقام پر پہنچ جائے۔ یعنی خدا خدا نہ رہے رسول رسول نہ رہے تو سمجھ میں نہ آتا کہ پھر خدا و رسول کی عداوت کیلئے آپ کیا لقب اختیار کریں گے اور احباء اللہ اور اعداء اللہ میں فرق کی کیا صورت ہوگی۔ اندر میں صورت یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اسلام خود ہی معاذ اللہ جاہلیت ٹھہر گیا جیسا کہ آپ نے دونوں اوصاف و احوال مساوی کر دیئے تو مسلم و کافر کی اصطلاحیں بھی منقلب ہو جانی لازمی تھیں اور وہ یہی ہو سکتی تھیں کہ دیوبندی، ندوی، نجدی، حدیثی، فقہی، سیاسی سب کافر اور صرف بریلویت کا ایک محدود طبقہ مسلم۔ اس لئے شاید اس خاص قسم کی مسلم برادری کا لقب سنی رکھا گیا ہے۔ عرف عام میں اسے اہل سنت والجماعت نہیں پکارا جاتا مثلاً سنی جمعیت العلماء، سنی مجلس وغیرہ کیونکہ اہل سنت والجماعت کا لقب اس خاص قسم کے اسلام والوں پر منطبق نہیں ہوتا، ظاہر ہے جب مثبت پروگرام دعوت شرک و بدعت دعوت ترک توحید و سنت، دعوت مساوت، عبد و معبود ہو اور منفی پروگرام یہ کافر، وہ کافر، وہ ولد الزنا، وہ ولد الحرام اور ان دونوں پروگراموں کے چلانے کا طریقہ مجالس میں کھلاتہرا کھنا اور نام بنام تکفیر اور دشنام طرازی ہو تو قدرتی طور پر اس کا ثمرہ بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے جیسا پروگرام اور اس کا نصب العین ہے۔ اوز وہ تفریق بین المسلمین اور فساد ذات البین ہو سکتا ہے جو نکل رہا ہے۔ سچ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ”ما اوتی قوم بدعة الا اوتوا الحدل او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام“ کسی قوم میں بدعت نہیں آئی کہ اس کے ساتھ جدل (جھگڑا) فساد اور (فرقہ) نہ آتا ہو۔ العیاذ باللہ۔

محرم مدیر ”قارن“ نے جذبہ خیر خواہی سے ان حضرات کے مشرکانہ مبتدعانہ منصوبوں کی وضاحت کرتے ہوئے بہر حال انہیں دعوت توحید و سنت دی جو بہر آئینہ موجب اجر ہے۔ احقر ان کے مضمون کے اس حصہ سے جو رد شرک و

بدعت سے متعلق ہے جتنا متاثر ہوا اتنا دوسرے حصہ سے نہیں ہوا جو علمائے دیوبند کی حمایت و صیانت و خدمات کے سلسلے میں ہے کیونکہ رد شرک و بدعت اور رد جاہلیت براہ راست اسلام اور قوم مسلم کی خدمت ہے، کسی طبقہ خاص کی نہیں۔ باقی جس حد تک علمائے دیوبند کے بارے میں تحریر فرمایا گیا ہے اس کے بارے میں دل سے دعاء نکلی۔ خیال ہے کہ آئندہ فرصت کے موقعہ پر مزید اس بارہ میں دیوبندیت اور بریلویت کی حقیقی بنیادیں واضح کی جائیں۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا احمد رضا خان
 بدایونی اہل ادب کی نظر میں

تراجم قرآن کا تقابلی معائنہ

بریلویوں نے پاکستان بننے کے بعد اپنے پہلے اختلافات میں ایک اور اختلاف کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ قرآن کنز الایمان ہے۔ ملک شیر محمد خان اعوان نے محاسن کنز الایمان میں اپنا کس بڑی تیاری سے پیش کیا ہے اور حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر بڑی دلیری سے بحث کی ہے۔ یہ 56 صفحات کا رسالہ بریلویوں کو مفت تقسیم کروانا بڑا کیونکہ علمی و ادبی دنیا میں اسے زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اسے قیمت دے کر خریدنے والے بہت کم تھے اور بریلویوں کی کتابوں کو پوچھتا بھی کون ہے۔

ملک صاحب کنز الایمان کو دوسرے معاصر ترجموں سے ملانے اور ان پر تنقید کرنے میں تیز رو واقع ہوئے ہیں۔ شیخ الہند کے ترجمہ پر تنقید کرتے ہوئے آپ یہاں تک بھول گئے کہ یہ کوئی مستقل ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک صدی پہلے کے ترجمہ قرآن پر ایک نظر ثانی ہے۔ ظاہر ہے کہ انہیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے تابع دکر چلے ہیں۔ ترجمہ قرآن کی نزاکت اور وقت نظر نے انہیں آزاد ترجمہ قرآن کی بجائے پہلے متفق علیہ مترجم پر جمع کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے دور میں اردو اپنے ابتدائی مراحل میں تھی حضرت شیخ الہند نے اپنے دور کی مناسبت سے انہیں کہیں نہ کہیں زبان کی تبدیلیاں کیں لیکن مفسرین کے اختلاف میں آپ زیادہ ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر کے ساتھ ہی رہے ہیں۔ بریلویوں کی طرف سے حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حضرت شاہ عبدالقادر پر بھی اسی طرح لوٹتے ہیں۔ انہیں حضرت شیخ الہند پر لگاتار قرین انصاف نہیں ہے۔

دیوبند والوں کو زیادہ تر سبق یہ دیا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ پہلوں کی جیروی میں رہیں۔ یہ صرف مولانا احمد رضا خان ہیں جنہوں نے پہلے ترجمین سے بے نیاز ہو کر ایک نئے ترجمہ کی طرح ذالی اور اپنے عوام میں وہ مجدد کہلائے۔ (یعنی نئے سرے سے بات کرنے والے)

حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن میں اردو دو زمانوں میں کجیا کی گئی ہے۔ صحیح بات جاننے کے لئے آپ نئے اسے اپنی تعبیر دی یہ نہیں کہ آپ کی اردو کنز در تھی۔ جس نے آپ کے خطبات اور حواشی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آپ اردو کے ایک پختہ انشاء پرداز تھے۔

بدایونی حضرات کی نظر میں کنز الایمان کیا ترجمہ ہے اسے آپ مولانا مابہر القادری کے اس تمبرہ میں ملاحظہ فرمائیں جو آپ نے محاسن کنز الایمان پر کیا ہے۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

محاسن کنز الایمان ملک شیر محمد خان کا ایک 56 صفحات کا رسالہ ہے اہل ادب نے اسے کیا پایا یہ اس تمبرہ سے ظاہر ہے جو ماہنامہ فاران میں اس پر کیا گیا ہے۔ مرکزی مجلس رضائے اس پر پھر ضیاء کنز الایمان 55 صفحات میں شائع کیا۔ یہ کیسا رہا اسے آپ فاران کی اگست کی اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بریلویوں کا اہلسنت سے سب سے بڑا اختلاف

کس آیت کے ترجمہ میں ہے؟

کنز الایمان میں آیت انا فتحنا لك فتحاً مُبِيناً۔ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخره پ 26 الفتح کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

تاکہ اللہ تمہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے انگوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اس سے پہلے کے سنی تراجم میں اس کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

(حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

اس پر بریلوی علماء کو یہ اعتراض ہے کہ اس ترجمے سے عصمت نبوت مجروح ہوتی ہے ذنبک میں لفظ ذنب کی نسبت حضور کی طرف کرنا آپ کی بڑی بے ادبی ہے اس کی نسبت امت کی طرف کی جائے جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے کیا ہے نہ کہ حضور کی طرف جیسا کہ پہلے مترجمین کرتے آئے ہیں۔ قارئین مطالعہ بریلویت سے مخفی نہ ہوگا کہ مطالعہ بریلویت جلد 2 صفحہ 118 پر ہم نے پہلے سنی تراجم کے حق میں مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا تقی علی خان کو بھی اپنے گواہوں میں پیش کیا ہے اور پھر اس جلد میں بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث آگے آ رہی ہے۔

ہمارے قارئین اس بات سے بہت خوش ہوں گے کہ مولانا مظہر اللہ دہلوی کے نواسہ ابوالخیر مولانا محمد زبیر نے یہاں کھل کر یہ بات کہہ دی ہے کہ پچھلے سنی تراجم کو غلط کہنے میں اس کی زد و کن کن اکابر امت پر آتی ہے۔ ہم مولانا موصوف کے مصمم قلب شکر گزار ہیں کہ انہوں نے کھل کر اس ترجمہ میں مولانا احمد رضا خان کو خطا وار کہا ہے اور بتلایا ہے کہ کنز الایمان کے اس غلط ترجمے پر اصرار کر کے ہم کس طرح پوری امت سے کٹ جاتے ہیں۔ موصوف اپنے ان نادانی ساتھیوں (بریلویوں) کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ عشق مصطفیٰ کی آڑ میں نبیوں و دیوں، صحابہ کرام اور اہلسنت اور قدام مفسرین و محدثین حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کو بھی کافر بنا کر کس طرح لوگوں کے ایمان

برباد کرنے کی سازش کی جارہی ہے اور ایک نئے خطرناک فرقے کو جنم دے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک خطرناک منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔

یہ جو ایک نئے فرقہ کے پیدا ہونے کی خبر دی جارہی ہے یہ کون سا خطرناک گروہ ہے جو عشقِ مصطفیٰ کی آڑ میں کسی بات میں بھی مولانا احمد رضا خان کو خطا پر کہنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ وہ غالی بریلوی ہیں جو ہر جگہ کفرِ الایمان کی بے جا حمایت میں چودہ سو سال کے اہلسنت اکابر پر گستاخی رسول کا فتوے دینے سے نہیں ڈرتے اور اب تو یہ ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اب بریلویوں کا اس مسئلہ میں دو حصوں میں تقسیم ہو جانا اس تاریخ کی صدائے بازگشت ہے جو بریلویوں نے ایک صدی سے علمائے اہلسنت (علماءِ دیوبند) کے خلاف قائم کر رکھی تھی۔

مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی کے نواسہ ابوالخیر مولانا محمد زبیر جو پروفیسر مسعود احمد صاحب کے بھانجے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے ان غالی معتقدین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

یہ فرقہ عوام کو تو یہ کہہ کر بے وقوف بنالیتا ہے کہ اس آیت کا ترجمہ یا تشریح کرتے وقت اگر ذنب یا اس کے معنی گناہ یا خطا سے کرتے ہوئے اس کی نسبت حضورؐ کی طرف برقرار رکھی گئی تو اس سے عصمتِ انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح ہو جائے گا لیکن وہ علماء جن کی احادیث و تفاسیر پر وسیع نظر ہے وہ ان کے دامِ فریب میں نہیں آ سکتے۔

موصوف آگے جا کر ان غالی بریلویوں کو یوں بے نقاب کرتے ہیں۔

اس فرقے کا دوسرا عقیدہ جو ان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا رتبہ حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر ہے کیونکہ جب اس فرقہ کے سامنے یہ بات رکھی جاتی ہے کہ آیت مبارکہ لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر کا یہ ترجمہ کرنا کہ ”اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور پچھلوں کے“ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اس آیت مبارکہ کے متعلق صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا لیکن ہمارے ساتھ کیا ہوگا (یہ بیان نہیں کیا) اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

ليدخل المؤمنین والمؤمنات جنت تجری من تحتھا الانهار۔

اس صحیح حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام کا اس آیت کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ تو اللہ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا اور پھر اپنے متعلق سوال کرنا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اس آیت میں حضور نبی کی مغفرت مراد ہے انگوں اور پچھلوں کی مغفرت ہرگز مراد نہیں۔ (مغفرت ذنب صفحہ 6)

پھر لکھتے ہیں۔

اس فرقے کی نظر میں آنحضرتؐ کی صحیح احادیث کی اعلیٰ حضرت کے قول کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی نظر میں اعلیٰ حضرت کا مرتبہ نبی کریمؐ سے کہیں بڑھ کر ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس توہین رسالت کو محبت رسول اور عشق رسول کا نام دیا جاتا ہے اور جو حدیث کو ٹھکرا کر اس توہین رسالت کے روپے نہیں ہوتا لہٰذا اس کو گستاخ رسول کہا جاتا ہے۔ ایضاً صفحہ 7

ہم اگلی جلد میں انشاء اللہ ان تمام بریلوی علماء کے نام بھی دیں گے جنہوں نے مولانا احمد رضا خان کے اس ترجمہ کو خطا قرار دے کر مسلمانوں کے چودہ سو سال کے موقف کی حمایت کی ہے۔

فجزاهم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اہلسنت علماء کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ سب بریلوی علماء کو ایک فہرست میں نہ رکھیں ان میں کئی ایسے بھی ہیں جو پہلے بزرگوں اور مولانا احمد رضا خان کے اختلافات میں پہلے بزرگوں کی حمایت کرنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ ان حضرات سے بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ اہلسنت مسلمانوں کو پھر سے ایک کر دیں اور غالی بریلویوں نے ان کی طرف جو گستاخ رسول ہونے کے میزائل گاڑ دیئے ہیں اس سے وہ اپنے اس موقف پر بھی نظر ثانی کریں کہ جنہیں یہ لوگ پہلے سے گستاخ رسول کہتے چلے آئے ہیں کہیں اس میں بھی ان کے بے جا تعصب کا دخل نہ ہو۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کاشغر

بریلویوں کے غالی فرقے نے جو ان میں اکثریت میں نہیں مغفرت ذنب کا جواب احمد البیان فی رضا کثر الایمان لکھ کر اپنی ضد کی پالیسی پھر دہرائی ہے خدا کرے ان کے غالی غالی پر غالب رہیں اور غالی اپنے اس عقیدہ سے بھی توبہ کر لیں کہ ان کے ہاں مولانا احمد رضا خان کا درجہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ سمجھا جائے۔ اب تک تو یہ اپنے اعلیٰ حضرت کو حضہ پڑے آگے سمجھتے ہیں کہ ان سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

علماء دیوبند ایک طرف رہے
 مولانا احمد رضا خان، خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے؟
 بدایونی علماء سے بھی وہ الجھ گئے؟
 عدالت میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ

تبصرہ بر ”فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں“

از پروفیسر محمد مسعود احمد

قاریان جولائی ۱۹۷۶ء

احتجاجہ میں پروفیسر محمد مسعود احمد نے شکوہ کیا ہے :
 ”مساٹھ سال ہوئے ہیں کہ فاضل بریلوی نے قرآن کریم کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ ضرورت تھی کہ اس کی زیادہ اشاعت کی جاتی مگر نہ مطلقاً کیوں یہ اتنی سست رفتاری سے چلا کہ بعد والے آگے بڑھ گئے۔“ (ص ۲۱)
 سوال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ قرآن کی زیادہ نکاسی کیوں نہیں ہوتی؟ اس میں کس کا قصور ہے؟ ہر کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد ہی مطلقاً ہو جاتا ہے کہ عوام و خواص نے اسے کس قدر پسند کیا اور پھر اس کی مانگ شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اور تفسیر ”بیان القرآن“ کے نام سے چھپی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ یہی حال شیخ المند مولانا محمود حسن کے ترجمہ کا ہے جس پر حواشی علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھے ہیں۔ ان مترجمین و مفسرین کی پاکستان بننے سے پہلے غیر منقسم ہندوستان میں بہت اچھی شہرت تھی۔ ان کے علم و فضل کو مستند سمجھا جاتا تھا اور ان کے فتاویٰ اور مشورت و رائے کا وزن محسوس کیا جاتا تھا اور وہ مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق کے معاملے میں محتاط تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی تفسیر بہت بعد میں شائع ہوئی۔ مگر مقبول ہوئی۔ مختصری مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

صفحہ ۲۲ پر فاضل مذکورہ نگار نے بہت سی سوانح عمریوں کی فہرست دی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے :

”مفروض بیشتر کتابیں ہیں اور ان میں سے بیشتر فن سوانح نگاری کے قاضوں کو پورا کرتی ہیں لیکن ان کے برخلاف فاضل بریلوی کی سوانح پر جو لکھا گیا ہے وہ سکھول و واقعات اور مدلل مداحی کے ذیل میں تو آتا ہے سوانح کا اطلاق اس پر مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے۔“

اس میں بھی مولانا فاضل بریلوی کے معتقدین علماء اور اہل قلم کا قصور ہے کہ وہ اپنے مددِ ممدوح کا کوئی دھنک کا تذکرہ مرتب نہ کر سکے۔ پھر مولانا احمد رضا خان صاحب کے حالات زندگی کے بارے میں ان کے معتقد ادیب اور انشاء پرداز احساس کمتری میں مبتلا رہے کہ ان کے ”اعلیٰ حضرت“ کی سوانح عمری شاید دوسرے مشاہیر علماء کی سوانح عمریوں کی سطح پر مرتب نہیں ہو سکتی!

مگر جب سے بریلوی حضرت سیاست میں آئے ہیں مولانا فاضل بریلوی پر کتابیں آنی شروع ہو گئی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید، مولانا قاسم نانوتوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی شخصیتوں پر جو کتابیں چھپی ہیں ان کی کچھ خاصی قیمتیں رکھی گئی ہیں اور صاحبانِ ذوق نے قیمت دے کر ان کی پذیرائی کی ہے مگر مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت پر کتابیں ۱۰ قیمت کے بغیر مفت تقسیم کی جارہی ہیں۔ مولانا بریلوی کے معتقدین کو شاید اس کا اندیشہ تھا کہ سوانح عمری کی اگر قیمت رکھی گئی تو اس کی نکاسی بہت محدود ہوگی۔ جس کتاب پر ہم تبصرہ کر رہے ہیں وہ ۲۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ رنگین سرورق ہے۔ کاغذ، کتبیت اور طباعت ہر چیز اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس گرانی کے زمانہ (۱۹۷۶) میں اس کی قیمت کم از کم آٹھ روپیہ ہونی چاہئے تھی مگر اسے کسی قیمت کے بغیر مفت پیش کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات کے ہاں نڈ کی بھی خاصی ریل پیل معلوم ہوتی ہے۔

اس کتاب میں بعض علماء کی تحریروں کے اقتباسات دیئے ہیں جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے مداح اور عقیدت مند ہیں۔

۱۰ فاران کے توحید نمبر کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس میں شرکانہ عقائد اور بدعات کی تردید کی گئی ہے اور توحید و سنت کو پیش کیا گیا ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خان اور بریلوی حضرات پر نام لے کر تنقید نہیں کی گئی۔ بریلوی حضرات نے اس بحث کا آغاز کیا ہے۔ محاسن کثر الایمان میں شیخ الحدیث مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی کے زیرِ قرآن پر تنقید کی گئی اور زیرِ تنقید کتاب میں ”حسام الحرمین“ کے تعارف کے ساتھ اکابرِ دیوبند کو کافر ٹھہرایا گیا اور اس کتاب کو لوگ بھول چکے تھے اور نام بہ نام تکفیر کا شور مچا تھا مگر پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اس کتاب میں ان مباحث کو ابھارا ہے اس جارحانہ اقدام کی مدافعت ہمارا موقف ہے۔

”اعلیٰ حضرت کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ تو آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت ہیں، دنیا کا کونسا خطہ اور مقام ہے جو آپ کی علمی ضوفشانیوں سے محروم رہا ہو، دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے جہر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا۔“

دو چار ملکوں میں نہیں، دنیا کے ہر خطہ میں مولانا فاضل بریلوی کی علمی شعائیں آخر کس طرح پہنچیں جب کہ ان کا ترجمہ قرآن پاک مقبول نہ ہو سکا اور کسی دینی علم پر ان کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو مشہور و مقبول ہو۔

ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی اس مکتبہ فکر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ کثیر التصانیف اس قدر زور و رقم کہ بعض رسالے چند گھنٹوں میں تصنیف فرما دیئے۔ خوش گو شاعر، متعدد علوم میں واقفیت و آگاہی رکھنے والے، ان کی اردو تحریر میں قوت بھی ہے اور روانی بھی ہے۔ عربی نظم و نثر بے تکان لکھتے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے کمال درجہ کی عقیدت اور محبت رکھتے۔ اولیاء اللہ سے بھی نیاز مندی اور عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں مگر اس عقیدت کی حدیں الوہیت سے ملا دیتے۔ مولانا فاضل بریلوی اپنے گھر کے خوشحال تھے۔ اس لئے مریدوں اور مقصدوں کے تحائف و ہدایا سے بے نیاز تھے۔ ان کے ان محاسن اور خوبیوں کا ہمیں اعتراف ہے۔ مگر اس کتاب میں یہ مبالغہ بھی نظر سے گزرا کہ :

”فاضل بریلوی نے جن علوم و فنون میں دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ سے متجاوز ہے۔“ (ص ۷۰)۔

ان علوم میں ارشاد طیفی، لوگاریتھمات، مثلث، سطح، جبر، زیجات، نجوم، آفاق... بھی شامل ہیں۔ یہ علوم انہوں نے کن حضرات سے پڑھے، اس کا ذکر ضروری تھا۔ (محض دعویٰ سے کام نہیں چلا کرتا)۔

جس طرح علامہ شبلی نعمانی کے حالات میں ملتا ہے کہ انہوں نے معقولات مولانا ارشاد حسین رام پوری سے اور عربی ادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری

سے حاصل کیا تھا اب سے سوا سو برس قبل فلسفہ میں مولانا عبدالحق خیر آبادی، ریاضی میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، معقولات میں مولانا ارشاد حسین رام پوری اور عربی زبان و ادب میں مولانا فیض الحسن سارنپوری تبحر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے۔ ان مشاہیر کے علاوہ میں مولانا فاضل بریلوی کا نام نہیں ملتا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے تقریباً چودہ برس کی عمر میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل فرمائی تھی۔ ۶۵ برس کی عمر پائی۔ چودہ برس کی عمر میں ۵۲ علوم و فنون میں درک و بصیرت محال ہے۔ کسی ایک علم اور فن میں مہارت تامہ حاصل کرنے کیلئے تو برسوں چاہئیں مگر اس علم کی ضروری اصناف کتب پڑھنے میں ایک برس تو ضرور صرف ہونا چاہئے۔ اس حساب سے مولانا احمد رضا خان صاحب کو اپنی عمر کے آخر سال تک یہ علوم و فنون مختلف اساتذہ سے پڑھنے چاہئیں تھے، لیکن مولانا فاضل بریلوی کے حالات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ وہ سینکڑوں کتابیں بھی تصنیف فرماتے رہے اور علوم و فنون کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ جو لوگ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا تجربہ رکھتے ہیں اور علوم و فنون کی تعلیم کے Duration سے واقف ہیں ان کو علوم و فنون کی تعداد مبالغہ آمیز معلوم ہوگی۔ مولانا فاضل بریلوی نے عربی میں اپنے حالات لکھے ہیں جن کے بعض اقتباسات ترجمہ کے ساتھ زیر تنقید کتاب میں درج ہیں۔

”وسط شعبان ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۹ء میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی اور اس وقت میں ۱۳ سال ۱۰ ماہ اور ۵ دن کا نو عمر لڑکا تھا اور اسی تاریخ کو مجھ پر نماز فرض ہوئی اور میں احکام شرعی کی طرف متوجہ ہوا۔“

اپنے بلوغ کی اتنی صحیح مدت مہینوں اور دنوں کی تعداد کے ساتھ یاد رکھنا مولانا فاضل بریلوی کی اچھی یادداشت اور حساب دہائی کی دلیل ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کے نام مولانا بریلوی کا ایک خط ہے :

”بمجرہ تعالیٰ فقیر نے ۱۳ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔“

حساب دہائی اور اچھے حافظہ کے باوجود ان تحریروں میں التباس پیدا ہو گیا۔ اپنے خود نوشتہ حالات میں مولانا فاضل بریلوی نے علوم درسیہ سے فراغت کے وقت اپنی عمر ۱۳ سال ۱۰ ماہ اور ۵ دن بتائی ہے مگر مولانا ظفر الدین کے نام جو

ان کا خط ہے تو اس میں یہ عمر ۱۳ برس کی رہ جاتی ہے۔ اپنی زندگی کے واقعات میں سینیں و شعور کے اختلافات تذکرہ نگاروں کے یہاں ملتے ہیں۔ ایسا ہو جانا کوئی بد نما بات نہیں ہے مگر جو شخص اپنے بلوغ کی عمر مہینہ اور دن کی تعداد کے ساتھ لکھتا ہے اس کے یہاں اس قسم کا اختلاف کھلتا ہے۔ اگر مولانا کے خود نوشتہ حالات میں عمر کی تعداد صحیح ہے تو ۱۳ برس میں وہ بالغ نہیں ہوئے تھے اور نابالغ فقیہ کا فتویٰ مستند نہیں سمجھا جاسکتا۔

راقم الحروف نے بد شعور سے یہ بات سنی ہے اور بریلوی حضرات نے اس بات کو بہت کچھ شہرت دی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں اعلیٰ ریاضی کے مسائل دریافت کرنے کیلئے جایا کرتے تھے۔ مولانا فاضل بریلوی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی یہ ذکر ملتا ہے۔ بریلوی حضرات کو خود مولانا احمد رضا خان سے یا پھر ان کے صاحبزادوں سے دریافت کرنا چاہئے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے ریاضی کے کون سے مسائل ان سے دریافت کئے تھے۔ پروفیسر عبد المجید قہش کی عمر نوے برس کے لگ بھگ ہے۔ صاحب موصوف تقریباً ۴۵ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رہے ہیں اور وہیں تعلیم پائی ہے۔ شعبہ ریاضی کے لیکچرار کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا، پھر ترقی کر کے ریڈر ہو گئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چھوڑنے سے چند برس پہلے شعبہ ریاضی کے وہ پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی ماتحتی میں انہوں نے برسوں کام کیا ہے، راقم الحروف ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ یہ بات خاصی شہرت رکھتی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے یہاں ریاضی میں استفادے کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ اس پر وہ چونک کر بولے کیا ڈاکٹر ضیاء الدین مولانا احمد رضا خان صاحب سے ریاضی کے مسائل پوچھتے تھے؟ پھر وہ فرمانے لگے آپ حضرات اس پر فخر کرتے ہیں کہ ریاضی کو مسلمانوں نے بہت کچھ فروغ دیا۔ یہ بات صحیح بھی ہے مگر یورپ کے ریاضی دانوں نے ریاضی کو جہاں پہنچا دیا ہے اس کی بھی آپ کو خبر ہے؟ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ ریاضی کی قدیم کتابیں پڑھے ہوئے جدید اعلیٰ ریاضی کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے۔ پھر پروفیسر قہش صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین

”مسعودی“ سے پر کام کرنا چاہتے تھے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں وہ بریلی گئے ہوں۔ یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین قانون مسعودی پر کام کر رہے تھے یا کام کرنا چاہتے تھے تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مجاز مولانا سید سلیمان اشرف ہماری (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) سے اس کا ذکر آیا ہو گا اور اس سلسلے میں مولانا سلیمان اشرف صاحب نے انہیں مشورہ دیا ہو گا کہ آپ مولانا احمد رضا خان بریلوی سے مل کر اس کتاب کے بارے میں گفتگو کریں۔ یہ بات کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی سے ڈاکٹر ضیاء الدین اعلیٰ ریاضی کے مسائل دریافت کرنے کیلئے بریلی جایا کرتے تھے، محل غور ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کو اس کا گلہ ہے کہ ان کے ”اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی“ کی نہ تو دھنگ کی سوانح عمری لکھی جاسکی اور نہ ان کے ترجمہ قرآن کی پذیرائی ہوئی اور مولانا بریلوی کی شخصیت بھی مبہم سی رہی۔ بریلی کے ساتھ دیوبند کا نام ضرور آتا ہے۔ ان دونوں مکتبہ ہائے فکر کے درمیان بڑی محرکہ آرائی رہی ہے جس کا آغاز بریلی سے ہوا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے عوام کا تعلق ہے ”کالانعام“ ہیں اور یہ وہ سنی مسلمان ہیں جو تعزیرے نکالتے ہیں اور ہر قسم کی بدعت میں جلا ہیں۔ یہ طبقہ بہت بڑی تعداد رکھتا ہے اور بریلوی مسلک سے متاثر ہے۔ مگر لکھے پڑھے مسلمان زیادہ تر دیوبند سے متاثر رہے ہیں۔

دیوبند کا دارالعلوم خود اپنی جگہ دیوبندی حضرات کے علم و فضل کا سب سے بڑا تعارف رہا ہے، سارنپور کا ”مظاہر علوم“ دوسرا دیوبند ہے۔ تقسیم ہند سے قبل پورے ہندوستان میں دیوبندیوں کے دینی مدرسے تھے۔ مثلاً دہلی، امرتسر، سنبھل، کانپور، ڈابھیل، مینڈھو (ضلع علی گڑھ) ویلور (صوبہ مدراس) عمر

سہ ابو رحمان البیرونی کی ریاضی و ہیئت کی کتاب ”قانون مسعودی“ جس کا نام اس نے محمود غزنوی کے فرزند سلطان محمود غزنوی سے احساب کیا تھا!

آبادی شمالی اراکٹ، امرتسر، لدھیانہ، جالندھر، کراچی۔ یہ چند شہروں کے نام ہیں جو اس وقت یاد آ رہے ہیں۔ سرحد میں بھی دیوبندی مکتبہ فکر کے مدرسوں کی کثرت تھی۔ بریلوی حضرات کے مدرسے تعداد میں بہت کم تھے اور ان کی پڑھائی اور انتظامی حالت دیوبندی مدارس سے فروتر تھی۔ بدایوں کے شمس العلوم اور مدرسہ قادریہ کی حالت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے ”سقیم“ ہی کہی جاسکتی ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں دیوبندی مدرسوں سے طلباء فارغ ہو کر نکلتے تھے۔ مولانا قاری محمد طیب جب ظاہر شاہ کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے تھے تو شاہ نے جتنے علماء (صاحبان قضا و افتا) کا قاری صاحب سے تعارف کرایا تو وہ قریب قریب سب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ اس پر قاری محمد طیب صاحب نے ظاہر شاہ کو مخاطب کر کے فرمایا ”از دیوبند بہ دیوبند آدم“۔ ہندوستان سے باہر بھی دیوبند کا ہی فیض جاری تھا۔ افریقہ، مارشیش، بخارا، افغانستان، برما وغیرہ ملکوں کے طلبہ بھی دیوبند ہی کا رخ کرتے تھے۔ آج بھی دارالعلوم دیوبند پاکستان اور ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہے۔ بریلوی خیال و عقائد کے علماء نے زیادہ تر منطق و فلسفہ کی کتابوں پر حاشیے تحریر کئے ہیں۔ مگر علماء دیوبند نے احادیث کی مجموعوں پر حواشی اور شروح لکھی ہیں۔

- ۱ فیض الباری علی صحیح البخاری، علامہ انور شاہ کشمیری چار ضخیم جلدوں میں۔
- ۲ فتح المسلمین علی صحیح المسلمین، علامہ شبیر احمد عثمانی تین جلدوں میں۔
- ۳ بذل المعهود فی شرح ابی داؤد، حضرت مولانا خلیل احمد سارنہواری دس جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔
- ۴ التعلیق علی مشکوٰۃ المصابیح، مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ، لاہور، سات ضخیم جلدوں میں۔

۷۔ گلاؤنچی (حلقہ بلند شہر) جیسے جموں نے قصبوں اور چھتری جیسی چھوٹی بستیوں میں بھی دیوبندیوں کے دینی مدرسے تھے۔

۸۔ علامہ فتح العظیم کے نام سے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ۶ جلدوں میں اس شرح کو مکمل کیا ہے۔ جو حالی میں مکمل ہوئی ہے اور چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ (ناشر)

۵ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد، مولانا اعزاز علی شیخ الادب دارالعلوم دیوبند۔

۶ حاشیہ بر سنن ابن ماجہ، مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی۔ خلیفہ مجاز مولانا اشرف علی تھانوی۔

۷ اوجز المسالك شرح موطا امام مالک، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ۱۵ ضخیم جلدوں میں۔

۸ اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانی ۱۸ جلدوں میں۔

۹ شرح شمائل ترمذی اردو، حضرت مولانا زکریا۔

۱۰ ترجمان السنہ، مولانا محمد بدر عالم میرٹھی اردو میں سنت کے دین میں حجت ہونے پر بے مثال کتاب چار ضخیم جلدوں میں)۔

یہ ہیں علمائے دیوبند کے وہ علمی اور دینی کارنامے جن سے ملت میں ان کا وقار قائم ہوا ہے اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ کوئی تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا آدمی بھی اس بے سروپا الزام کو باور کر سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے احادیث نبوی کی اتنی عظیم خدمات انجام دی ہیں کیا وہ اہانت رسول کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ جن حضرات نے دیوبند کو مطہون کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے کیا ان کے یہاں اس پایہ کی کتابیں موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں جن کی مصروفیت و شہرت کے علماء نے تعریفیں کی ہیں علمائے دیوبند کی کتابیں ان کے علم و فضل اور عقائد و افکار کا بہترین تعارف ہیں۔

بریلوی حضرات جن کو وہابیہ کہتے ہیں ان کے علماء نے بھی احادیث رسول پر بڑے محرکہ کی کتابیں لکھی ہیں۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم تھانوی ذلت میں مجلس علمی (اکیڈمی) تھے۔ ان کی بعض عربی تصانیف عرب ملکوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وجود مسعود ایک

۱۱ معارف الحدیث، اردو مولانا محمد منظور نعمانی، سات جلدوں میں۔ معارف السنن، ترمذی کی شرح عربی میں ۶ جلدوں میں مولانا محمد یوسف بنوری، طحاوی کی شرح مولانا یوسف کاندھلوی، لامع الدارمی علی جامع البخاری عربی، دس جلدوں میں ان کے علاوہ ہیں۔ (ناشر)

یونیورسٹی تھا۔ وہ صد ہا کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کتابیں دین و اخلاق کی حکمتوں سے لبریز ہیں۔ فقہ میں ان کا ”ہشتی زیور“ لاکھوں کی تعداد میں چھپا ہے پھر بھی مانگ کم نہیں ہوئی، ہشتی زیور آسان زبان کے لحاظ سے سہل ممتنع ہے۔ مولانا امجد علی جن کے نام کے ساتھ صدر الشریعہ لکھا جاتا ہے ان کی ”سہار شریعت“ کو ہشتی زیور کے پانچ کے برابر بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں مولانا تھانوی کی کتابیں ہندوستان سے بھی زیادہ شائع ہوئی ہیں۔ درجنوں کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہاں صد فی صد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے، ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی درود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں۔ (ایسے افترا پردازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا) اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور یہ گلابی وہابی ہیں اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں بلکہ کافر ہیں۔ بریلوی خیال کے علماء کی زبانی یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں لال حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیجھ گئی تھی۔ میں کسی کتاب پر علما دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا۔ قصبہ گنور ضلع بدایوں سے ایک برات ہمارے یہاں آئی اور ایک لال حدیث نے باجماعت نماز میں ”آمین“ زور سے کہی تو لوگوں نے نیت تو ذکر لال حدیث مقتدیوں کو مسجد سے نکال دیا اور وضو کرنے کے لوٹے توڑ ڈالے کہ وہابیوں کے وضو سے یہ ناپاک ہو گئے ہیں۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہے کہ دنیا کا نظام وہ چلاتے ہیں اور ہر کسی کی دور و نزدیک سے عرض و معروض اور فریاد سنتے ہیں۔ جب اولیاء اللہ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا تو رسول اللہ ﷺ کو تو وہ علی کل شبی قدیر سمجھتے تھے۔ اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ

عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غلو عقیدت کی کوئی حد و انتہا ہی نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے ”یا غوث یا پیر دہگیر“ کا ورد رہتا ”یا شیخ عبد القادر جیلانی شہداء اللہ“ ان کا سب سے زیادہ محبوب نعرہ تھا۔ ان علماء کی کتابوں میں ایسی روایتیں لکھی تھیں کہ حضرت غوث پاک کا جلال اب کم ہو گیا ہے ورنہ پہلے جو کوئی آپ کا نام بے وضو لیتا تھا اس کی زبان کٹ جاتی تھی۔..... ایک شخص گیارہویں شریف کی محفل سے اٹھا اور گیارہویں کا تبرک اس کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ اس بے ادبی پر وہ ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت غوث پاک سے فریاد کی گئی تو آپ نے فرمایا میں کیا کروں غیرت الہی جوش میں آگئی تھی۔

میں بچپن ہی سے میلاد پڑھا کرتا تھا اور میلاد اکبر کی نثر پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے عبارتوں کا جوڑ ملاتا جاتا تھا۔ اس طرح نوجوانی کے زمانے میں مجھے وعظ کہنے کی مشق ہو گئی تھی۔ بدایوں کے علماء کی زبانی وعظ سن سن کر ان کی کئی ہوئی روایتیں یاد کر لی تھیں۔ میں بھی اپنے وعظ میں اسی قسم کی روایتیں بیان کیا کرتا تھا کہ ایک شخص حضرت غوث الاعظم پیر دہگیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے یہاں دعوت میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔ اس طرح میں سے زائد معتقدین کی کھانے کی دعوتوں میں ایک ایک دن اور ایک ہی وقت میں شرکت کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اس محفل میں کوئی آدمی بد عقیدہ بھی تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت غوث الاعظم ایک ہی وقت میں بیس دعوتوں میں کس طرح شرکت فرما سکتے ہیں۔ حضرت غوث پاک نے اس آدمی کے دل کے وسوسے کو جان لیا، حضور نے فرمایا اے شخص درخت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ اس نے درخت پر جو نگاہ ڈالی تو درخت کے پتے پتے پر حضرت غوث الاعظم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس طرح کی بے سرو پا روایتیں سن کر سننے والے جھومنے لگتے۔

میں انگریزی مڈل اسکول کی فورجہ کلاس (درجہ چہارم) میں پڑھتا تھا۔ یہ ۱۹۱۸ء کی بات ہے ہمارے گاؤں سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر قصبہ گنور ہے جو ضلع بدایوں کی تحصیل ہے۔ مشہور نعت گو شاعر مولانا ضیاء القادری بدایونی ان دنوں گنور کی تحصیل میں سب رجسٹرار قانون گو تھے۔ وہ ہر سال بڑے دھوم دھام سے رجبی کیا کرتے تھے۔ ایک سال کی رجبی میں بریلوی عقائد کے چوٹی

کے علماء کو بلایا گیا۔ میں بھی اپنے گاؤں کے چند آدمیوں کے ساتھ گنور پہنچا۔ دو روز ”رجی شریف“ کی گئی۔ ”نشتیں ہوئیں“ مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا فخر شاہ الہ آبادی، مولانا عبدالمجید (آنولہ) اور دوسرے علماء کے وعظ اور تقریریں سنیں۔ ہر وعظ و تقریر میں دیوبندیوں اور وہابیوں پر طنز و تخریض بلکہ لعنت ملامت کی جاتی تھی۔ مولانا فخر شاہ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”وہابی اور دیوبندی کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اولاد نہیں دے سکتے ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنی عورتوں کو ہمارے یہاں بھیجو، ان کو اولاد مل جائے گی۔“ ملا عبدالصمد مقتدری بدایونی مرحوم کے بڑے بھائی (جن کا نام ذہن سے نکل گیا) کی تقریر کی بہت شہرت تھی۔ ان کی عمر بہت سے بہت ۲۵ برس کی ہوگی۔ سانپ کے کاٹنے سے جوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ زندہ رہتے تو بریلوی علماء کی صف اول میں جگہ پاتے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں شیخ سعدی کی گلستان کا مشہور قطعہ پڑھا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے: غـ

جمال ہم نشیں در من اثر کرد و گرنہ من ہاں خاکم کہ ہستم
پھر خوب چمک کر بولے کہ جب مٹی گلاب کی ہم نشینی کے سبب گلاب کی طرح خوشبودار ہو جاتی ہے تو اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں کیا اس تقرب کے سبب ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا نہیں ہو سکتیں۔ محفل داد و تحسین کے شور سے گونج اٹھی۔

جب راقم الحروف کا حیدر آباد دکن جانا ہوا اور علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا قاری محمد طیب اور دوسرے دیوبندی علماء کی تقریریں سنیں تو ان میں نہ تو بریلویوں پر طنز کی جاتی اور نہ ان کے عقائد کا شد و مد کے ساتھ رد کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ، صحابہ کرام کے حالات، اولیاء اللہ کے اقوال و احوال بیان کئے جاتے۔ علم غیب استمداد بغیر اللہ وغیرہ مسائل کا کبھی کبھار ذکر آ بھی جاتا تو نہایت سادہ انداز میں اپنی بات فرما دیتے اور ان کی زبان سے یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ جن کے ہمارے جیسے عقائد نہیں ہیں وہ کافر ہیں۔ بریلی کا تو نام ہی ان کی تقریروں میں نہیں آتا تھا۔

راقم الحروف کے عقائد میں تبدیلی کس طرح آئی۔ گئے ہاتھوں یہ بات بھی بیان کر دوں تو بات موضوع سے بے تعلق نہیں سمجھی جائے گی۔ مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی کے یہاں مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں میرا قیام تھا۔ یہ ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے۔ میٹرک پاس کئے ہوئے دو ڈھائی برس ہو گئے تھے اور میں روزگار کی تلاش میں تھا مولانا مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ میں حیدر آباد دکن جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو، مگر پہلے یہ کرو کہ ”نظام الملک“ نام کا ایک ماہنامہ چھپوا لو۔ میں نے رسالہ کیلئے مضامین میا کرنا شروع کئے اور ادارہ لکھا۔ اخباروں میں اشتہارات چھپوائے، اسی دوران میں مولانا عبدالقدیر بدایونی نے فرمایا کہ رسالہ میں ایک باب فقہ کا بھی ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا درس نظامی پڑھے ہوئے علماء ہی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ مدرسہ قادریہ میں اردو فارسی میں بھی فقہ کی کتابیں ہیں ان سے تم مدد لو۔ نماز، روزہ وغیرہ کے مضامین تم ترتیب دے سکتے ہو۔ میں بچپن ہی سے عرس، نذر و نیاز، میلاد، قیام، سوم، چلم، وغیرہ کا ذکر سنتا آیا تھا اور میرے دل میں یہ بٹھا دیا گیا تھا کہ جو کوئی ان مستحب امور کو بدعت سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے خارج ہے، چنانچہ میں نے فقہ کی کتابیں چھان ماریں مگر کسی کتاب میں ان رسوم کا نام تک نہیں ملا۔ اس کے بعد دوسرے مسائل میں تحقیق شروع کر دی اور برسوں تحقیق کرتا رہا۔ عجیب عجیب تماشے سامنے آئے۔ بریلوی اور بدایونی علماء کے وعظ و تقریر میں سنتا رہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا تھا حضور ﷺ کی دعا سے کھانے پینے کی قلیل مقدار کثیر وافر ہو جاتی تھی۔ کسی صحابی پر قرض ہو گیا تھا۔ قرض خواہ ادائیگی قرض کا تقاضا کر رہا تھا، صحابی ﷺ کی درخواست پر حضور ﷺ نے کھجوروں کے ڈھیر پر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور کھجوروں کی مقدار اتنی وافر ہو گئی کہ ان صحابی کا قرض اتر گیا۔ اس واقعہ کا کھانا، مٹھائی اور پھلوں کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے اور ایصالِ ثواب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مزید تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے مگر رسول اللہ ﷺ اور کسی صحابی نے کسی مردے کیلئے قرآن خوانی نہیں کی۔ نذر و نیاز اور فاتحہ کے جو طریقے مسلمانوں میں رائج ہیں ان کا کوئی ثبوت

کتاب و سنت اور آثار صحابہ میں نہیں ملتا۔ یہ صدیوں بعد کی نکالی ہوئی بدعتیں ہیں۔

یہ روایت بھی انہی سے سنی اور بار بار سنی کہ دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے قبر پر ایک ایک سبز و تروتازہ شاخ نصب فرمادی اور ارشاد ہوا جب تک یہ شاخیں سرسبز رہیں گی مردوں کیلئے دعا مغفرت کرتی رہیں گی۔

قبروں پر جو پھول چڑھائے جاتے ہیں اس کے جواز کیلئے اس روایت کو سند اور نظیر بنانا قیاس مع الفارق ہے۔ حضور ﷺ نے اول تو ان قبروں پر پھول نہیں چڑھائے تھے۔ دو سبز شاخیں گاڑی تھیں۔ پھر بزرگان دین کی قبروں پر کوئی شخص اس عقیدے کے ساتھ پھول نہیں چڑھاتا کہ ایسا کرنے سے بزرگان دین کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔ واقعہ کیا ہے، اسے کیا رنگ دے دیا گیا ہے۔ اس روایت کو ایک کھلی ہوئی بدعت کے جواز کیلئے سند اور نظیر میں پیش کیا جاتا ہے۔ احادیث اور قرآنی آیات سے یہ حضرات ایسے ہی نکتے پیدا کرتے ہیں۔ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کو غیر اللہ سے استعانت کے ثبوت میں پیش فرماتے ہیں حالانکہ ”صبر و صلوٰۃ“ سے آج تک کسی شخص نے مدد نہیں چاہی۔ اس آیت کا مضمون تو یہ ہے کہ صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا اور مشکلات دور ہوں گی اس نوع کے تمام مسائل کی راقم الحروف تحقیق کرتا گیا اور تمام گریہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھلتی چلی گئیں۔

ایک بار حیدر آباد دکن میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی خدمت میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ عرس کے موقعہ پر خاص طور سے اکثر زائرین قبروں کا طواف کرتے ہیں، قبروں کو چومتے ہیں، قبروں پر چادریں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں، چادروں، گاکروں، پنکھوں اور صندل کے جلوس نکلتے ہیں۔ قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں، غرضیاں لکھ کر قبروں کی جالیاں اور دروازوں پر لٹکا دیتے ہیں۔ تو حضرت ان میں کیا کوئی فعل بھی بدعت نہیں ہے؟ مولانا نے تند و تیز لہجہ میں جواب دیا:

”بدعت صرف مولوی اشرف علی کا نام ہے۔“

بس اس دن کے بعد ان مسائل پر میں نے مولانا عبدالقدیر بدایونی سے گفتگو نہیں کی۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ مجاہد تھے، قہر عالم تھے اور توحید و سنت کے مبلغ اور شرک و بدعت کے مقابلے میں سیف اللہ المسلول تھے۔ اتنی عظیم دینی شخصیت کو بریلوی مسلک کے علماء نے طرح طرح سے بدنام اور مطعون کیا ہے۔ ان کی تذلیل کی ہے اور گمراہ ٹھہرایا ہے اور شاہ صاحب کی شہادت کو شہادت ہی نہیں مانا۔ اس سے بھی مسلمانوں کا ہوش مند طبقہ بریلوی حضرات سے متوحش رہا ہے۔ باطل کے خلاف شاہ اسماعیل شہید کی پیدا کی ہوئی یہ اسپرٹ علماء حق میں بیدار رہی ہے۔ انگریزی حکومت کی مخالفت میں دیوبندی علماء کی اکثریت غالب پیش پیش رہی ہے۔ ظلم اور باطل کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں انہوں نے قید و بند کی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ مگر خود مولانا فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء نے انگریزوں کے تسلط کو ہندوستان سے ہٹانے کی جدوجہد میں حصہ نہیں لیا بلکہ اس جدوجہد کی مخالفت کی۔

کسی خاتم طاقت کا زور توڑنے اور اسے ہٹانے کیلئے ملت اسلامیہ کسی غیر مسلم جماعت یا کافر گروہ سے بھی معاہدہ کر سکتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو دونوں مظلوم تھے اور انگریزی راج پورے ہندوستان کیلئے ایک عذاب تھا۔ انگریز کو ہندوستان سے ہٹانا اسی وقت ممکن تھا جب مسلمان اور ہندو مل جل کر برطانوی حکومت کے خلاف جدوجہد کرتے۔ چنانچہ تقریباً ۱۹۱۸ء سے لے کر برسوں تک ہندوؤں اور مسلمانوں نے کانگریس میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کیلئے جدوجہد کی ہے۔ مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، قہدق احمد خان شیروانی بہار کے مولوی محمد شفیع داؤدی اور مدراس کے سینٹھ یعقوب حسن، حکیم اجمل خان وغیرہ مسلم زعماء کی یہ عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے گاندھی جی کو تحریک آزادی کا لیڈر مان لیا تھا۔ اس زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کے اس موقف کے علی الرغم مولانا احمد رضا خان صاحب نے کانگریس کی مخالفت کی اور گاندھی جی کو ہدف ملامت بنایا۔ ان کی اس روش سے تحریک آزادی کو نقصان پہنچا۔ حیرت ہے مولانا فاضل بریلوی کے اس موقف کو سیاسی بصیرت کہا جاتا ہے کہ..... اس زمانے میں مسٹر محمد علی جناح بھی کانگریس میں شریک تھے اور علی برادران تو نہرو رپورٹ شائع ہونے کے بعد کانگریس سے علیحدہ ہوئے ہیں۔

آل عثمان نے صدیوں اسلام کی خدمت کی ہے۔ ترکی کی خلافت ملت اسلامیہ کے اتحاد کا مظہر تھی۔ عیسائی طاقتیں ترکی کی خلافت کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ”خلافت کمیٹی“ قائم کی اور ترکی خلافت کے بقاء کیلئے امکانی جدوجہد کی۔ مگر ”اعلیٰ حضرت بریلوی“ نے دوام العیش کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور فرمایا کہ خلافت ترکوں کا حق نہیں ہے۔

اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر و بیشتر حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مسلک کے موافق نہ تھے اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایون میں مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضیٰ علی گویا پٹوی، نلک میں خان بہادر مولوی عبدالفتح مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوری، مراد آباد میں مولوی عبدالقادر چیف، دہلی میں مفتی صدر الدین آزرہ، مولانا فضل امام خیر آبادی، مولانا فضل حق خیر آبادی، منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیر آبادی) مولوی محمد صالح خیر آبادی (برادر مولانا فضل امام خیر آبادی)۔ یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں منصب افتا و قضا اور سررشتہ داری اور صدر الصدوری کے عہدوں پر فائز تھے۔

انگریز اپنی مقبولیت کیلئے انتظامی اور عدالتی سطح پر مسلم اکابر کا تعاون چاہتا تھا۔ ہم نے اس مضمون میں علماء دیوبند کی بلند پایہ تصانیف و تالیفات کا ذکر کیا تھا۔ جن کی وجہ سے پاکستان اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ان کا وقار قائم ہوا۔ علمائے دیوبند کے دینی رسالوں نے تبلیغ دین و اخلاق کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ مثلاً تھانہ بھون سے الامداد، النور اور النہادی، دیوبند سے المفتی، القاسم اور الرشید شائع ہوتے تھے۔ بریلی سے اور پھر نکلنے سے الفرقان، دہلی سے البرہان، پاکستان بننے کے بعد دیوبند سے تجلی، نکلنے سے ندائے ملت، الرائد اور البعث الاسلامی (عربی میں) اعظم گڑھ کا ”معارف“ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ”ترجمان القرآن“، بھی توحید و سنت کے مبلغ اور شرک و بدعات کے مخالف ہیں۔ بریلوی حضرات کے چند رسالے نکلتے تھے اور اب بھی پاکستان میں نکلتے ہیں۔ مگر ان کا کوئی رسالہ ”ابلاغ“ اور ”بینات“ کا ہم پایہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں ”الحسنات“ ہے۔ ”زندگی“ ہے، ”حجاب“ اور ”ذکر“

ہیں، اور پاکستان میں ”بتول“، ”الحسنات“، ”النور“، ”محدث“، ”الرشید“، ”الحق“، اور ”الاسلام“ وغیرہ۔ لے جرائد اور رسالے ہیں جن کا موقوف بریلوی عقائد کی تائید کا موقوف نہیں ہے۔ ہاں! پاکستان بننے سے قبل اور اس کے بعد برسوں تک دلی سے ماہنامہ ”آستانہ“ نکلتا رہا ہے جو کثیر الاشاعت تھا مگر اس کا علمی پایہ بہت سطحی اور پست تھا۔ مشرکانہ عقائد اور بدعات کی اشاعت ”آستانہ“ کا مشن تھا۔ دین کی مدافعت، دین کی اشاعت و تبلیغ اور دینی علوم کی تائید میں علمائے دیوبند نے قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ پادریوں اور آریہ سماجیوں سے دیوبندی علماء نے اب سے ایک صدی قبل مناظرے کئے اور انہیں لاجواب کر دیا۔ ۱۳۹۲ھ میں چاند پور ضلع بجنور کے جلسے میں حضرت مولانا نانوتویؒ نے پادریوں کا ناطقہ بند کر دیا اور انہوں نے بھاگ جانے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ انگریزوں کے خلاف جہاد شامی میں دیوبند کے اکابر نے حصہ لیا ہے۔ عیسائیوں کے مشہور پادری فنڈر کی تحریروں کا جواب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے لکھا۔ یہ کتاب (انصار الحق) عیسائیت کے رو میں بے مثال کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام؟ کئی جلدوں میں چھاپنے کی سعادت بھی دارالعلوم کورنگی کو حاصل ہوئی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے قابل فخر صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کتاب پر فاضلانہ مقدمہ اور حواشی لکھ کر دین کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔

دیوبند کے علماء کو ہم خدا نخواستہ معصوم نہیں سمجھتے، ان سے بھی فکر و نظر کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ جب بھی ان کی کتابیں ”فاران“ میں تبصرے کیلئے آئی ہیں ان کی تسامحات پر نقد و احتساب کیا گیا ہے۔ علمائے دیوبند نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر جو تنقیدیں کی ہیں ان پر ”فاران“ میں نقد و تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کی جارحیت اور زیادتیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دیوبندی حضرات کی ان غلطیوں کے باوجود ہم اس پر مطمئن ہیں کہ دیوبند سے خیر ہی پھیلا ہے اور

لے ”الرشید“ کو جرنلہ، ”الحسن“ لاہور، ”الفاروق“ کراچی، ”الآخر“ مکتان، ”انوار مدینہ“ لاہور، ”الانور“ کراچی، ”تہذیب القرآن“ راولپنڈی، ”نقذ توحید“ گجرات، ”حق چار یار“ لاہور۔ یہ تمام رسائل بھی دیوبندی تنظیم کے ہیں۔ (ناشر)

علمائے دیوبند نے دین و اخلاق کی اشاعت اور تبلیغ کے کارنامے انجام دیئے ہیں اور ان کی تکفیر و تذلیل کرنے والوں کو قیامت کے دن جواب دہی کرنی پڑے گی۔

اس کتاب میں پروفیسر مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے کہ تکفیر کے معاملہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب محتاط تھے اور ان کے مزاج میں شدت تھی لیکن شدت فی نفسہ مذموم نہیں۔ اس کے اسباب و علل اور پھر اس کے طریقہ نفاذ کو دیکھ کر ہی اس کے مذموم اور محمود ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (ص ۴۲)۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مزاج کی شدت سنجیدگی کی حدود کی پابند نہ تھی۔ بریلوی مسلک تو مولانا احمد رضا خان صاحب کے تکفیر کے فتوؤں کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان مسائل و عقائد میں علمائے بدایون کے مقلد اور خوشہ چیں ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے ”وہابیہ“ کی مخالفت کی تھی۔ اسی عقیدت اور احترام کی بنا پر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا محبت رسول عبدالقادر بدایونی کی شان میں قصیدہ لکھا ہے۔ مگر ”اذان ثانی“ کے مسئلہ پر جب علمائے بدایون نے مولانا احمد رضا خان صاحب سے اختلاف کیا تو بریلی سے اس قدر سخت و کراخت اور اہانت آمیز جوابات دیئے گئے کہ علمائے بدایون کو سرکاری عدالت میں ”ازالہ حیثیت عرفی“ کا دعویٰ دائر کرنا پڑا۔ نواب حامد علی خان والی رام پور نے بیچ میں پڑ کر اس مقدمہ کو ختم کرایا۔ مولانا فاضل بریلوی اور ان کے معقد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بہ دیگر اں چہ می رسد!

مولانا احمد رضا خان نے ایک ایسی زیادتی کی ہے جس کے تصور سے تکلیف ہوتی ہے کہ انہوں نے قادیانیوں، نیچریوں اور روافض کا جو زائل حدیث (وہابیوں) اور دیوبندیوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ چند نمونے :-

۱۔ مولانا غفر علی خان مرحوم نے اسی وجہ سے کہا تھا :
بریلی کے فتوؤں کا سستا ہے بھاء
خدا نے انہیں کہہ کر یہ ڈھیل دی
کہہ جتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
و اعلیٰ لہم ان کیدی متین

● وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہم مرتدین کے جنازہ کی نماز انہیں ایسا جلتے ہوئے پڑھنا کفر ہے۔ (ملفوظات حصہ اول، ص ۸۲)۔

● رافضی، تہری، وہابی، غیر مقلد، قادیانی، چکڑالوی، نیچری ان سب کے ذبیحے محض نجس مردار قطعی ہیں۔ اگرچہ لاکھ بار نام الہی لیں اور کیسے ہی قتی و پرہیز گار بنے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں۔ (احکام شریعت حصہ اول، ص ۱۲۵)

● آج کل کے روافض تو عموماً ضروریات دین کے منکر قطعاً مرتد ہیں۔ ان کے مرد یا عورت کا کسی سے نکاح ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسے ہی وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہو گا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان۔ محض باطل اور زنا خالص ہو گا اور اولاد ولد الزنا۔ عالمگیری میں ظہیر یہ ہے۔ احکام المرتدین۔ (ملفوظات حصہ دوم ص ۱۰۵)

حزب کی یہ شدت کسی مسئلہ میں بھی لکھنے والے کو حد اعتدال میں رکھ سکتی ہے؟ کوئی شخص جو کتاب و سنت اور فقہ سے واقف ہے کیا غیر مقلدین اور دیوبندیوں کو مرتد کہہ سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ دین اسلام ترک کر کے (معاذ اللہ) ہندو، عیسائی، مجوسی، سکھ اور یہودی ہو گئے تھے! اپنے مخصوص عقائد کے نقطہ نگاہ سے مولانا احمد رضا خان ان لوگوں کو گمراہ کہہ سکتے تھے مگر ان پر ”ارتداد“ کی تمت تو نہیں لگائی جاسکتی۔ جو حضرات نماز پڑھتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، حج کرتے ہوں، جن کی درس گاہوں میں دینی تعلیم دی جاتی ہو، جو ایک ایک بات میں جمع سنت ہوں، کیا ان کو ”مرتدین“ کہا جاسکتا ہے؟ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟.....

ندوة العلماء نے دین کی کتنی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ دارالمصنفین سے سیرۃ النبی ﷺ (چھ ضخیم جلدوں میں) صحابہ، صحابیات، مہاجر و انصار کے

لے ”حیوان“ لانے کی تکبھ میں نہیں آئی۔ شاید احمد رضا خان کے دین و مذہب میں حیوان سے نکاح جائز ہو۔ (ناشر)

حالات پر ضخیم اور مستند کتابیں، حضرت عائشہؓ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام غزالیؒ، پر معرکہ آرا تصانیف، علامہ شبلی نعمانی نے جرجی زیدان کی کتاب ”التمدن الاسلامی“ کا جواب (الانتقاد علی التمدن الاسلامی) عربی میں لکھا۔ جرجی زیدان نے اسلام پر حملے کئے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے مستشرقین کے تحریری حملوں کو رد کیا ہے اور انہیں دندان شکن جواب دیئے ہیں۔ مگر ندوہ بھی مولانا فاضل بریلوی کے ”تیر بے کماں“ سے نہ بچ سکا۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ بحیر تم کہ عجب تیر بے کماں زدہ
ندوہ کے خلاف بھی تکفیر کا فتویٰ مرتب کیا گیا۔ اس کا نام ”الجام السنہ لاصل الفتنہ“ رکھا گیا۔ پھر اس پر علمائے حریمین کی توثیق کر لی گئی اور اس تمام لوازمہ (میسرل) کو جمع کر کے ۱۸۹۹ء میں ”قوائی الحرمین برجف ندوة البین“ کے نام سے شائع کیا گیا۔

اس کتاب (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں) میں علماء حریمین کی اصل عبارتیں دی ہیں جن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی بہت کچھ تحریف کی گئی ہے اور ”حسام الحرمین“ کا ذکر ہے۔ جس میں علمائے دیوبند کے عقائد درج کر کے کفر کے فتوے علمائے حجاز سے لئے گئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سارینوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریروں کے بے جوڑ اقتباسات عربی میں ترجمہ کر کے علمائے حجاز سے قباوئی حاصل کئے گئے۔ علمائے حریمین اصل عبارتوں سے بے خبر تھے اور فتویٰ اسی عبارت پر دیا جاتا ہے جو فتویٰ دریافت کرنے والا استثنا میں لکھتا ہے۔ مولانا خلیل احمد سارینوریؒ خود حجاز تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں اصحاب علم و افتاء کو بتایا کہ ”حسام الحرمین“ میں ہماری طرف غلط عقائد منسوب کئے گئے ہیں۔ اس پر بعض علمائے حجاز نے اظہار افسوس کیا اور اپنے ہوئے فتوے سے رجوع بھی کیا۔ حسام الحرمین کے جواب میں السحاب المدرار، الشہاب الثاقب، ترکیبہ الخواطر اور

توضیح البیان وغیرہ مستقل رسائل لکھے گئے جن میں شرح و تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس کتاب (حسام الحرمین) میں دیوبند کے اکابر سے ان کے مافی الضمیر کے خلاف باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ظلیل احمد سارنہوریؒ نے اپنے بیانات میں واضح طور پر کہا کہ حسام الحرمین میں جن عقیدوں کو ہم سے منسوب کیا گیا ہے وہ محض افتراء ہے۔ اس طرح کے عقائد جو شخص رکھتا ہے اسے خود ہم بھی کافر سمجھتے ہیں اور ہم ان عقائد سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد بریلی سے ان حضرات پر تکفیر کی چاند ماری رک جانی چاہئے تھی مگر نہیں رکی۔ وہ آج تک جاری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ حضور ﷺ کی محبت ایمان کی جان۔ مولانا احمد رضا خان رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر محبت و عقیدت کی یہ بے پناہی فرق مراتب کے حدود سے متجاوز ہو جاتی ہے اور وہ جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے مرتبہ سے آگے نہ بڑھاؤ۔ تو مولانا فاضل بریلوی جوش محبت میں الوہی صفات حضور ﷺ سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ وہ غلوئے محبت ہے جو اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء کے مقدس اجساد کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ انبیاء کرام کی برزخی حیات بھی ثابت ہے مگر مولانا احمد رضا خان نے اس معاملہ میں اس قدر غلو کیا ہے۔

”انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔“ (ملفوظات حصہ سوم ص ۳۰)

اب کوئی کہے تو کیا کہے گا۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے
”ہو الاول والآخر والظاهر والباطن تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔“

مولانا فاضل بریلوی کے اس شعر سے اول تو رسول اللہ ﷺ کی جسمانی معراج مشتبہ ہو جاتی ہے کہ حضور جسم کے ساتھ نہیں بلکہ ”جلوہ اور نور“ کی ہیئت میں معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ پھر مصرعہ ثانی عبد اور معبود کے فرق مراتب کے بارے میں التباس پیدا کرتا ہے۔

اسی نظم کا ایک شعر ہے :

لٹھے جو قصر دنی کے پر دے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے
عبد و معبود میں جو فرق مراتب ہے۔ یہ شعر اس فرق کو مشتبہ اور موہوم بناتا ہے!

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو، مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا
جیسے دنیا میں دوست ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم میں اور تم میں اپنا
اور پرایا نہیں ہے۔ جو تمہارا مال وہ میرا مال۔ اسی طرح مولانا احمد رضا خان
فرماتے ہیں کہ محبوب اور محبت میں میرا تیرا نہیں ہوا کرتا۔ میں تو آپ کو لے نبی
ﷺ اللہ کی طرح مالک ہی کہوں گا۔

کیا نعت و منقبت کا یہ غلو توحید کے منافی نہیں ہے؟ اور توحید کی حدود
سے تجاوز کیا اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی
ایسی محبت جو بندے کو خدا بنا دے یا اس کا ہمسرو ہم نشین ٹھہرا دے دین و
ایمان کیلئے وبال ہے۔

وہی نور حق وہی عل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زمان نہیں
(حدائق بخشش)

قرآن کریم کہتا ہے کہ ارض و سموات کا خالق، مالک اور رب اللہ تعالیٰ
ہے۔ مولانا احمد رضا خان کہتے ہیں کہ زمین و آسمان بلکہ خود زمانہ بھی رسول اللہ
ﷺ کی ملک ہے۔ پھر ہر شے کو وجود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر اس شعر میں
کہا گیا ہے۔ ”ہے انہیں سے سب“ یعنی ہر شے کو وجود رسول اللہ ﷺ سے ملا
ہے۔ اس شعر نے عبد اور معبود میں تھوڑا بہت کوئی نازک و دقیق فرق اگر باقی

رکھا ہے تو وہ ”رضا خانیوں“ ہی کو نظر آسکتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ آپ توحید کے بہت بڑے مبلغ ہیں۔ اس کی وعظ کی محفلوں میں آپ کے وعظ اور دلائل سے متاثر ہو کر خارجی، ناصبی، رافضی اور بد عقیدہ لوگ توبہ کرتے تھے، اس عظیم المرتبت مبلغ توحید کو مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے معتقدین نے ”اللہ“ و ”معبود“ کا ہسر بنا دیا ہے۔

احمد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن کن حاصل ہے یا غوث تصرف والے سب منظر ہیں تیرے تو ہی اس پردے میں قائل ہے یا غوث (حدائق بخشش)

یعنی ”کن فیکون“ جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص قدرت ہے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حاصل ہے۔ (معاذ اللہ) اور جو اولیاء اللہ دنیا میں تصرف کرتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ نہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔

ذی تصرف بھی ہے مازون بھی مختار بھی کار عالم کا مدیر بھی ہے عبدالقادر ہے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور رسول کو بھی دنیا کے کارخانہ کا ”مدیر“ نہیں بنایا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کو ”مدیرات امر“ کہا گیا ہے اور ان کی صورت بھی آفتاب و ماہتاب کی طرح ہے جس طرح یہ اجرام روشنی پھیلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے اسی طرح ملائکہ بھی وہ خدمات انجام دیتے ہیں جو ان کو سونپ دی گئی ہیں۔ مگر ان ”مدیرات امر“ سے قرآن کریم میں استعانت و استفاہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ اور سنئے :

ان کا حکم جہاں میں نازل قبضہ کل پر رکھاتے یہ ہیں (مصرع ثانی زبان و بیان کے اعتبار سے کتنا کزور ہے)۔

قادر کل کا نائب اکبر کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں اس میں بھی ”کن فیکون“ کی صفت رسول اللہ ﷺ (یا شیخ جیلانی) سے منسوب کی گئی ہے!

مولانا احمد رضا خان کے فرزند مولانا مصطفیٰ رضا خان کیا فرماتے ہیں :

”اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے جو چیز جس وقت چاہتے ہیں فوراً ہو جاتی ہے۔ جسے ”دکن“ کہا وہی ہو گیا۔“
 نہ جانے یہ توحید شکن عقائد ان حضرات نے کہاں سے لئے ہیں؟
 استغفر اللہ۔

علم تصوف میں ”اصحاب تکوین“ کوئی اصطلاح نہیں، ہاں! اصحاب حکمین اور ”اصحاب تکوین“ تصوف کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اصحاب حکمین ان سالکان راہ طریقت کو کہتے ہیں جو احوال و مقامات سے مغلوب نہیں ہوتے۔ ان کا دوسرا لقب ”ابوالوقت“ بھی ہے اور جو بزرگ احوال و مقامات سے مغلوب ہو جاتے ہیں ان کو ”اصحاب تکوین“ کہا جاتا ہے۔ ان کا لقب ”ابن الوقت“ ہے! (ہم جن معنی میں ابن الوقت بولتے ہیں وہ طرز اس لقب میں نہیں ہے) ”تکوین“ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس صفت کو کسی بندے سے جوڑنا کھلا ہوا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس مزاج و طبیعت اور ان عقائد و افکار سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

بریلوی حضرات نے ذاتی اور عطائی تقسیم کر رکھی ہے یعنی تدلیر امر، تصرفات اور ہر طرح کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمادی ہے۔ حالانکہ کسی انسان کو چاہے وہ نبی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی عطا کے تحت ان صفات کا حامل ماننا کہ وہ دنیا کے کارخانہ کو چلا رہا ہے، زمین و آسمان کی کوئی شے اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ سب کے دلوں اور نیتوں کا حال جانتا ہے۔ سارے جہاں کی شکل کشائی کرتا ہے، دور و نزدیک سے سب کی فریاد سنتا ہے۔ اس کے ”دکن“ کہنے سے فوراً جس چیز کو وہ چاہتا ہے وجود میں آ جاتی ہے۔ وہ حاضر و ناظر بھی ہے، یہ عقائد توحید کی ضد ہیں۔ (توبہ)!

اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کی ایک مثال :

”فرمایا یا جنید یا جنید کتا چلا جا“ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بچ دریا کے پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کیسے اور مجھ سے یا جنید کھلوتے ہیں، میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں، اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ یا جنید یا

جئید۔ جب کہا دریا سے پار ہوا۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۱۱۷)۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفت اس کی قدرت و جبروت سے اس قدر بے پروائی اور اولیاء اللہ کی شان میں اس قدر خلاف شریعت غلو۔ استغفر اللہ! انبیاء اور اولیاء کی یہ محبت اور عقیدت جس سے توحید مجروح ہوتی ہو اس سے ہر صاحب ایمان کو اظہار بیزاری کرنا چاہئے۔

مولانا بریلوی کے مزاج میں کس قدر شدت 'غلو اور انتہا پسندی ہے۔ فقہ کے ایک مسئلہ میں اس کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاڑھی منڈانے اور کترانے والا فاسق معلن ہے ' اسے امام بنانا گناہ ہے ' فرض ہو یا ترویج کسی نماز میں امام بنانا جائز نہیں ' حدیث میں اس پر غضب اور ارادہ قتل وغیرہ کی وعیدیں ہیں اور قرآن عظیم میں اس پر لعنت ہے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ۱۷۳)۔

حدیث میں یہ تو بے شک آیا ہے کہ مونچھوں کو 'کتر واؤ' اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو، مگر ڈاڑھی منڈانے اور کتروانے والے کو قتل کر دینے کا کسی حدیث میں حکم نہیں آیا اور نہ قرآن شریف میں ڈاڑھی منڈانے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں اضافہ کو مولانا بریلوی جائز نہیں سمجھتے مگر ان کے مزاج کی شدت نے یہ کام بھی ان سے کرا دیا۔

اپنے لئے ایصال ثواب میں کھانے کی جن چیزوں کی وصیت فرمائی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

دودھ کا برف خانہ ساز، اگر بھینس کا دودھ ہو، مرغ کی بریانی مرغ پلاؤ، خواہ بکری کا ہو، شامی کباب، پرلٹھے اور بالائی فیرنی، ارد کی پھیری دال مع اورک و لوازم، گوشت بھری پکوریوں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڑے کی بوتل، دودھ کا برف خانہ ساز۔

کیا مردے کو یہ کھانے پہنچتے ہیں اور وہ ان کھانوں کی لذت سے محفوظ ہوتا ہے؟ "کناگت" میں ہندو بھی طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام اپنے مردوں کی رگوں کو خوش کرنے اور ان کھانوں سے لذت اندوز ہونے کیلئے کرتے ہیں۔

"عبد" بندے اور غلام کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں "عبد" غلام کیلئے آیا ہے۔ مگر صحابہ کرام جو رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت و عقیدت رکھتے تھے اور

حضور ﷺ کے فدائی اور جان نثار تھے ان میں کسی کا بھی نام ”عبدالرسول“، ”عبدالنبی“ اور عبدالمصطفیٰ نہیں تھا۔ انسانوں کے ناموں کے ساتھ ”عبد“ کی اضافت یعنی عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالحسین کی مشابہت ”عبداللہ اور عبدالرحمن“ سے ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہمارے محدود مطالعہ کا تعلق ہے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ہزار ہا نام ہماری نظر سے گزرے ہیں مگر کسی بزرگ کا نام عبدالمصطفیٰ یا عبدالنبی نہیں دیکھا گیا۔ ہاں صدیوں بعد فارسی کے مشہور تذکرہ ”میعانہ“ کے مصنف عبدالنبی کا نام سب سے پہلے ہم نے پڑھا۔ پھر جلال الدین اکبر مغل بادشاہ کے درباری عالم کا نام عبدالنبی نظر سے گزرا اور اس کے بعد کسی عالم کا نام ”عبدالرسول“ بھی ہم نے کسی کتاب میں دیکھا۔ دور رسالت اور عہد صحابہ میں اتنی احتیاط برتی گئی کہ کسی غلام کو آقا کے نام کے ساتھ اضافت کر کے ”عبد“ نہیں کہتے بلکہ ”عبد“ کی جگہ مولیٰ بولتے تھے۔ یوں ”سالم مولیٰ ابی حذیفہ“ نافع مولیٰ ابن عمر۔

مگر مولانا احمد رضا خان صاحب نے وہابیوں اور دیوبندیوں کی ضد میں انہیں جلائے کیلئے اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا جوڑ لگایا۔ اپنی مر میں احمد رضا خان کے ساتھ عبدالمصطفیٰ شامل کیا۔ اس کے بعد ان کا یہ نعتیہ شعر ملاحظہ ہو:

ثبوت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اپنا نام انہوں نے ”عبدالمصطفیٰ“ رکھا اور اس شعر میں غلام اور اطاعت کی جگہ ”بندگی“ کا لفظ استعمال کیا جس سے ذہن ”عبدیت“ کی طرف جاتا ہے۔ رمز اشاریت اور صنعت ایہام کا اس انداز میں استعمال توحید کے منافی ہے۔ کتنا ہی لذیذ کھانا کیوں نہ ہو اور شبہ ہو جائے کہ اس میں رلی کی برابر زہر بھی شامل ہے تو اس کھانے کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگائے گا کہ بعض اوقات زہر کی قلیل مقدار سے بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ”شرک“ بھی ایمان کیلئے زہر قاتل ہے جس کے وہم اور ذرہ برابر شائبہ امکان اور دور کی مشابہت سے بھی ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے چہ جائیکہ عبداللہ اور عبدالرحمان کی طرح

عبدالمصطفیٰ اور عبدالبقی نام رکھے جائیں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت اور پیروی کی جگہ ”بندگی“ کا لفظ استعمال کیا جائے! توحید کے معاملے میں یہ بے پروائی اور عدم احتیاط.....؟

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات میں اور کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہو اور ”کل“ ہو جو کچھ ہو چکا جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ ہونے والا ہے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات کا علم ہو اور یہ ”کل اور ذاتی علم غیب“ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس لئے مخلوقات میں کوئی غیب داں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و مصلحت اور دین کی ضرورت کے تحت جس نبی کو چاہا اس کو اتنی ہی غیب کی خبریں بتائی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اور افضل الانبیاء اور خیر البشر ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کے ”اخبار غیب“ تمام نبیوں سے زیادہ ہیں جس کی کیت اور کیفیت کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ”عالم الغیب والشہادہ“ نہیں ہے۔ یعنی غیب کے علاوہ جو چیزیں محسوس و مشہود ہیں اور سب کو نظر آتی ہیں۔ ان کا بھی کلی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مثلاً ستاروں، پرندوں، کیڑوں، مکوڑوں، مچھلیوں اور حیوانات اور ان کے جسموں کے بالوں کی تعداد! زمین کے ذرات کی گنتی اور زمین کی مٹی کا وزن اللہ تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک بھی ہے، رازق بھی ہے، اس لئے علم غیب صرف اسی کو ہونا چاہئے کہ پتھر میں کیڑوں کو بھی وہ رزق دیتا ہے اور پاتال (تحت الثویٰ) میں چوہنیوں کے پاؤں کی دھمک کو بھی وہ سنتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء نہ رازق ہیں نہ خالق ہیں اور نہ رب ہیں۔ اس لئے انہیں ”علم غیب“ کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو جتنی مناسب سمجھیں غیب کی خبریں دی ہیں۔

حیرت ہے کہ لوگ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ آیتیں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں جن میں کہا گیا ہے ”تمہارے آس پاس کے بادیہ نشینوں میں منافق ہیں۔ بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ انہیں (اے نبی) تم نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔ اور یوم یجمع..... انت علام الغیوب۔

ترجمہ: جس دن جمع کرے گا اللہ سب رسولوں کو پس فرمائے گا۔ ان سے (تمہاری امتوں کی طرف سے) تم کو کیا جواب ملا۔ وہ عرض کریں گے ہم کو علم نہیں۔ یہ تحقیق آپ ہی غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ (المائدہ: ۱۰۹)
حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیروں کی ہے:

معناه لا علم لنا..... الا ما اظهره وا (تفسیر خازن جلد ثانی)۔

ترجمہ: انبیاءِ حلیم السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو آپ کا سا علم نہیں۔ اس لئے آپ ظاہر و باطن سب کو جانتے ہیں اور ہم کو صرف ان کے ظاہر کا علم ہے (یعنی باطن کا علم نہیں ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے فتنے اور آثار اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر بتائے ہیں۔ مگر ”السام“ یعنی قیامت کب واقع ہوگی۔ اس کا حضور ﷺ کو علم نہیں دیا گیا۔ قرآن کتا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ اس کیلئے مناسب ہے۔ (سورۃ یاسین: ۶۹)۔ قرآن یہ بھی کتا ہے کہ تمام رسولوں کے حالات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتائے۔ (النساء: ۱۶۴)۔
صحیح بخاری (بہ سلسلہ غزوۃ احد) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ: بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حدیفہؓ کے والد (یمانؓ) اس کشاکش میں آگئے، غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حدیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا: ”مسلمانو! خدا تم کو بخشے“۔

حضور ﷺ کو اگر اس کی خبر ہوتی تو صحابہ کرام حضرت یمان کو کافر سمجھ کر قتل کئے دے رہے ہیں تو حضور صحابہ کو روکتے! خود صحابہ کرام حضرت یمان کو نہ پہچان سکے اور انہیں قتل کر دیا۔ مگر بریلوی حضرات اولیاء کرام کے بارے میں جن کی صحابہ کرام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام کائنات ہتھیلی کی طرح ان پر روشن ہے اور تمام شرق و غرب کے حالات کشف کے ذریعہ انہیں معلوم ہیں۔

واقعہ لنگ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ حضور کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو اگر اس کا علم ہوتا کہ ہودج خالی ہے اس میں حضرت عائشہؓ نہیں ہیں تو کیا آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جگہ میں تماچہ پھونکتے تھے اور تمام صحابہ کرام بھی اس واقعہ سے بے خبر رہتے

ہیں! اور خالی ہودج کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

مستند احادیث بتاتی ہیں :

”سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی‘ سر میں درد تھا‘ اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورۃ والمرسلات عرفا“ قرأت فرمائی۔ عشاء کا وقت آیا اور دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی‘ لوگوں نے عرض کی سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا‘ پھر اٹھنا چاہا تو غشیہ آگیا‘ افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ (کیا) نماز ہو چکی؟ (سیرت النبی جلد ۲)۔

بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ سے غیب کا علم ”ما کان وما یكون“ منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضورؐ کو بستر علالت پر صحابہ سے عشاء کی نماز کے بارے میں دو بار دریافت کرنا پڑا؟ پھر نقاہت کی وجہ سے حضورؐ کو جو غشیہ آگیا وہ حضورؐ کا ”بشر“ ہونا ثابت کرتا ہے۔ ”نور“ کو کہیں غشیہ آیا کرتا ہے؟ ہاں حضورؐ کی سیرت و کردار میں نور اخلاق پایا جاتا تھا اور آپؐ ہدایت و سعادت کا سراج منیر تھے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے :

وبالحملۃ العلم بالغیب امر تفرده
اللہ تعالیٰ لا سبیل الیہ للعباد الا
باعلام منہ او الہام
الحاصل غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔
بندوں کی وہاں تک رسائی نہیں مگر
صرف اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ بتا
دے یا الہام کر دے۔

”علم غیب“ چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اسی لئے حدیث رسولؐ کو ”خبر“ کہا گیا ہے کہ حضورؐ کو علم غیب کی اطلاع و خبر دی گئی تھی اور حضورؐ ”عالم الغیب“ نہیں مخبر صادق ہیں۔

علام ابن نجیم حنفی فقہاء میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ بحر الرائق ان کی مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :

وفي خانيه والخلاصه تزوج
بشهادة الله ورسوله لا ينعقد

و فی خانہ و الخلاصہ تزوج . فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ میں ہے
 بشہادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد کہ اگر کوئی شخص اللہ و رسول کو گواہ
 و ینکفر لاعتقاد ان النبی صلی اللہ قرار دے کر نکاح کرے تو نکاح نہ
 علیہ وسلم ینعلم الغیب ہوگا وہ شخص کافر ہو جائے گا بوجہ
 اس اعتقاد کے کہ رسول اللہ ﷺ کو
 علم غیب ہے۔

علامہ علی قاری کی ”شرح فقہ اکبر“ میں فرماتے ہیں :

ثم اعلم ان الانبیاء علیہم السلام پھر جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام
 لم یعلموا من المغیبات الا ما غیب کی باتیں نہیں جانتے تھے۔ مگر
 اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانا و ذکر جس قدر اللہ تعالیٰ نے کبھی کبھی ان
 الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد کو بتلادیا اور حقیقہ نے اس شخص کے
 ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینعلم کافر ہونے کی تصریح کی ہے جو یہ
 الغیب عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو
 علم غیب تھا۔

تفسیر فتح العزیز میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عقائد باطلہ کا
 بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :

یارتبہ اثمہ و اولیاء برابر رتبہ یعنی اماموں اور ولیوں کو انبیاء کے
 انبیاء و مرسلین علیہم السلام برابر جاننا اور انبیاء کے لیے لوازم الوہیت
 مگرداند و انبیاء و مرسلین علیہم السلام جیسے علم غیب اور ہر شخص کی ہر جگہ
 را لوازم الوہیت از علم غیب و سے فریاد سننا اور جمع مقدوریت پر
 شنیدن فریاد ہر کس و ہر جا قدرت پر ان کی قدرت ثابت کرنا (یہ باطل
 جمع مقدوریت ثابت کند ہے)۔

کیا یہ تمام اکابر علماء دیوبندی اور وہابی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات
 سے ”علم غیب“ کی نفی کر کے انہوں نے کیا حضور ﷺ کی توہین کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں ہم اپنے ذہن و فکر کے مطابق ہی کہہ
 سکتے ہیں کہ ”جو کچھ ہو چکا“ جو کچھ ہو رہا ہے“ اور جو کچھ ہوگا اس کا پورا علم اللہ
 تعالیٰ کو ہے“ اگر یہی عقیدہ رسول اللہ ﷺ کے علم کے بارے میں رکھیں کہ جو

کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو گا، اس کا پورا علم رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا علم ”عطائی“ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں ایک انسان کو اپنا ہمسر بنا دیا ہے۔ یہ عقیدہ توحید کے کس قدر منافی ہے۔

پورا قرآن اس پر گواہ ہے کہ کسی دلی اور نبی کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا جہان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے تمام اختیارات اور اپنے تمام خزانے اسے عطا فرما دیئے ہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں بس اتنا فرمایا گیا ہے :

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (یونس ۶۲)

آگاہ ہو جاؤ! جو لوگ اللہ کے دوست
ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین
ہوں گے۔

اولیاء اللہ کے تصرفات اور قدرت و اختیارات کے بیان کرنے کا یہی موقع تھا۔ کم از کم اتنا ہی فرما دیا جاتا کہ اولیاء اللہ کو صرف حزن و غم ہی نہیں ہو گا بلکہ لوگوں کے حزن و غم کو اللہ کی دی ہوئی قدرت سے اولیاء اللہ دور بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اس بات کو دس بارہ برس ہوئے ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر و حالات کیلئے ایک محفل منعقد ہوئی تھی۔ بدایون کے ایک مولانا نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد لوگوں کی مشکل کشائی، حاجت روائی اور دور و نزدیک سے فریاد اور پکار سننے کی قدرت اولیاء اللہ سے منسوب کر دی۔ سننے والے یہی سمجھ رہے تھے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کی جو آیت پڑھی ہے اور اس میں ”اولیاء اللہ“ کا جو ذکر آیا ہے تو مولانا صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس آیت کا ترجمہ ہو گا یا اس کی تفسیر! حالانکہ مولانا نے جو کچھ کہا وہ اپنے فاسد عقائد کے مطابق تھا۔ قرآن کریم پر یہ اضافہ تھا، دیوبندی علماء کے یہاں بھی بزرگوں کی ارواح کے تصرفات کی جو روایتیں کہیں کہیں ملتی ہیں ان سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ ہم نے انبیاء کو دنیا کی دھگیری اور فریاد رسی کے اختیارات سونپ دیئے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کے بارے میں کوئی آیت کہ آپ ﷺ کو ارض و سماوات کے کارخانہ

کو چلانے اور سارے جہاں کی مشکل کشائی کیلئے بھیجا گیا ہے۔ جس آیت میں حضور ﷺ کے فرائض بتائے گئے ہیں کہ آپ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تزکیہ نفس فرماتے ہیں یہی موقع حضور ﷺ کی قدرت اور اختیارات کے بیان کرنے کا تھا۔ بلکہ قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کے اختیارات و قدرت کی نفی ہی زبان وحی ترجمان سے کر لی گئی ہے اور یہ تک کہا گیا ہے:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (الاعراف: ۸۸)

(اے نبی) کہہ دو کہ میں مالک نہیں ہوں اپنے واسطے برے کا نہ بھلے کا مگر جو اللہ چاہے۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ (الانعام: ۵۰)

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے (دیئے ہوئے) خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عطا کی بھی نفی کی ہے جس کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانوں کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ..... مَا مَسْنِي السُّوءُ (الاعراف: ۱۸۸)۔

(اگر میں غیب داں ہوتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناخوشگوار بات چھونے بھی نہ پاتی۔)

پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ مجھی کو پکارو میں ہی تمہاری مصیبت کو دور کر دوں گا، یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور و نزدیک سے پکارو رسول ﷺ تمہاری فریاد سن کر مصیبت کو دور کر دیں گے۔ دور و نزدیک سے ہر جاندار کی آواز سننا، اس کی دھجھری کرنا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی بندے سے چاہے وہ رسول ہی کیوں نہ ہو

اس طرح استغاثہ اور استعانت شرک ہے اور شرک ہی وہ ”ظلم عظیم“ ہے جو معاف نہیں کیا جاتا۔

جب حضور ﷺ اس دنیائے آب و گل میں تشریف رکھتے تھے تو کسی صحابی نے کسی سریر میں یا مہینہ سے دور رہ کر کسی مصیبت اور مشکل کے وقت رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ نہیں کیا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قیامت گزر گئی اور روضہ رسول آپ کے مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا مگر حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ کو مدد کیلئے نہیں پکارا۔ ہاں! صحابہ کرام دعا کرانے کیلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اگر حضور کے اختیار میں سب کچھ تھا تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی۔ صحابہ کرام کیلئے رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا اس کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات عطا نہیں فرما دیئے تھے۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ ایک فقیر آپ سے سوال کرتا ہے۔ آپ اس کے سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے بلکہ اپنے پاس سے کچھ نقدی یا کھانا عطا فرما دیتے ہیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر سواریوں کی بہت قلت تھی اور دور دراز کا سفر تھا، رسول اللہ ﷺ اسلامی حکومت کے سربراہ تھے، اس لئے چند صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر کیلئے سواریاں دیئے جانے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ کے پاس سواریاں دینے کیلئے نہ تھیں۔ اس لئے آپ نے انکار فرما دیا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ صحابہ کرام اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ (قرآنی مفہوم کی شرح و ترجمانی) مولانا بریلوی اور انکے معقدين کہتے ہیں کہ ایک ایک ولی خزانوں کا مالک ہے اور وہ ”دکن“ کہہ دے تو سب کچھ (فیکون) ہو سکتا ہے۔ مگر قرآن کریم نے صحابہ کی ناداری کا حال بیان کیا ہے کہ وہ غزوہ جہاد میں شرکت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ لیکن سفر کیلئے سواریوں کا انتظام ان کی قدرت میں نہیں تھا۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سواریاں نہ دے سکے۔ حضور صحابہ کرام کو بڑی فیاضی کے ساتھ مال غنیمت تقسیم فرمایا کرتے تھے مگر جب حضور ﷺ کے پاس دینے کیلئے کچھ نہ ہوتا تھا تو بعض اوقات سائل کو بھی خالی ہاتھ واپس جانا پڑا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں جو انبیاء کرام (اور رسول اللہ ﷺ)

کے اختیار و قدرت کی نفی کرتی ہیں تو پھر انبیاء کرام کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی کیا حیثیت ہے جن سے دھگیری کی تمنا کی جاتی ہے۔

دھگیری کا طلب گار ہوں شیئاً للہ
بہ گرداب بلا افتادہ کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی
المدد! خواہم زخواجہ نقشبند

یہ عقائد کتاب و سنت کے مخالف ہیں۔ یہ اگر شرک نہیں ہے تو شرک کس کا نام ہے؟

شروع شروع میں زیارت قبور سے رسول اللہ ﷺ نے روک دیا تھا۔ پھر اجازت دے دی۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تذهب في الدنيا و تذكروا الاخرة۔

(میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ چیز دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے)۔

حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کی غرض قبروں سے فیض حاصل کرنا نہیں بتائی بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ زیارت قبور سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی اور آخرت کی یاد آتی ہے۔

فقہاء اور خود اولیاء اللہ کیا کہتے ہیں :

- اپنی تمام حاجتیں اللہ کے حضور پیش کرو اور تمام خلقت سے منہ موڑ کر اس کے حضور جھک جاؤ۔ (فتوح الغیب حضرت شاہ عبد القادر جیلانیؒ)۔
- مشرکین مکہ بتوں کو روحوں کی توجہ کا مرکز قرار دیتے تھے اور آج مسلمان قبروں کو سمجھتے ہیں۔ (نور الکبیر شاہ ولی اللہ)۔
- انبیاء اولیاء ہمہ بند گان خدا اند دخلے و تصرفے در کارخانہ جات الہی نہ دارند نہ در حیات نہ بعد ممات۔ (بلاغ المبین شاہ ولی اللہ)۔
- (انبیاء اور اولیاء سب کے سب خدا کے بندے ہیں اور اللہ کے کارخانے میں داخل اور تصرف نہیں رکھتے نہ زندگی میں نہ بعد وفات)۔
- دفع شریا دفع بلا کیلئے غیر اللہ کو پکارنا اور ان کو صاحب اختیار سمجھنا شرک

ہے۔ (تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز)۔

- انبیاء و اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، ان سے مراد مانگنا، نذر و نیاز کرنا یہ سب حرام و ناجائز ہے۔ (مالا بدمنہ از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی)۔

- وہ لوگ جو انبیاء اور اولیاء کو حاجتوں اور مصائب میں اس اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں کہ ان کی روحوں حاضر ہوتی ہیں اور پکارنے والوں کی پکار سنتی ہیں ان کی حاجات (ضرورتوں) کو جانتی ہیں تو یہ شرک قبیح اور جمل صریح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا۔ (سلطان العارفین قاضی حمید الدین ناگوری استاد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

- جو نذر میں اموات کے واسطے ہوں از روئے تقرب کے وہ باطل اور حرام ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری در مختار)۔

- نذر عبادت ہے اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اگر نذر ماننے والے کا یہ خیال ہے کہ میت کو اختیارات حاصل ہوتے ہیں تو یہ صریحاً کفر ہے۔ (البحر الرائق)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت کی لعنت نے ان عورتوں پر جو زیارت لے کریں۔ قبروں کی اور ان لوگوں پر لعنت خدا کی جو بنائیں قبروں پر مسجدیں اور روشن کریں قبروں پر چراغ۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا یہ مشن ہے کہ ان بدعات کو جائز ثابت کیا جائے اور اس احداث فی الدین کو مستحب اور باعث خیر و برکت سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام سے وہ قدرت و تصرف اور اختیارات منسوب کئے جائیں جن کی کوئی دلیل کتاب و سنت میں نہیں ملتی اور جن سے توحید مجروح ہوتی ہے اور عبد اور معبود کا فرق باقی نہیں رہتا۔ یہ بائیت کا اثر ہے کہ صحابہ کرام میں صرف حضرت سیدنا علی کرم اللہ

وجہ کو مشکل کشا سمجھا جاتا ہے اور ان کی دہائی دی جاتی ہے اور اولیاء اللہ میں حسن بصری، ذوالنون مصری، بشرحانی، جیسے بلند پایہ اولیاء اللہ سے استعانت و استدرا نہیں کی جاتی۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل چونکہ صوفی کے طور پر مشہور نہ تھے لہذا انہیں روحانیت کے معاملے میں کوراجحہ لیا گیا ہے اور ان سے کوئی بدعتی مسلمان استغاثہ نہیں کرتا۔

جن بزرگان دین سے استدرا و استغاثہ اور استعانت کی جاتی ہے وہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے۔ بارالہا یہ ان لوگوں کے اپنے گھڑے ہوئے عقیدے ہیں، ہم نے اس قسم کی حاشا اللہ ترغیب نہیں دی تھی کہ مصیبت کے وقت دور و نزدیک سے ہمیں پکارا کرنا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اختیار دے رکھا ہے۔

ایک بات اور غور طلب ہے کہ ہم نے خود دیکھا ہے اور دوسرے ہزاروں مسلمانوں نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ایک پیر اپنی زندگی میں قدم قدم پر مجبور ہے، وہ ٹینک کے بغیر پڑھ نہیں سکتا، بیماری کے سبب سے کمزور ہو جاتا ہے، تو مریدوں کے سارے چلتا ہے، اسے اپنے مکان کی دیوار کے پیچھے کا حال معلوم نہیں ہے۔ مریدوں اور عزیزوں کے خط آتے ہیں تو ان کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ اس پیر کی نہ جائیں کتنی تمنائیں پوری اور کتنی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ جب پیسہ کی تنگی ہو جاتی ہے اور مرید و معتقدین اس کی خدمت میں ہدایا پیش کرتے ہیں مگر مرنے کے بعد اس کی قبر پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ تم کو خدا نے ہر طرح کا اختیار اور قدرت دے رکھی ہے۔ اللہ میری مدد کرو۔ حضور! آپ کے ایک اشارے میں میری مصیبت دور ہو سکتی ہے۔ آپ اللہ کے محبوب ہیں آپ جو چاہیں گے وہ ہو کر رہے گا سرکار! میں اس دربار سے خالی جھولی لے کر نہیں جاؤں گا۔ اللہ دیا شیخ اغشی یا مرشدی۔

آپ چاہیں تو مرے درد کا درماں ہو جائے

ورنہ مشکل ہے کہ مشکل مری آسمان ہو جائے

(توبہ استغفر اللہ)

دین کی صحیح اور واقعی خدمت یہ تھی کہ علوم قرآنی پر (جس طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مشکلات القرآن ہم حجت حدیث پر صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ

اور حج کی حکمتوں پر، سیرت نبوی اور صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں پر، اسلامی معاشرہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس موضوع پر، اسلام پر مستشرقین کے حملوں کے دفاع پر، اخلاق و تزکیہ نفس پر کیمیائے سعادت کے انداز کی کوئی کتاب، دین کی حقانیت پر کوئی تصنیف، مولانا مفتی کفایت اللہ نے تعلیم الاسلام کے نام سے فقہ کے ضروری مسائل پر رسائل لکھے تھے۔ بے حد مقبول ہوئے اور مولانا مودودی کی ”دینیات“ جو لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہے اور حکومت حیدر آباد دکن کے میٹرک کے نصاب میں برسوں شامل رہی ہے۔ اسلام کی معاشیات و اقتصادیات ہے۔ مسلمانوں کی نامور و محترم شخصیتیں ہیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت عبداللہ ابن مبارک، صلاح الدین ایوبی، جن کے حالات زندگی پڑھ کر دین کی خدمت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے انگریزی دور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مشیت حکمت اور خیر و شر کے بارے میں جو وسوسے اور شبہات نے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دل میں پیدا ہو گئے تھے ان پر علامہ شبیر احمد عثمانی کی معرکہ آرا تصنیف ”العقل والنقل“ جیسی کتاب۔ دراصل دین کی خدمت کا یہی کام کرنے کا تھا۔ مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کی نہ جانے کتنی بہت سی کتابیں لے دہلیوں اور دیوبندیوں کی تکفیر و تذلیل سے بھری پڑی ہیں۔

مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت پر بارہ تیرہ کتابیں تو آچکی ہیں جو مفت تقسیم کی گئی ہیں جن میں یہ छलٹ کیا گیا ہے کہ موجودہ صدی بھری میں ان جیسے پایہ کا کوئی عالم و فاضل ہی پیدا نہیں ہوا اور مولانا بریلوی نہ ہوتے تو ہند و پاکستان میں عصمت انبیاء کا چرلغ گل ہو جاتا۔ پروفیسر مسعود احمد رضا خان تحریک کے روح رواں ہیں۔ پروپیگنڈے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر طوفانی پروپیگنڈے کے

۱۔ مسلم لیگ کے بارے میں مولوی ابوالبرکات نے رسالہ حزب الاحناف لاہور میں فتویٰ دیا۔ مسلم لیگ کی حمایت کرنا اس میں چندہ دینا، اس کا ممبر بننا، اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کے خاص اہم اس قبیح مولوی شہت علی نے اقبال کے بارے میں لکھا ”ڈاکٹر صاحب کی زبان پر شیطان بول رہا ہے اور بحکم شریعت مسر جینا (یعنی قائم اعظم) اپنے عقائد کفریہ قطعہ بقیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج الاسلام ہے۔ (مجاہد اہل السنہ ص ۱۲۴)۔ بریلوی حضرت تکفیر سازی میں یہ طوطی رکھتے ہیں اور مزاج کی شدت کا یہ عالم کہ حرمین شریفین کے اماموں کی افتاء میں نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

زور پر مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن و فکر پر مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت اور ان کے عقائد چھانگئے تو پھر مشرکانہ عقائد اور بدعات کی نفرت ہی دلوں سے نکل جائے گی۔

دیوبندی علماء نے اپنے اکابر کا نہ کوئی ”DAY“ منایا اور نہ حکومت سے درخواست کی کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ان بزرگوں کی زندگیوں پر فیچر نشر کئے جائیں۔ مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کا کئی برس سے ”DAY“ منایا جاتا ہے اور حکومت سے پر زور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ”یوم رضا“ کے جلسوں کے پروگرام ریڈیو سے نشر کئے جائیں اور ان کی جھلکیاں ٹیلی ویژن پر دکھائی جائیں۔ بریلوی اور دیوبندی علماء کے مزاج اور ذہنیت کا فرق اسی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ مسجدوں میں بریلویت اور دیوبندیت کی کشمکش جاری ہے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں پنجاب کی ایک مسجد کے پیش امام کو اس جرم میں قتل کیا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہتا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں وہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر راقم الحروف کا ساؤتھ افریقہ جانا ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں میں عقائد کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا مگر دو تین برس سے کوئی مولانا خوشتر ہیں جن کا ادھر آنا ہو گیا اور اس وقت سے یہاں بھی عقائد کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ ڈربن کی وہ مسجد جہاں بریلوی عقائد کی اشاعت کا آغاز ہوا تھا میں نے توحید و سنت پر تقریر کی مگر ”بریلی“ اور مولانا احمد رضا خان کا نام تک نہیں لیا، توحید و سنت کے تقاضے مثبت انداز میں بیان کئے۔ جو لوگ لٹل سنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں ان کے جب سے انگلستان میں دورے ہوئے ہیں وہاں بھی عقائد کی کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ برصغیر کی مسجد میں تو یہ اختلاف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔

ہم نے خاصی تفصیل سے زیر تنقید کتاب پر تبصرہ کیا ہے اور اپنے نزدیک پوری ذمہ داری اور خدا خونی کے ساتھ جن باتوں کو حق اور جن باتوں کو ناحق سمجھا ہے ان کا اظہار کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی مسئلہ کے تجزیہ میں ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر ہمیں دلائل سے مطمئن کر دیا جائے تو ہم اپنی غلطی کا کھلے دل سے اعلان و اعتراف کریں گے۔

کنز الایمان ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا خان
علمائے ادب اردو کی نظر میں

تبصرہ بر محاسن کنز الایمان

فارمن، مارچ ۱۹۷۶ء

(از ملک شیر محمد خان اعوان، ضخامت ۵۶، مرکزی مجلس
رضا، نوری مسجد بالمقلیل ریلوے اسٹیشن لاہور سے کسی
قیمت کے بغیر حاصل کی جاسکتی ہے۔)

ہر عالم ادیب اور شاعر کا ایک مقام عمومی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ تقسیم
ہند سے قبل مولانا احمد رضا خان علی دہلوی حلقوں میں بریلی مکتبہ فکر کے سب
سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد فاضل بریلوی کی علمی اور
رہی خدمات کو ان کے محققین و متوسلین نے نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس
کی۔ پانچ چھ برس سے جب سے جمعیت علمائے پاکستان سیاسی میدان میں آئی ہے
اور صوبائی اور مرکزی اسمبلی میں اسے متحدہ تشکیلاتی ہیں۔ بریلوی مکتبہ فکر کے
اہل قلم نے مولانا احمد رضا خان کی زندگی اور ان کے علمی فضل و کمال پر کتابیں
چھاپنے کی باقاعدہ مہم شروع کر دی ہے۔ ان حضرات کے یہاں فہم کی بھی خاصی
ریل چل معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی قیمت کے بغیر یہ کتابیں تقسیم کی جارہی ہیں۔
محاسن کنز الایمان بھی اس سلسلے کی ایک کتاب ہے جس میں مولانا احمد رضا
خان صاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتابچے پر
مولانا غلام رسول سعیدی نے پیش لفظ لکھا ہے۔

”..... امام رازی اگر اسے دیکھ پاتے تو بے اختیار آفرین
کہتے۔ ابن عطا اور جبائی کے سامنے یہ ترجمہ ہوتا تو شاید
اعتزال سے توبہ کر لیتے۔ خامہ تصوف ہے جس طرح اعلیٰ
حضرت نے آیات کے بطن کو ترجمہ میں ڈھالا ہے۔ غزالی
ہوتے تو دیکھ کر وجد کرتے، ابن عربی شاد کام ہوتے اور
سروردی دعائیں دیتے، ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی گھنگنے
لائے ہیں اگر امام اعظم کو پیش کئے جاتے تو جینا مرجبا کہتے

اور اگر ابن عابدین اور سید طحطاوی کے سامنے یہ فقہی
آگینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔“ (۱۱۰)

یہ واقعہ ہے یا مبالغہ؟ اس کا فیصلہ اہل نظر اور صاحبان علم و دانش ہی
کر سکتے ہیں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی
یہ مولانا صاحب جنہوں نے مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے
ترجمہ کی اس قدر ستائش مدح و توصیف کی ہے خود ان کی اردو تحریر کا یہ عالم
ہے..... ”اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس کے نقطہ عروج پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔“
(ص ۹)۔ اس عبارت میں کتنا کچا پن پایا جاتا ہے۔ ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی
تکینے لائے ہیں۔ (ص ۱۰) ترجمہ کا ضمن اور پھر اس ضمن میں فقہی تکینے لانا یہ
نومشغول کا انداز تحریر ہے۔ ”سلخ ظاہر پر گذارہ کرنے والوں“ عجیب سی عبارت
ہے، پھر ”گزار“ کا الاء ”گذارہ“ غلط ہے۔ یہ صاحب جن کے نام کے پہلے
”علامہ“ لکھا ہے قاری لفظوں میں ”ز“ اور ”ذ“ کے فرق کو نہیں جانتے۔“
”لاگ لپٹ“ کے بغیر (ص ۱۱) ”لاگ لپٹ“ عام طور پر بولتے ہیں۔
اخلاص و ایثار کا قانون روشن کیا ہوا ہے۔ (ص ۱۱) ”ہو“ اس جملہ میں کھٹکتا
ہے۔ اعلیٰ حضرت کا علی جلال علی جلالت لکھتا تھا۔ جن صاحب کی اردو اتنی
کمزور ہو گیا وہ قرآن کریم کے اردو ترجمہ پر اظہار رائے کا حق رکھتے ہیں۔ اسی
پیش لفظ میں یہ مبالغہ آمیز جملہ بھی پڑھنا پڑا:

”اگر قرآن اردو میں اترتا ہوتا تو یہ عبارت اس کے قریب تر ہوتی۔“
مولانا فاضل بریلوی کے اردو ترجمہ کو قرآن کے قریب درجہ دینے کی
کوشش اب کوئی کسے تو کیا کے۔

ملک شیر محمد خان احموان کھفہ قلم ادیب ہیں۔ وہ بریلوی مکتبہ فکر سے
تعلق رکھتے ہیں۔ ص ۲۴ پر انہوں نے لکھا ہے:

”آج اگر عصمت انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا
خان کا دامن اس کا قانون بنا ہوا ہے۔“

جو لوگ اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں وہ اور حضرات اہل حدیث یہ

سب کے سب عصمت انبیاء کے قائل ہیں۔ اس لئے یہ کنا صحیح نہیں کہ عصمت انبیاء کے چراغ کو مولانا احمد رضا خان نے روشن رکھا ہے۔ شیعہ حضرات تو ائمہ کو بھی معصوم کہتے ہیں اور انبیاء کے تسامحات کو ”حرک ادنیٰ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بات نہ صرف مبالغہ آمیز بلکہ واقعہ کے خلاف ہے کہ مولانا احمد رضا خان نہ ہوتے تو محاذ اللہ عصمت انبیاء کا چراغ ہی گل ہو جاتا۔

”آج سواد اعظم کے جتنے بھی علماء کرام ہیں۔“ (ملک اعوان)

سواد اعظم مسلمانوں کی اس اکثریت غالب کو کہتے ہیں جو صحیح العقیدہ ہو، وہ سنی مسلمان جو تعزیری نکالتے ہیں، قبروں کا طواف کرتے ہیں، غیر اللہ کو حاجت روائی کیلئے پکارتے ہیں اور طرح طرح کی بدعت میں مبتلا ہیں ان سے تو سواد اعظم بدنام ہوتا ہے۔

”انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کی بنیاد

ڈالی، جس نے شک و ارباب کی تاریک وادیوں میں ہلکتے

ہوئے اذہان کو مینارۂ نور بن کر راہ ہدایت دکھائی۔“ (ص

(۴۴)

مولانا احمد رضا خان شکم نہیں تھے۔ انہوں نے کسی علم کلام کی بنیاد نہیں ڈالی۔ ان کی ساری زندگی داعیان توحید اور ماحیان شرک و بدعت کی توہین و تکفیر میں صرف ہوئی۔ (یعنی جن کو وہ دیوبندی اور وہابیہ کہتے ہیں)۔“

”تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء

تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں

آپ نے روشن رکھیں وہ آج سگتے ستاروں میں تبدیل ہو کر

قلمت کدۂ دہریت والحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں۔“ (ص

(۴۴)

رسول اللہ ﷺ کا ذکر ایمان کی جان اور سرمایہ یقین..... مگر محفل میلاد

کی ابتدا اب سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک بادشاہ نے کی تھی۔ اس سے پہلے

محفل میلاد کا وجود نہیں ملتا۔ ایک بادشاہ کے نکالے ہوئے طریقہ کو مسلمانوں نے جو دین و ایمان بنا لیا ہے یہ چیز اپنی جگہ کسی قدر محل نظر ہے۔ خلفائے راشدین نے حضور ﷺ کی ولادت کا دن نہیں منایا۔ اسلام میں غم اور مسرت کا کوئی تیسرا تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا نہیں۔ ہندوستان میں جب میلاد کی محفلوں کا آغاز ہوا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں تشویش کا اظہار فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں یہ کیا چیز رواج پا رہی ہے۔

ملک شیر محمد خان اعوان نے مولانا احمد رضا خان کی تعریف میں یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے محافل میلاد کی شمعیں روشن رکھ کر دین کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے حالانکہ اس طرح بدعت کو فروغ ہوا ہے۔ پھر ”علمت کدہ دہریت والحاد“ کے لانے کی کیا تک تھی۔ محفل میلاد کے منعقد نہ ہونے کو کیا ”دہریت والحاد“ کہنا کسی نہج سے بھی درست ہے؟ جہاں تک سیرت النبی کا تعلق ہے اس کا ذکر جتنا بھی کیا جائے باعث سعادت ہے۔ آپنے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے۔“ (ص ۲۵)

مولانا احمد رضا خان ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے ان کی عمر ۶۵ برس کی ہوتی ہے۔ کیا ۶۵ برس پر مختصر عمر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

”..... لیکن اگر وہ اتنی پر عظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی

صرف ان کا نعتیہ کلام ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی تھا۔“

(ص ۲۶)

مولانا احمد رضا خان مرحوم کا سلام اور معراج شریف کی نظم یہ دونوں چیزیں خوب ہیں۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں پست و بلند ہر طرح کے اشعار ملتے ہیں۔ بعض اشعار خاصے کمزور ہیں۔ ”فار ان“ میں فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ آچکا ہے۔ نعت کے عظیم شاعر محسن کا کوروی ہیں۔ زائر حرم حید صدیقی کے نعتیہ کلام میں خوشگوار تنوع پایا جاتا ہے۔ اقبال سہیل کا نعتیہ قصیدہ:

محمد یعنی وہ حرفِ غتیں ملکِ فطرت کا محمد یعنی وہ امضائے توقعات ربانی وہ رابطہ عقل و مذہب کو کیا شہرہ و شہر جس نے وہ فاروقِ زندہ سے جس نے منایا دلِ رضائی اردو شاعری کی آبرو ہے۔ یہ آہنگ ”حدائقِ بخشش“ میں نہیں ملتا۔

مولانا احمد رضا خان نے قرآن پاک کا سلیس و رروں ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس ترجمہ کو اس انداز میں پیش کرنا کہ یہ ترجمہ کیا ہے گویا اردو کی وحی ہے اور تمام اردو تراجم پر اس ترجمہ (کنز الایمان) کو فوقیت حاصل ہے۔ مباہلہ آمیز تعریف ہے۔ ”کنز الایمان“ میں زبان و ترجمہ کی بہت سی غلطیاں ملتی ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے مخصوص عقائد ہیں یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہی نہیں تمام اولیاء دنیا کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ سے استغاثہ اور استمداد جائز ہے۔ (ویلیم جبراً) حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ ”عالم الغیب والشہادہ“ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور قرآن شریف میں اس قسم کی آیتیں..... کہ اے رسول آپ منافقوں کو نہیں جانتے۔ اور بہت سے نبیوں کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے..... حضور ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہیں اور قرآن کریم اور احادیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو مصیبت کے وقت پکارا کرو اور حضور ﷺ کو سارے جہاں کی مشکل کشائی کا منصب سونپ دیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے مزعومہ عقائد ذہن میں رکھ کر قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے متعدد آیات کا ترجمہ صحت معنوی اور قرآن کریم کے مراد و مشا کے اعتبار سے خاصا محل نظر ہے۔ مثلاً ”دع“، ”یدع“، ”ادعو“ کا ترجمہ وہ ”پکارنے“ کی بجائے ”پوچھنا“ کرتے ہیں اور وہ اس لئے کہ غیر اللہ کو دور و نزدیک سے استغاثہ و استمداد کیلئے پکارنا ان کے نزدیک جائز ہے، چنانچہ فلا تدع مع اللہ الہا آخر (الشعرا: ۲۱۳) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”تو اللہ کے سوا دوسرا خدا نہ پوج“

قرآنی لغات میں ”دعوت“ کے معنی پوجنے کے نہیں بلکہ ”بلانے“ کے دیئے گئے ہیں۔

”ادعو ربکم تضرعاً و خفیہ۔“

کا یہی ترجمہ صحیح ہے کہ اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے..... اگر یہاں ”ادعو“ کے معنی ”پوجو“ لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ صلوٰۃ بالجہر سے روکا گیا ہے۔

”کنز الایمان“ پر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے حواشی ہیں، ان کا یہ

حال ہے ”ایاک نعبد و ایاک نستعین جو توحید خالص پر محکم نص ہے۔ اس میں مولانا مراد آبادی نے ”شرک“ کا پہلو پیدا کر دیا ہے۔ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں :

”ایاک نعبد و ایاک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہو، ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کار فرما دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوئے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اعیوننی بقوۃ واستعینوا بالصبر والصلوۃ کیوں آتا ہے۔“

قرآن کریم کی یہ تفسیر ”ایاک نعبد و ایاک نستعین کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن کریم میں یہ کیس نہیں آیا کہ مقربان حق عون الہی کے مظہر ہیں اور ان سے استعانت جائز ہے یا ان کی امداد دراصل امداد الہی ہے۔ یہ حاشیہ نگار کا اپنی جانب سے اضافہ ہے۔“ استعینوا بالصبر والصلوۃ“ کو دلیل میں پیش کرنا کم فنی قرآن کی دلیل ہے۔ کیا صبر و صلوۃ انسان، جن اور فرشتے ہیں کہ وہ فریاد کو سنتے اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ کیا کوئی صاحب عقل صبر و صلوۃ سے مدد مانگنے کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ اس آیت کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ صبر اختیار کرو اور فریضہ صلوۃ ادا کرو۔ اس عمل سے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں خیر و برکت عطا فرمائے گا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی۔ اگر اس آیت سے وہابیہ نے یہی سمجھا ہے تو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔ کنز الایمان کا یہ حاشیہ عقیدہ توحید کو مجروح کرتا ہے۔

”محاسن کنز الایمان“ میں قرآنی آیات کے تراجم میں زیادہ تر شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اب سے کم و بیش دو سو برس پہلے کا ہے۔ اس زمانہ میں اردو نثر نگاری دور مہابت سے گزر رہی تھی۔ اسی دو سو برس پہلے کے ترجمہ کو شیخ الہند

نے زیادہ سلیس بنانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں متعدد مقامات پر ان کے ترجمہ کی عبارتیں عجیب سی ہو گئیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کی اردو کزور تھی۔ فاضل مصنف کو فتح محمد جالندھری، مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجموں سے مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کا مقابلہ کرنا تھا۔

آیت نمبر ۱: ذالک الكتاب لا ریب فیہ -

ترجمہ مولانا محمود حسن: اس کتاب میں شک نہیں۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ

نہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خان: وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ

نہیں۔

اعوان صاحب مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

”ذالک“ اشارہ قریب نہیں بعید کا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مترجمین اس

کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ (ص ۲۹)

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے:

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ذالک معنی میں

”ہذا“ کے ہے۔ عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل، زید

بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ

ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں اور عربی زبان میں اکثر آتے

رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ

سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ”ذالک“ اصل

میں ہے تو دور کے اشارے کیلئے جس کے معنی ہیں ”وہ“

لیکن کبھی نزدیک کیلئے لاتے ہیں۔ اس وقت اس کے معنی

ہوتے ہیں ”یہ“ یہاں بھی اس معنی میں ہے۔“ (تفسیر ابن

کثیر، اردو ترجمہ)۔ (گویا قرون اولیٰ کے آئمہ جلیل القدر

آئمہ تفسیر اس پر متفق ہیں کہ یہاں ذالک ہذا کے معنی میں

ہے یعنی اس کا ترجمہ ”وہ کتاب“ نہیں بلکہ ”یہ کتاب“
(ہے۔)

قرآن کریم میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں: مثلاً
ذالکم حکم اللہ بحکم بینکم (الممتحنہ: ۱۰)۔
میں ”ذالک“ ”ہذا“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (اور خود احمد رضا
خان صاحب نے اس کا ترجمہ یہ سے کیا ہے۔)
مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ:

”وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔“
خوب ہے مگر اس میں ”فیہ“ کا ترجمہ چھوٹ گیا۔ مولانا مودودی نے اس
آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔“
یہ ترجمہ دونوں معنوی پہلوؤں پر محیط ہے یہ کہ اس کتاب کے کتاب اللہ
ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔
۴۔ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم
لعلکم تتقون ○ (البقرہ: ۲۱)

ترجمہ: مولانا احمد رضا خان... اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں
اور تم سے انھوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری
ملے۔“
”پرہیز گاری ملے“ یہ کمزور زبان ہے۔

ترجمہ مولانا مودودی..... لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا
نور تم سے پہلے لوگ جو ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی
توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ ”بندگی اختیار کرو“ میں پوجنے کا مفہوم بھی
آگیا اور یہ بھی کہ پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کرو۔
مودودی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے:

”یعنی دنیا میں غلط بنی و غلط کاری سے اور آخرت میں خدا کے عذاب
سے بچنے کی۔“

”لنعلم“ کا ترجمہ اللہ کی نسبت سے ”ہم جان لیں یا ہم کو معلوم ہو

جاوے“ غلط نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی خرابی ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے..... ”کہ دیکھیں“ ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی صحیح ترجمہ ہے مگر فاضل مصنف نے جو یہ لکھا ہے :

”معلوم ہو جانے کی نسبت خدا سے درست نہیں۔“

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا اور ہر واقعہ کا علم ہمیشہ سے ہے۔ مگر یہ قرآن کا انداز بیان ہے کہ جو چیز وقوع میں آتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہم عالم کون و فساد اور جہان زمین و زمان کے رہنے والوں کے علم و مشاہدہ کی نسبت و رعایت سے یوں فرماتا ہے۔ ”ہم نے جان لیا..... ہم جان لیں گے۔“

بعض فلاسفہ ان آیات سے اس فاحش غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم کسی واقعہ کے بعد ہوتا ہے (معاذ اللہ)۔

۳۔ ”اہل بہ لغیر اللہ“ کا جو ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا ہے اس میں ”نامزد“ کے لفظ پر اعوان صاحب کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بریلوی حضرات کے نزدیک وہ جانور جو کسی بزرگ سے نامزد کر دیا گیا ہو مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ حلال ذبیحہ ہے۔ دیوبندی حضرات کا یہ کہنا ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو وہ بوقت ذبح اللہ کا نام لینے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہی مسلک مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ہے۔ مولانا مودودی نے اس آیت (البقرہ... رکوع ۵) کی تفسیر میں لکھا ہے :

”اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر و نیاز کے پکایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا اور کوئی کھانے کی چیز دراصل اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو عطا کی ہے۔ لہذا اعتراف نعت یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان چیزوں پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا کسی

دوسرے کا نام لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اس کی بالائری تسلیم کر رہے ہیں اور اس کو بھی منعم سمجھتے ہیں۔

۴۔ ان المنفقین یخدعون اللہ وھو خادعھم، (پارہ ۵، رکوع ۱۸)۔
ترجمہ: مولانا محمود حسن: البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں، اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔

اس ترجمہ پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے:
”دغا کا لفظ کس قدر رکیک ہے۔ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس و اعظم سے منسوب کیا جائے تو اعداء دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے، اعلیٰ حضرت نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:
”بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہ انہیں غافل کر کے مارے گا۔“

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ترجمہ میں بڑی نازک احتیاط برتی ہے۔
”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے“
(مولانا مودودی)۔

”اللہ کا غافل کر دینا..... یا دھوکے میں ڈال دینا“ اس ترجمہ سے اللہ کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ”غفلت“ بھی تو بری چیز ہے۔ مولانا احمد رضا خان کا یہ ترجمہ: ”وہ انہیں غافل کر کے مار دے گا“ تو ”اللہ کا بندے کو غفلت میں مبتلا کر دینا“ پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو اعتراض فاضل مصنف نے مولانا محمود حسن کے ترجمہ پر کیا ہے۔

۵۔ ویمکرون ویمکرون اللہ و اللہ یمکرون الماکرون، (پارہ ۹، رکوع ۱۸)۔
ترجمہ مولانا محمود حسن: ”اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔“

ترجمہ مولانا احمد رضا خان: اور وہ اپنا سا کر کرتے تھے اور اللہ اپنی خیر

تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

ترجمہ: مولانا مودودی: وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل

رہا تھا اور اللہ کی چال سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

”مکر“ کا ترجمہ ”خفیہ تدبیر“ یا صرف ”تدبیر“ شگفتہ ترجمہ ہے۔ مکر

”مکر“ کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ ترجمہ میں ”مکر“ ہی رہنے دیا جائے تو اس میں

کوئی حرج نہیں ہے۔ ”مفردات القرآن“ (امام رافضی اصفہانی) کا ترجمہ اور

حواشی مولانا محمد عبداللہ فیروز پوری کے ہیں۔ اس میں لکھا ہے:

”المکر“ کے معنی کسی شخص کو حیلہ کے ساتھ اس کے مقصد

سے پھیر دینے کے ہیں۔ یہ دو قسم پر ہے۔ اُپر سے

کوئی اچھا فعل مقصود ہو تو محمود ہوتا ہے ورنہ مذموم۔

مولانا مودودی نے ”مکر“ کا ترجمہ ”چال“ کیا ہے جو مکر کا بڑا صحیح ترجمہ

ہے۔ ”چال“ بری بھی ہوتی ہے اور اچھی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اسی ”چال“

کی نسبت کی جائے گی جس میں ذم کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ آتش کستوی کا

شعر ہے:

شاہراہ ہستی موبوم میں وہ چال چل اپنی آنکھوں کو بچا دس دوست دشمن زہر پا

اس شعر میں ”چال“ سے محمود و پسندیدہ چال مراد ہے۔

۶۔ نسو اللہ فنیہم (التوبہ: ۶۷)۔

مولانا محمود حسن: بھول گئے سو وہ بھول گیا ان کو۔

مولانا احمد رضا خان: وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی: انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا، پس خدا نے ان کا

خیال نہ کیا۔

ملک اعوان صاحب مولانا محمود حسن شیخ المند کے ترجمہ پر گرفت فرماتے

ہیں کہ مولانا محمود حسن نے ”بھول جانے کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں۔

جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے۔ ہم

عرض کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان نے ”چھوڑ دیا“ کے الفاظ ترجمہ میں

لکھے ہیں۔ سوں یہ ہے کہ رب اپنے بندے کو چھوڑ کیسے سکتا ہے۔ اللہ کا باقی

سے باقی بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ذریعہ پرورش پاتا ہے۔ اگر لفظ ”نسیان“ کی نسبت اللہ کی شان کے منافی ہے کہ ”نسیان“ انسان کی کمزوری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کسی بندے کو چھوڑ دینے کی نسبت بھی کھلتی ہے۔ کیونکہ اردو میں ”دوست نے دوست کو چھوڑ دیا“ خاوند نے بیوی کو چھوڑ دیا“ اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا.....“ بولا جاتا ہے۔ یہی ”چھوڑ دیا“ مولانا احمد رضا خان نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ مولانا محمود حسن شیخ الہند اور مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن کے ترجمہ میں قرآنی الفاظ کا وہی ترجمہ کیا ہے جو ان الفاظ کے معنی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ مخصوص انداز بیان ہے۔ ”وہو خادعہم“ کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دھوکے کو انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ بخادعون اللہ وہو خادعہم، ونسوا اللہ فنسیہم، ومکروا ومکر اللہ، واللہ یستہزیئ بہم۔ سے دراصل کافروں کے افعال پر جزا (سزا) مراد ہے۔ فارسی میں قرآن کے ان لفظوں کا ترجمہ.... فراموش، فریب، استہزاء، نسیان ہی کیا جاتا ہے۔

اللہ یستہزیئ بہم..... یعنی خدا ریشخند و استہزاء با

نجماعت می نماید۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ جو اپنی ذات کے بارے میں استعمال فرمائے ہیں کہ بلاغت کا معجزہ ہیں اور ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ان کرتوتوں (فریب و استہزاء اور نسیان) کو ”جزاء“ کی صورت میں انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نقائص سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلماً انما یا کلون فی بطونہم ناراً اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والوں کے فعل کو ”آگ کھانے سے“ تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ دراصل آگ نہیں مال کھا رہے ہیں..... اس تشبیہ میں وہ سزا (نار) بیان کی گئی ہے جو ان کو ملے گی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن کے ان لفظوں کا اردو میں وہی ترجمہ کیا ہے جو ان لفظوں کا ٹھیک ترجمہ ہو سکتا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اعلیٰ کا تعلق ہے اس سے خیر کی نہیں شر کی بھی اور ہدایت ہی کی نہیں ضلالت کی نسبت بھی جائز ہے۔ خیر و شر سب اسی کی قدرت سے ظہور میں آتے ہیں۔ مگر بندوں کو ”شر“ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت جبر و قدرت سب

پر حاوی ہے اور ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینی کی حکمت ہے۔

۸۔ ولقد همت به وهم بها (یوسف: ۲۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: اور اس عورت کے دل میں تو خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا۔

ترجمہ: مولانا محمود حسن: اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا۔

محاسن کنز الایمان کے مصنف ان دونوں ترجموں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے۔ ایک تو تھانوی صاحب

کا ترجمہ نہیں بلکہ اسے ترجمانی نہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم

سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی ہی

معاذ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہو گئے تھے

حالانکہ یہ اجتماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے۔

ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے ”ہم بھا“ کے بعد آنے

والے ”لو“ کے حرف شرط کو منقطع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ

متصل ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ

انہوں نے حرف شرط متصل کر کے عصمت انبیاء کے اجتماعی

عقیدہ کی تائید بھی کر دی۔ ترجمہ لفظی بھی اور کوئی لفظ زائد

استعمال نہیں ہوا۔ نیز دشمنان اسلام کو اعتراض کا موقع بھی

نہیں ملا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ذیل ہے:

”اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت

کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔“

کوئی شک نہیں مولانا احمد رضا خان کا مندرجہ بالا ترجمہ محتاط ترجمہ ہے اور اس سے نبی کی عصمت کا بھی تحفظ ہوتا ہے۔ ”لو“ کا ”ہم بھا“ سے معنوی تعلق ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی ”لو“ کو ماقبل کے لفظوں سے متصل ہی سمجھا ہے۔

”وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ (تفسیر القرآن جلد دوم)۔ مگر بعض مفسرین و شارحین نے جو ترجمہ اور شرح و ترجمانی کی ہے وہ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے ملتی جلتی ہے۔ ان مفسرین پر یہ اعتراض نہیں کیا گیا کہ ان کی اس ترجمانی نے نبی کی عصمت کو مجروح کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ :

”اس عورت نے یوسف کی طرف قصد کیا اور یوسف نے اس کا“

علامہ ابن کثیر اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں :

”سلف کی ایک جماعت سے تو اس کے بارے میں وہ مروی ہے جو ابن جریر وغیرہ لائے ہیں اور کہا گیا ہے یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ صرف نفس کا کھٹکا تھا بغوی کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے کہ جب کوئی میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اس کی نیکی لکھ لو اور جب نیکی کو کر گزرے تو اس جیسی دس نیکیاں لکھ لو اور اگر کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے نہ کرے تو اس کیلئے نیکی لکھ لو.....“ (اردو ترجمہ)

بعض مفسرین نے زلیخا کے ”ہمت“ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ”ہم“ کے معنی میں فرق کیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ خطرات قلب حدیث انفس (جس میں عزم شریک نہ ہو) ایسا ”ہم“ گناہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک رجل صالح روزہ سے ہے اور اس کے ذہن میں ٹھنڈے پانی کا خیال آتا ہے۔ لیکن وہ پانی نہیں پیتا تو اس کے ”ہجس“ (دل کے دوسوہ اور خطرہ) پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کوئی یوں کے میں اس کو قتل کر دیتا اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا..... تو اس شخص نے ارادہ تو کر لیا مگر اللہ کے خوف سے اس ارادہ

کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔۔۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مولانا محمود حسن شیخ الہند اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کو عصمت انبیاء کے منافی ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

۹۔ قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ (پارہ ۱۳.... رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن لہ: ”لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیمی غلطی میں ہے۔“

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ”وہ پاس والے کہنے لگے بخدا آپ تو اپنے اسی غلط خیال میں مبتلا ہیں۔“

ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی: بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔“

فاضل مصنف نے لکھا ہے:

”مولانا محمود الحسن نے اس (ضلالک) کا ترجمہ غلطی کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے ”غلط خیال“ لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ”ضالات“ کو غلطی کے معنی میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے ”گمراہی“ کی بجائے ”غلطی“ کا لفظ محض اس لئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کے شان کے شایان نہیں۔ مگر ترجمہ کیلئے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے۔۔۔۔۔“

امام عبدالرحمن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد المسیر فی علم التفسیر“ میں اس لفظ ”ضلال“ کے تین معنی لکھے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے ”ضلال“ سے ”خطا“ مراد لی ہے۔ سعید بن جبیر نے جنون لکھا

لہ یہ ترجمے جو ہم نے نقل کئے ہیں ملک شیر محمد خان اعوان نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ ”محمود حسن“ کو ”محمود الحسن“ لکھا ہے۔

ہے، اور مقاتل نے الشفاء والعناء۔ اس لئے ملک اعوان صاحب کا یہ کہنا کہ ”ضلال“ کے معنی میں ”غلطی“ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اپنی جگہ غلط قسم کا دعویٰ ہے۔ شیخ الند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے ”غلطی“ اور ”غلط خیال“ جو ترجمے کئے ہیں ان کو نا درست اور غلط نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا مودودی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :

”گھر کے لوگ بولے خدا کی قسم آپ ابھی تک پرانے خطبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔“

”ضلالک القدیم“ کا ترجمہ ”پرانے خطبہ“ سیاق و سباق کے اعتبار سے صحیح تر ہے اور یہ ترجمہ حضرت سعید ابن جبیر کے ”انه الجنون کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کفار ”ساحر و مجنون“ کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر والوں نے آپ کیلئے ”ضلال“ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس کا ترجمہ ”غلطی“ یا ”خطبہ“ کرنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی عصمت و عظمت پر حرف نہیں آتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا خود بھی اندیشہ تھا کہ : لاجد ریح یوسف۔ میں جو یوسف کی خوشبو (کنعان میں بیٹھے ہوئے) محسوس کر رہا ہوں تو تم میرے گھر والے کیسے یوں نہ کہنے لگو: لو لا ان تفندون۔ ”میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں.....“۔ ”تفندون“ کے معنی اکابر مفسرین نے سمجھوں، تسفہوں، تکذیبوں، انکار العقل من ہرم بیان کئے ہیں اور یہ بھی.... لو لا ان تقولو! ذہب عقلک“ تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ (اے بڑے میاں) تمہاری عقل جاتی رہی ہے۔

۱۰۔ ووجدک ضالاً فہدی۔ شیخ الند مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :

”اور پایا تجھ کو بھٹکتا ہوا پھر راہ سبھائی۔“

اس پر فاضل مصنف نے یہ اعتراض وارد کیا ہے :

”گو یا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے۔“

حالانکہ یہ بات امت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے وہی ترجمہ کیا ہے جو شان نبوت کے شایان شان ہے اور آپ نے لکھا ہے :

”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ”اپنی محبت میں“ جو ترجمہ کیا ہے یہ اس آیت پر اضافہ ہے۔ اب رہا ”خود رفتہ“ تو ”بھٹکنے ہوئے“ کے مقابلہ میں یہ لفظ نرم ضرور ہے مگر فرہنگ آصفیہ میں ”خود رفتہ“ کے یہ معنی لکھے ہیں :

”آپے سے باہر مدہوشی و بے خبری“

اس اعتبار سے ”خود رفتہ“ میں بھی خاصی حد تک وہی معنی موجود ہیں جسے بقول مصنف مولانا احمد رضا خان منصب نبوت کے شایان شان نہیں سمجھتے۔ مولانا محمود حسن نے ”ضالاً“ کا ترجمہ ”گمراہ“ نہیں ”بھٹکتا ہوا“ کیا ہے۔ جس کی معقول تاویل یہ ہے کہ راہ حق کی تلاش میں حضور سرگرداں تھے۔ کوئی یوں کے :

”میں تمہاری تلاش میں کہاں کہاں بھٹکتا پھرا ہوں۔ تب کہیں جا کر تمہارا مکان ملا ہے۔“

تو اس جملہ میں ”بھٹکنے پھرنے“ سے گمراہ اور بے راہ روی مراد نہیں ہے بلکہ سعی جستجو مراد ہے۔ مولانا مودودی نے یوں ترجمہ کیا ہے :

”اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت کی۔“

اس آیت میں اور ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان اور ”وان کنت من قبلہ لمن العافلین“..... میں جو کچھ کہا گیا ہے اس لحاظ سے ”ناواقف راہ“ ترجمہ موزوں تر ہے۔ مودودی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے۔

”اصل میں لفظ ضالاً استعمال ہوا ہے عربی زبان میں۔ یہ لفظ

کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنی گمراہی

کے ہیں۔ دوسری معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو

اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کہ مختلف راستے جو سامنے ہیں ان

میں سے کدھر جاؤں۔“

صحیح راستہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس اضطراب و حیرانی کو

”ضالاً“ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ محبت و شفقت کے انداز میں فرماتا ہے کہ ”فہدی“

یعنی یہ راہ تم نے اپنی فکر و عقل سے نہیں پائی اور نہ کسی دوسرے شخص نے آپ کی رہنمائی کی بلکہ یہ راہ اے نبی ہم نے تم کو بھائی ہے۔

۱۱۔ ”حتی اذا استانیس الرسل وظنوا انهم قد کذبوا (پارہ ۱۳... رکوع ۶) ترجمہ مولانا اشرف علی: یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی۔ ترجمہ مولانا محمود حسن: یہاں تک کہ جب نا امید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔

ان ترجموں پر ملک اعوان صاحب کی گرفت۔
”ذیر تراجم پر نظر ڈالئے۔ پہلی چیز جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ ”از استانیس الرسل“ کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوند سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....“

مولانا تھانوی نے ترجمہ کے قوس میں ”اس بات سے“ جو لکھا ہے تو اس سے یہ مفہوم کہاں نکلا ہے وہ تائید ربانی سے واقعی مایوس ہو گئے تھے۔
”مولانا محمود الحسن نے ”مایوس ہو گئے“ کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کیلئے ”نا امید ہونے لگے“ لکھا ہے۔ گویا ناامیدی کا صدور تو نہ ہوا لیکن ناامید ہونے والے ضرور تھے۔ اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان ہے۔“

مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے یہ کہاں ظاہر و مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نصرت الہی سے ناامید ہونے لگے تھے۔

”یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔“ (ترجمہ مولانا احمد رضا خان)

اس ترجمہ کی فاضل مصنف نے بہت تعریف کی ہے..... لگے ہاتھوں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجئے:

جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا ان سے جھوٹ بولا
گیا تھا۔“

مولانا رضا احمد خان صاحب کا ترجمہ خاصا اچھا ہے مگر ”ظاہری اسباب کی
امید نہ رہی“ کے مقابلہ میں ”لوگوں سے مایوس ہو گئے“ قرآنی مفہوم و معنی سے
قریب تر ترجمہ ہے۔

۱۲۔ قال هتو لاء بنتی ان کنتم فعلین۔ (الحجر: ۱۰)

”بولا یہ حاضر ہے میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔“ (ترجمہ مولانا محمود
حسن)۔

لوط نے فرمایا کہ یہ میری بہو بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کننا) کرو۔
(ترجمہ مولانا اشرف علی)۔

”کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔“ (ترجمہ
مولانا احمد رضا خان)۔

فاضل مصنف نے مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے
ترجموں پر احتساب کیا ہے۔

”پہلے دونوں تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ
السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کیلئے اپنی بیٹیاں پیش کر دی
تھیں۔ حالانکہ یہ بات ایک اولو العزم پیغمبر تو کجا کسی بھی
شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی.....“

مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کے قوسین میں جو (میرا کننا) لکھا ہے
اس کے بعد ان کے ترجمہ پر وہ اعتراض درست نہیں قرار پاتا جو مصنف نے کیا
ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے ”میرا کننا کرو“ کا یہی مطلب ہے کہ غیر فطری
عمل کو چھوڑ کر طبعی شہوت کی تسکین کیلئے جائز طریقہ اختیار کرو اور جائز طریقہ
نکاح ہی ہو سکتا ہے۔ نبی کا ”کہنا“ کسی غیر شرعی فعل کیلئے نہیں ہو سکتا۔ ہاں!
مولانا تھانوی نے قوسین میں ”بہو“ جو تحریر کیا ہے یہ وجدان میں خاصی کھٹک پیدا
کرتا ہے۔ اس پر فاضل مصنف کی نگاہ نہیں گئی۔

شیخ النہد مولانا محمود حسن نے لفظی ترجمہ کیا ہے..... عبد اللہ یوسف علی
نے ترجمہ میں (to marry) قوسین میں لکھ دیا ہے۔

He said: They are my daughters (to marry)

If you must act (so).

”اس نے کہا اگر ایسا کرنا ہی ہے تو میری لڑکیاں شادی کیلئے حاضر ہیں۔“

یہ ترجمہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ سے موزوں تر اور صحیح تر ترجمہ ہے۔ اس کے بعد ”قوم کی عورتیں میری بیٹیاں“ لانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر مولانا احمد رضا خان نے جو ترجمہ کیا ہے:

”کہا یہ قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔“

مگر وہ لوگ جس فعل بد کے عادی تھے اس کے لحاظ سے ”اگر تمہیں کرنا ہے“ کے ترجمہ میں بھی کھٹک باقی رہتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بیٹیوں کیلئے کہا ہو یا اپنی بیٹیوں کیلئے دونوں معنی اس آیت سے نکل سکتے ہیں اور ”ان کنتم فاعلین سے تسکین شہوت کا جائز ذریعہ مراد ہے۔ سورۃ ہود میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے اور ”ہن اطہر لکم فرمایا گیا ہے۔ مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمے لفظی ترجمے ہیں۔ اس لئے غلط نہیں ہیں۔

۱۲۔ وعصى آدم ربه فغوى (طہ: ۱۲۱) آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی۔ پس گمراہ ہوئے (ترجمہ مولانا عاشق الہی میرٹھی)..... فاضل مصنف نے اس ترجمہ پر احتساب کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ”نافرمانی“ اور ”گمراہی“ یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمت انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھئے:

”اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔“

انبیاء کرام کی عصمت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر انبیاء کرام کی عصمت و عصمت کا محافظ اور صحیح قدر شناس اللہ تعالیٰ ہے، بندے نہیں ہیں۔ ”عصى“ اللہ نے فرمایا ہے جس کے معنی ”نافرمانی“ لغت اور سیاق و سباق کی رو سے درست ہیں۔ شیطان نے میاں بیوی (حضرت آدم و حضرت حوا) کے دل میں وسوسہ پیدا کیا اور اس کا داؤ چل گیا؟ مولانا احمد رضا خان نے ”عصى“ کا جو ترجمہ ”لغزش“ کیا ہے اسے غلط تو نہیں کہہ سکتے مگر ”لغزش“ عربی کے لفظ

”زلت“ کا ترجمہ ہے۔ ان کے ترجمہ کا دوسرا جزو ہے (تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی) اس میں اگرچہ خاصا تکلف پایا جاتا ہے مگر ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے لیکن ”فغوی“ کا ترجمہ ”بھٹک گئے“ یا ”اللہ کی راہ اطاعت سے بے راہ ہو گئے“ بھی صحیح ترجمہ (یا ترجمائی) ہے۔

۱۴۔ ”فطن ان لن نقدر علیہ (الانبیاء: ۸۷)۔“

ترجمہ مولانا محمود حسن: ”پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔“

اس ترجمہ کو درج کرنے کے بعد اعوان صاحب لکھتے ہیں:

”اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے ”نہ پکڑ سکیں گے اس کو“

کو، کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں ان سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے

کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر

قابو نہ پاسکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر تو کبھی کسی عام

مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے

مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

”تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں

گے۔“

مولانا احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ صحیح ہے مگر یہ نہیں ہے کہ یہ ترجمہ

سب سے پہلے انہی کے ذہن میں آیا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے بھی یہی معنی

بیان کئے ہیں۔ اس ترجمہ کی مثال و ثبوت میں مصنف نے یہ آیت پیش کی ہے:

”يسقط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر۔“

”اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہے اور تنگ فرماتا

ہے۔“

فاضل بریلوی کا یہ ترجمہ بھی درست ہے۔ مگر اس آیت کے آخری جزو

کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے..... وبقدر (اور اللہ جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا

ہے)۔

مولانا محمود حسن کے ترجمہ (...ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو) کی علامہ شبیر

احمد عثمانی نے یوں شرح کی ہے:

”یعنی یہ خیال کر لیا ہم اس حرکت پر کوئی وار و گیر نہ کریں گے یا ایسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یہ سمجھ کر جائے کہ ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت ہی سے نکل گیا کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کر سکتا بلکہ غرض یہ ہے کہ صورتحال ایسی تھی جس سے یوں منتزع ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کئی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے۔“

علامہ شبیر احمد عثمانی کی شرح و تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ علمائے دیوبند انبیاء کرام کی عصمت و عظمت کو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح ماننا چاہئے۔ علمائے دیوبند یا اہل حدیث حضرات پر انبیاء کی عصمت و عظمت کو (معاذ اللہ) مجروح کرنے کا الزام غلط ہے۔

۱۵۔ ”قال فعلتها اذا وانا من الضالین (پارہ ۱۹، رکوع ۶)“
ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی۔
مصنف کی اس ترجمہ پر تنقید:

”ضالان کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی آیت زیر میں ”ضالین“ کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے ”بڑی غلطی“ کا مفہوم دے دیا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر حرف آگیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھئے:

”موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔“

مگر مولانا احمد رضا حان صاحب کے مندرجہ بالا ترجمہ سے زیادہ فصیح و

موزوں ترجمہ مولانا مودودی نے کیا ہے :

”موسیٰ نے جواب دیا اس وقت وہ کام میں نے ناولنگس میں کر دیا تھا۔“
علامہ ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں ”ان من نفسیں“ کے معنی من
الْحَاطِثِينَ بھی لکھے ہیں۔ یعنی انہی قتل النفس خطاء۔ موسیٰ علیہ السلام نے
فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی
نے بھی ترجمہ میں ”بڑی غلطی ہوگئی“ لکھا ہے۔

۶۔ واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (پارہ ۲۳.... رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود حسن : اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار
مردوں اور عورتوں کیلئے۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور
سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے بھی۔

جناب ملک شیر محمد خان اعوان نے ان دونوں ترجموں پر شدید اعتراض کیا
ہے۔ فرماتے ہیں :

”.... ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کئے کہ حضور سرور

کائنات ﷺ کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا..... کیا یہ تراجم

دشنام اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھا دینے کا

موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمت انبیاء کا

مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا....“

اس کے بعد انہوں نے اپنے اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا خان بریلوی)

کے مندرجہ ذیل ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔

”اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے
گناہوں کی معافی مانگو۔“

”لذنبك“ کا ترجمہ ”اپنے خاصوں“ کیا گیا ہے۔ جو عام مشہور و متداول

ترجموں اور شرحوں سے مختلف ہے۔ پھر اس ترجمہ میں خاص مسلمانوں اور عام

مسلمانوں کی تفریق بھی عجیب سی لگتی ہے۔

شیخ الہند اور مولانا تھانوی نے اس آیت کا جو لفظی ترجمہ کیا ہے وہی

ترجمانی دوسرے اکابر مفسرین نے کی ہے۔ استغفر لذنبك کی تفسیر مولانا

مودودی نے یوں کی ہے۔

”اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت و بندگی بجالانے میں اور اس کے دین کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو اس کو کبھی اس زعم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ میں نے کر دیا ہے بلکہ اسے ہمیشہ یہی سمجھتے رہنا چاہئے کہ میرے مالک کا جو مجھ پر حق تھا وہ میں ادا نہیں کر سکا ہوں اور ہر وقت اپنے قصور کا اعتراف کر کے اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہئے کہ تیری خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ یہی اصل روح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ”اے نبی اپنے قصور کی معافی مانگو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام بندگان خدا سے بڑھ کر جو بندہ اپنے رب کی بندگی بجالانے والا تھا اس کا منصب بھی یہ نہ تھا کہ اپنے کارنامے پر فخر کا شائبہ تک اس کے دل میں راہ پائے بلکہ اس کا مقام بھی یہ تھا اپنی ساری عظیم القدر خدمات کے باوجود اپنے رب کے حضور اعتراف قصور ہی کرتا رہے۔ اسی کیفیت کا اثر تھا۔ جس کے تحت رسول اللہ ﷺ ہمیشہ بکثرت استغفار فرماتے رہتے تھے۔ ابو داؤد، نسائی اور مسند احمد کی روایت میں حضور کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے کہ ”میں ہر روز سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔“

تفسیر ابن کثیر میں حضور کی دو دعائیں درج کی گئی ہیں۔ ایک دعا کا ترجمہ یہ ہے :

”اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے تو ہی میرا اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

واستغفر لذنبك (پارہ ۲۶ رکوع ۶) اور ”انا فتحنا لك ما
 تقدم من ذنبك وما تاخر (پارہ ۲۶ رکوع ۶) کے ترجمہ میں رسول اللہ ﷺ
 کی ذات گرامی سے ”استغفار“ اور ”ذنب“ یعنی خطا کی نسبت۔ اکثر و بیشتر مفسرین
 اور مترجمین نے اختیار کی ہے۔ بعض اکابر مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ
 ارشاد ”لبيغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر“ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی جلالت و عظمت واضح ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی انسان یہاں تک کہ کسی نبی
 کیلئے بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تمہاری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں.....
 ابرار کے تسامحات ہماری نیکیوں سے بڑھ کر پاکیزہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں
 یہ الفاظ جو آئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے مقام تقدیس و تقویٰ کی نسبت سے
 آئے ہیں۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو۔ ۱۔ مشکل ہے

ان تمام تصریحات کے بعد عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خطاکار اور گناہ
 گار سمجھنے والا کافر ہے۔ حضور ﷺ کی تو یہ شان ہے کہ حشر کے دن گناہ گار
 حضور ﷺ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اس کے باوجود حضور اللہ تعالیٰ کی
 رحمت و مغفرت سے بے نیاز نہ تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی
 رحمت ہی سے میری مغفرت ہوگی۔ اور حضور کا استغفار حضور ﷺ کے مرتبہ
 کے لحاظ سے ہے۔ جہاں ”ترک اولیٰ“ سے بھی خطاؤں کی طرح استغفار کیا جاتا
 ہے۔

فاضل مصنف کے ذہن میں انبیاء کرام کی عصمت کا تصور اور عقیدہ واضح
 نہیں ہے۔ ”عصمت تزکیہ“ جہاں سمو و خطا کا امکان ہی نہ ہو یہ صفت صرف
 اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ انبیاء کرام اس لحاظ سے معصوم ہیں کہ ان نفوس
 قدسیہ (علیم السلام) سے ہوائے نفس کے تحت کسی غلطی کا صدور نہیں ہوا۔
 ہاں! دین ہی کی خیر خواہی کیلئے کبھی کبھار ”ترک اولیٰ“ یا تسامح ہو گیا۔ اور اس
 قسم کے تسامحات کا ذکر کتنے ہی انبیاء کے حالات بیان کرتے ہوئے قرآن کریم
 میں کیا گیا ہے۔ ”سمو و تسامح“ قاذر نبوت نہیں ہے جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے
 ہیں کہ کسی نبی و رسول سے کوئی تسامح سرزد ہی نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ بمیوں

اور رسولوں کو ”سیوح و قدوس“ سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم دو ٹوک انداز میں بعض انبیاء کرام کے تسامحات کا ذکر کرتا ہے اور ان تسامحات پر انبیاء کرام کی توبہ و انابت اور استغفار کا بھی ذکر آیا ہے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر سے واپس تشریف لائے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مشغول پایا۔ حضرت موسیٰ کا یہ گمان اور اندازہ صحیح نہ تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے گوسالہ پرستی سے قوم کو روکنے میں ذہیل برتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے غضبناک ہو کر حضرت ہارون کے سر کے بال کھینچے۔ حضرت ہارون بولے کہ آپ اس طرح دشمنوں کو ہنسنے کا موقع دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ نے توبہ کی اور اپنے اس تسامح کی جس کا سبب غیرت توحید تھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی..... حضرت یونس علیہ السلام کیلئے تو قرآن کریم میں ”ملیم“ جیسا شدید لفظ آیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کوتاہی بھی شدید تھی۔

قرآن نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے عمائد اور ضائد کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دین کی تعلیم کیلئے درخواست کی۔ حضور ﷺ نے ابن ام مکتوم کی اس درخواست کو دعوت دین میں دخل اندازی خیال فرمایا اور چہرہ اقدس سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں :

ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس
بات پر کہ وہ ناپتا اس کے پاس
آگیا۔ تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر
جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور
نصیحت کرنا اس کیلئے نافع ہو؟ جو
شخص بے پروائی برتا ہے اس کی
طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر
وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ
داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس

عس وتولی ان جاءہ الاعمی وما
یدریک لعلہ یزکی او یدکر فتنفعہ
الذکری اما من استغنی فانت له
تصدی وما علیک الا یزکی واما
من جاء ک یسعی وھو یحشی
فانت عنہ تلھی

دوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے
اس سے بے رخی برتتے ہو۔

ابن ام مکتوم ؓ اس واقعہ کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور محبت کے لہجے میں فرماتے: مرحبا بمن عاتبني فيه ربي (اس شخص کیلئے خوشخبری جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ”عتاب“ ایسے ہی فعل پر ہے جو قابلِ احساب سمجھا گیا اور اس پر احساب فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حضور کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمانا: وما يدريك لعله يزكى -

”(اے نبی) تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے“..... رسول اللہ ؐ کے ”عالم غیب“ ہونے کی صریح طور پر نفی کرتا ہے۔

عفا الله عنك لم اذنت لهم..... (اے نبی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی.....) (التوبہ: ۴۳) معافی کس چیز کی ہوتی ہے؟..... فافهم فندبر ”منافقین کو رخصت دینا“ کوئی گناہ نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اس نرمی پر تنبیہ کی گئی۔ مگر برہمی نہیں شفقت آمیز انداز میں۔

قرآن کریم میں انبیاء کرام کی لغزشوں کے ذکر و بیان سے ان نفوس قدسیہ کی عصمت و عظمت پر حرف نہیں آتا۔ اس ذکر سے یہ جتنا بھی مقصود ہے کہ بندہ چاہے نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو الوہی تقدیس کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ انبیاء کرام سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں وہ قرآن کی مخالفت کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کے ان تسامحات کے بیان سے یہ بھی مقصود ہے کہ بشری نقائص نبیوں اور رسولوں کے ساتھ بھی لگے ہوئے تھے۔ مگر عام انسانوں اور انبیاء و رسل کے شنون و احوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم سے دن رات گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ ہم فسق و فجور کی پستی تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور ہوائے نفس سے دل و دماغ مغلوب رہتے ہیں۔ انبیاء کرام سے ہوائے نفس کے تحت کوئی تسامح نہیں ہوا۔ اس لئے وہ معصوم ہیں۔ ہم سراپا گناہ، انبیاء کرام سراپا تقویٰ، ہم ہفتوں، مہینوں بلکہ برسوں تک گناہوں اور غلطیوں پر جمے رہتے ہیں، انبیاء کرام کی لغزش و تسامح پر اللہ تعالیٰ نے بروقت گرفت فرمائی اور فوراً

معاملہ درست ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کو کسی تسامح پر جمنے نہیں دیا اور ان تسامحات کی نوعیت بھی شاذ و نادر کی ہے..... ”النادر کالمعدوم“ انبیاء کرام کے بارے میں یہ قرآنی عقیدہ رکھتے ہوئے کہ کبھی کبھار ان سے تسامح ہوا ہے۔ انبیاء کرام سے سوء ظن کفر ہے۔ بریلوی حضرات انبیاء کرام سے سوء و تسامح کے صدور کو محال ناممکن اور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی سمجھتے ہیں تو ان کی یہ مغرط حقیقت قرآن کے مطابق نہیں ہے۔

۱۔ ”والنحم اذا هوٰ“

ترجمہ مولانا محمود حسن: ”قسم ہے تارے کی جب گرے۔“

اس ترجمہ پر فاضل مصنف نے تنقید کی ہے۔

”مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کثرت و حقیقت تک پہنچنا عام قاری کیلئے ناممکن حد تک مشکل ہے۔“

نیز اس ترجمہ سے کلام خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰ کی رفعت و عظمت بھی واضح نہیں ہوتی۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند لعل ذوق داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ اتمام درجہ کی حقیقت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ ”انجم“ کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح ہو گئی ہے۔ چونکہ سورۃ ”وانجم“ میں حضور ﷺ کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے اس لئے (متذکرہ ترجمہ کے مطابق) ذکر معراج ہی سے ابتدا کی گئی ہے.....“

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ترجمہ:

”اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔“

فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ یہی تفسیر:

”لہام جعفر سے منقول ہے۔ (کما فی المظہری و المعالم وغیرہما)

مگر اکابر مفسرین کی اکثریت غالب نے ”انجم“ کو ”ستارہ“ (Star) ہی سمجھا

ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور سفیان ثوری نے ”انجم“ سے ثریا مراد لیا ہے

اور سدی نے ”زہرہ“ ابن جریر اور زمخشری نے ”ثریا“ کی تائید کی ہے اور ابو عبیدہ نحوی نے ”انجم“ کو ”جنس نجوم“ سمجھا ہے۔ امام راتب اصغریٰ کی ”مفردات القرآن“ میں ”وانجم“ ”اذا حوئی“ کے یہی معنی لکھے ہیں :

”تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔“ (گویا آٹھ جلیل القدر آئمہ تفسیر نے نجم سے تارا ہی مراد لیا ہے۔)

”مفردات“ میں ”انجم“ کی شرح و معنی میں ذات رسالت ماب صاحب معراج کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول روایت و درایت کے اعتبار سے اکثر اکابر مفسرین کے نزدیک مستند ہوتا تو وہ اس کو ضرور قبول کر لیتے۔ شیخ النذ مولانا محمود حسن نے ”انجم“ کا ترجمہ ”تارے“ صحیح کیا ہے۔ اس میں ذرہ برابر قباحت نہیں ہے۔ ”نجوم“ تو صحابہ کرام تھے۔ حضور آفتاب تھے۔

جہاں تک غلطی، لغزش اور تسامح کا تعلق ہے اس سے کوئی انسان محفوظ نہیں ہے۔ ہر بڑے سے بڑے ادیب، عالم، شاعر اور اہل قلم سے تصنیف و تالیف اور ترجمہ میں غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے غلطیوں کی نوعیت کیت و کیفیت کے اعتبار سے کیا ہے؟

یہ تاثر جو کتابوں کے ذریعہ عوام و خواص کو ان دنوں دیا جا رہا ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے علماء تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و عظمت کے محافظ ہیں اور دیوبندی اور اہل حدیث علماء (معاذ اللہ) حضور کے رتبہ کو گھٹاتے ہیں..... کسی طرح درست نہیں ہے۔ جو حضرات حق پسند ہیں اور تحقیق کا بھی ذوق رکھتے ہیں ان کو چاہئے دیوبندی علماء کی کتابیں پڑھیں اور کتابوں کے مطالعہ سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔

مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے :

(۱) وانك لعلى خلق عظيم (الحکم..... کنزالایمان : ص ۸۱۹)

اور بے شک تمہاری خوبی بڑی شان کی ہے۔

”خلق“ میں جو جامعیت ہے وہ ”خوب“ میں نہیں ہے۔ پھر ”خوب“ کو ”بڑی شان کی“ کہنا بھی محل نظر ہے۔ اس شخص کا اخلاق اچھا نہیں ہے..... یہ روز مرہ ہے۔ یوں نہیں بولا جاتا ”اس شخص کی خوبی بھی نہیں ہے“۔ اس میں

خاصہ تکلف پایا جاتا ہے۔

(۲) فاذا مس الانسان ضرر دعانا (الزمر)

”پھر آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں بلاتا ہے۔ (کنز الایمان ص ۶۷۱)
 ”ہمیں پکارتا ہے“ صحیح ترجمہ ہے۔ اس طرح تو بولتے ہیں.... لوگو! اللہ سے دعا کرو! اپنے رب کو پکارو! اس سے فریاد! التجا اور استغاثہ کرو..... اس طرح کوئی نہیں بولتا.... لوگو! اللہ کو بلاؤ۔

(۳) او ارادنی برحمة هل هن ممسكت رحمته -

”... یا وہ مجھ پر مہر فرماتا چاہے تو کیا وہ اس کے مہر کو روک دیں گے۔“
 (کنز الایمان ص ۶۶۹ الزمر)۔

اردو میں فضل و کرم، رحمت اور مہربانی کی بجائے ”مہر“ بولنے اور لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ ”آپ کی مہربانی کا شکریہ“ بولا جاتا ہے۔ ”آپ کے مہر کا شکریہ“ نہیں بولا جاتا۔

(۴) لیتخذ بعضهم بعضاً سحرى (الزخرف)

کہ ان میں ایک دوسری کی ہنسی بنائے۔ (کنز الایمان ص ۷۱۱)
 ”ہنسی بنانا“ نہ روز مرہ ہے اور نہ محاورہ ایسے موقعوں پر ”ہنسی اڑانا“ بولتے ہیں۔

(۵) هدى للمتقين اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو۔

”متقین“ کا ترجمہ ”ڈر والوں“ عجیب سا لگتا ہے۔ جو خاصہ کمزور ترجمہ ہے۔ دوسرے مقامات پر مولانا اندر رضا خان نے ”متقین“ کا ترجمہ پرہیز گاروں کیا ہے اور یہی صحیح ترجمہ ہے۔

(۶) الحمد لله رب العالمين -

سب خدایاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان کا۔

مفردات راجب اصفہانی اور دوسری لغات اور تفاسیر میں ”حمد“ کے معنی ”ثناء“ یعنی تعریف کے بیان کئے گئے ہیں۔ عبد اللہ یوسف علی نے بھی ”حمد“ کا ترجمہ ”Praise“ ہی کیا ہے۔ پھر ”رب“ کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ”رب“ ہی رہنے دیتے اور ترجمہ کرنا تھا تو ”پالن ہار.... یا پالنے والا“ کرنا چاہئے تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ”ربوبیت“ کا اظہار فرمایا ہے۔

میں ”مالک“ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔..... پھر ”کو“ کے بعد ”سزاوار“ ہیں، اسی قسم کے کسی ”کلوے“ کی تشکی محسوس ہوتی ہے۔
(۷) فہی کالحجارة او اشد قسوه -

تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے، (البقرہ: ص ۱۸)
راقم الحروف نے بچپن میں ”سخت“ کے معنی میں ”کر“ اپنے گاؤں اور اس کے نواح میں سنا تھا۔ مگر یہ بولی ٹھوپی ہے۔ کتاب و تحریر میں ”کر“ استعمال نہیں ہوتا۔ یہاں قسوه کا ترجمہ ”سخت“ مناسب اور عام فہم تھا۔
(۸) وعلى ابصارهم غشاوه -

اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔
”گھٹا ٹوپ“ تو پاکی اور پنیں وغیرہ کے اس غلاف کو کہتے ہیں جو گرد و غبار یا بارش سے بچنے کیلئے ڈالتے ہیں۔

گھٹا ٹوپ اس پری کی پاکی کا جب ہوا اوچھا
تو پاٹ ایک اس میں لے کر چادر ستاب کا جوڑا
(انشاء)

دوسرے معنی نہایت سیاہ کے ہیں۔

باغ پر آج گھٹا ٹوپ اٹھا ہے بادل
خسرو باد بہاری کا کھنچا دل بادل
(نور اللغات)

سیدھا سادہ ترجمہ ”ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے“ یا ”پٹی بندھی ہوئی ہے“ کرنا تھا۔

(۹) فساء مطر المنذرین ○

”تو کیا ہی برابر ساؤ تھا ڈرائے گیوں کا (کنز الایمان ص ۵۴۱، اشراء)۔
”ڈرائے گیوں کا“ یہ آخر کس خطہ کی زبان ہے؟

(۱۰) رب بخني واهلي مما يعملون ○

اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کام سے بچا
(اشراء ص ۵۴۱، کنز الایمان)

”کام“ کی جگہ ”کرتوتوں“ ترجمہ ہوتا تو قرآنی مفہوم کی قریب تر ترجمانی

ہوتی۔

(۱۱) کان فی اذنیہ وقرا۔

جیسے اس کے کانوں میں ٹیٹ ہے۔ (کنز الایمان، لقمن ص ۵۹۶)۔

”ٹیٹ“ تو کریل کے اور کپاس کے پھل کو کہتے ہیں یا آنکھ کا وہ ابھرا ہوا دانہ جو کریل کے پھل جیسا ہوتا ہے۔ کان میں جو میل جم جاتا ہے گاؤں والے اسے ”ٹیٹ“ نہیں ”ٹیٹ“ کہتے ہیں۔ ”دقر“ کا ترجمہ ”گرائی“ صحیح ترجمہ ہے اور اس آیت کا بالمحاورہ ترجمہ ہے: ”جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔“

(۱۲) وان تعاسرتم فسترضع لہ احرى۔

پھر اگر باہم مضائقہ کرو تو قریب سے اسے اور دودھ پلانے والی مل جائے گی۔ (کنز الایمان ص ۸۱۱ الطلاق)۔

”تعاسرتم“ یعنی ضد کرنے یا تنگ کرنے کیلئے ”مضائقہ کرو“ استعمال کیا گیا ہے۔ اردو میں ”مضائقہ کرنا“ نہیں بولا جاتا۔ اگرچہ یہ لفظ ”ضیق“ سے مشتق ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) کا ہم نے تقریباً دو گھنٹہ مطالعہ کیا۔ اس میں ترجمہ کے اتنے مقامات پر وجدان نے کھٹک محسوس کی اگر پورے ترجمہ قرآن کو پڑھنے کا موقع ملے تو.....!

مولانا احمد رضا خان صاحب چونکہ رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ”کنز الایمان“ میں ”النبی“ کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے (یا بتانے) والے کیا ہے۔ ”نبی“ کے معنی غیب کی خبریں بتانے والے کے بھی ہیں مگر اردو میں اس کا ترجمہ پیغمبر کیا جاتا ہے یا پھر ”نبی“ ہی ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیب کی خبریں بھی بتائی تھیں اور صحیح پیش گوئیاں بھی فرمائی تھیں۔ نبیوں اور امتیوں کے گزرے ہوئے واقعات کی بھی خبر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بیان کئے تھے۔ لہذا ”نبی“ کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والے کرنے سے ذات رسالت ماب کیلئے ”علم غیب“ کے عقیدے کو قوت ملتی ہے۔ جس کی قرآن کریم تائید نہیں کرتا۔

ایصال ثواب جائز ہے اور زیارت قبور بھی مگر عرس ’تجا‘ دسواں ’میسواں‘ چالیسواں ’ذکر ولادت کے وقت قیام‘ اس قسم کی رسموں کیلئے کتاب و سنت اور

آثار صحابہ میں کوئی نظیر اور سند نہیں ملتی۔ حدیث صحیح میں قبروں پر چراغ جلانے والوں کیلئے لعنت آئی ہے۔ قبروں پر چراغیں، گل پوشی، صندل، مالی اور ان پر چادریں چڑھانے کی رسم دور نبوت اور عہد صحابہ بلکہ صدیوں بعد تک ان رسوم و معاملات کا کہیں آتا پتا نہیں ملتا۔ یہ کھلی ہوئی بدعات ہیں۔

”غیب“ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو ”جز“ کا نہیں ”کل“ کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بے شک غیب کی خبریں بتائی گئی تھیں۔ جب غیب بتا دیا گیا تو وہ ”غیب“ نہیں رہا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود کو ”عالم الغیب والشہادہ“ فرمایا ہے۔ اگر علم غیب کی اطلاع کا نام ”غیب“ ہے تو پھر ساری امت ”عطائی عالم الغیب“ قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غیب کی خبریں بتائیں اور حضور ﷺ نے ان کی اطلاع امت کو کر دی۔

مشکوٰۃ کے باب ”اعلان النکاح“ میں ہے..... کہ ایک شادی میں ایک لڑکی نے جب یہ کہا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد۔

ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

اس پر حضور نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا:

دعی هذا وقولي بالذی كنت تقولین۔

یہ بات چھوڑ دے اور وہی کہہ جو کہتی تھی۔

اخرج البخاری عن ام العلاء الانصاریہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم..... قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا، پھر قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہوگا میرے ساتھ اور کیا معاملہ ہوگا تمہارے ساتھ۔

قرآن کریم کیا کہتا ہے:

ومن حولکم من الاعراب منفقون ومن اهل المدینة (قف) مردوا علی النفاق (قف) لا تعلمهم نحن نعلمهم۔

”تمہارے آس پاس بادیہ نشینوں میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی) انہیں تو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمۃ للعالمین ہیں، 'سراج مزیدیں' خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں۔ حضور ﷺ کی اطاعت منصوص ہے۔ انسانیت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ آخری اور قطعی معیار ہے۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا

کے کہ خاک درش نیت خاک بر سر او
حضور کی محبت اور اطاعت عین ایمان اور روح ایمان، مگر کائنات کا رب،
ملک، رازق، رزق و اولاد دینے والا، ہر کسی کی آواز دور و نزدیک سے سننے والا،
سب کے دلوں کا حال جاننے والا..... اللہ تعالیٰ ہے رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں۔
کتاب و سنت میں ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا فریاد رس، 'محبیب اللہ عوالت اور حلال مشکلات ہونا ثابت کیا جاسکے۔

”ولسوف يعطيك ربك فترضى۔“

(اور) (اے نبی) غنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔)

”یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی لیکن وہ وقت دور
نہیں کہ جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش
ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضور کی زندگی میں
اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سوا حل
سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شاہی اور سلطنت
فارس کی عربی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے
لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ کے زیرِ تلمین ہو گیا.....
پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت
میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی
ہو..... یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا اور
آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی
نہیں کر سکتا۔“

قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے :

يُخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنْ

الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ)

”یہ تمہارے سامنے (اے نبی) قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ حالانکہ تم اگر ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔“

یہ جو لال بدعت نے ”ذاتی“ اور ”عطائی“ کی تفریق پیدا کی ہے اس تفریق کی جڑ قرآن کریم کی اس آیت نے کاٹ دی۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب -

تو کہہ میں نہیں کتا کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں غیب جانتا ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے بھی نہیں ہیں! مگر مولانا احمد رضا خان فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کون گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

جیسے دنیا میں ایک دوست دوسرے دوست سے کتا ہے کہ دوستی میں میرا تیرا نہیں ہوتا۔ جو تمہارا مال وہ میرا مال، ہم ایک دوسرے کے مال و اسباب اور دولت میں برابر کے شریک ہیں۔ یہی حیثیت اس شعر میں جناب فاضل بریلوی نے اللہ اور رسول کے مابین متعین کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ہمسرا اور برابر کا ٹھہرایا ہے..... معاذ اللہ!

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب

نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زماں نہیں

(حدائق بخشش)

اسلام کا یہ مسلہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو وجود اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ (اللہ خالق کل شئی) مگر مولانا احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ ”علل رب“ یعنی رسول اللہ ﷺ ہی سے ”سب کچھ ہے“ اور زمین و زماں اور افلاک سب رسول اللہ ﷺ کی ملک ہیں۔ حالانکہ ارض و سموات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک و سیم نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں مولانا فاضل بریلوی

کہتے ہیں:

احمد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن کن حاصل ہے یا غوث
 حالانکہ ”کن فیکون“ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے :
 مولانا احمد رضا خان کے صاحبزادے (یا پوتے) مولانا مصطفیٰ رضا اپنی
 تصنیف (شرح استدار) میں تحریر فرماتے ہیں :
 ”اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب النکویں کا ہے جو چیز جس وقت چاہتے
 ہیں وہ موجود ہو جاتی ہے۔ جسے ”کن“ کیا وہی ہو گیا۔“

ذی تصرف بھی ہے مازون بھی مختار بھی ہے کار عالم کا مدیر بھی ہے عبدالقادر
 کار عالم کا مدیر اور کائنات کے کارخانہ کو چلانے والا کسی کی شرکت کے بغیر
 صرف اللہ تعالیٰ ہے :

ولا علی الذین اذا ما اتواك لتحملهم قلت لا اجد ما احمکم علیہ
 تولوا و اعینہم تقبض من الدمع حزنا، الا یجدوا ما ینفقون (التوبہ)
 اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے
 جنہوں نے خود اگر (اے نبی) تم سے درخواست کی تھی کہ
 ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ
 میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً
 واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری
 تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ اپنے خرچ پر شریک
 جماد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

مولانا احمد رضا خان کا یہ عقیدہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اللہ نے
 سب کچھ اختیار دے دیا ہے جو کوئی شیخ سے استغاثے کرتا ہے اس کی فریاد سنتے
 ہیں۔ (یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شینا اللہ)۔

مگر صحابہ کرام جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہر اعتبار و لحاظ سے
 افضل تھے ان کی مجبوری اور ناداری کا یہ عالم ہے کہ غزوہ میں شریک ہونے کیلئے
 ان کے پاس سواریاں تک نہیں ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان
 کیلئے سواریوں کا انتظام نہیں فرما سکے۔ اپنی اس ناداری پر صحابہ کرام کی آنکھوں
 سے آنسو جاری ہو گئے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اسی مکتبہ فکر و خیال کے عقائد و اعمال کی تصویر کشی کی ہے :

کرے غیر گربت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
 بچھے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کو اکب میں مانے کرشمہ تو کافر
 مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
 پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
 مزاروں پہ دن رات نذرین چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
 نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
 نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
 رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آ کے ہندوستان میں
 ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
 وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلمان

دین و دانش کی کتنی دردناک ٹریجڈی ہے کہ جو خدا کے نیک بندے توحید
 و سنت کی دعوت دیتے ہیں ان کو تو بے ایمان اور گمراہ ٹھہرایا جاتا ہے اور جو علماء
 بدعات کے مبلغ ہیں اور اللہ کے بندوں سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں اور
 جن کے عقائد سے توحید مجروح ہوتی ہے ان کے فضل و کمال پر کتابیں جھپ
 رہی ہیں کہ دین کے یہ حقیقی محافظ اور ترجمان ہیں!

خرد کا نام جنون پڑ گیا جنون کا خرد
 اور

اب اس سے پست معیار مذاق عام کیا ہوگا

blank page

تبصرہ بر ”ضیائے کنز الایمان“

فاران، اگست ۱۹۷۶ء

مرتبہ: مولانا غلام رسول سعیدی، ضخامت ۵۵ صفحات، بیس پیسے ٹکٹ بھیج کر یہ کتابچہ مرکزی مجلس رضا، نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور..... یہ ادارہ اس غرض سے وجود میں آیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے عقائد و افکار ملک کے طول و عرض میں پھیلانے جائیں اور خود مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت کو متعارف اور نمایاں کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں کتابیں چھاپی جائیں اور منظم پروپیگنڈے کے ذریعہ مسلمانوں کے دل و دماغ پر اس خیال کو مسلط کر دیا جائے کہ گزشتہ سوا سو برس کی مدت میں مولانا بریلوی سے بڑا کوئی عالم و فاضل پیدا نہیں ہوا۔ اہل حدیث، علمائے دیوبند، ندوۃ العلماء اور جماعت اسلامی نے تو دین کو بگاڑا ہے۔ دین کے سنوارنے کا اور خاص طور سے انبیاء کرام کے تقدس و عصمت اور اولیاء عظام کی عظمت و احترام کے تحفظ کا کارنامہ مولانا بریلوی نے انجام دیا ہے اور ہمہ شما کا کیا ذکر ہے۔ امام غزالی، رازی، ابن عربی اور سروردی زندہ ہوتے تو مولانا فاضل بریلوی کے مدح سرا اور ستائش گر ہوتے اور ابن عابدین اور علامہ طحطاوی مولانا بریلوی سے تلمذ کی آرزو کرتے۔

پاکستان کی یہ تنظیم جو صرف اپنے گروہ کو ”اہل السنۃ والجماعت“ کہتی ہے اور اس کے تشدد کا یہ عالم ہے کہ حرمین شریفین کے واجب الاحترام اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتی۔ وہ جب سے میدان سیاست میں آئی ہے ”بریلویت“ کی پورے شد و مد کے ساتھ تبلیغ کی جارہی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اس تنظیم نے عرس فاتحہ اور نذر و نیاز وغیرہ کے مسائل کے نام پر ووٹ حاصل کئے ہیں اور اب منظم منصوبے کے تحت ”بریلویت“ کے انہی افکار و عقائد کو عام کیا جا رہا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کی شخصیت پر قلیل

ہمت میں پندرہ کتابیں آچکی ہیں۔ ان حضرات کے یہاں روپیہ پیسہ کی اس قدر بہتات ہے کہ مرکزی مجلس رضا کی مطبوعات اس ہوش ربا گرانی کے زمانے میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں۔ وہ سنی عوام جو تعزیریے اور علم نکالتے اور قبروں پر چڑھانے کیلئے چادریں جلوس کی شکل میں لے جاتے ہیں اور اہل قبور سے مرادیں مانگتے ہیں وہ تو بریلوی علماء کے ساتھ پہلے ہی سے ہیں۔ لکھا پڑھا طبقہ ان سے بہت ہی کم متاثر تھا۔ اس کو متاثر کرنے کیلئے لٹریچر کی مہم شروع کی گئی۔ اس کوشش کا آخرت میں کیا اجر ملے گا اس کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے مگر دنیا ان حضرات کیلئے سازگار ہے۔ بے شمار فائدہ ہے، بے پناہ پروپیگنڈہ ہے اور عوام کی خاصی تعداد کا رجحان بدعات کی جانب ہے۔ سیاست میں کامیابی کیلئے یہ عوامل و ذرائع بہت کچھ اہمیت رکھتے ہیں۔

سالانہ سال سے اسلامی نظام، حکومت الہی اور نظام شریعت یہی اصطلاحیں مسلمانوں میں معروف و مقبول رہی ہیں۔ مگر بریلوی حضرات نے اپنی انفرادیت جتانے اور منوانے کیلئے ”نظام مصطفیٰ“ کو اپنایا ہے۔ ملت اسلامیہ کی وحدت کے مقابلے میں اپنی تنظیم اور جمعیت و جماعت کا تشخص اور انفرادیت ان حضرات کے پیش نظر ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن کا نام ”کنز الایمان“ ہے۔ اس پر شگفتہ قلم ادیب جناب ملک شیر محمد خان اعوان نے شرح کنز الایمان کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا جس میں مولانا بریلوی کے ترجمہ کی خوبیوں کو واضح کیا گیا اور شیخ المسند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے قرآنی ترجموں سے مقابلہ کر کے بتایا گیا کہ ان حضرات نے اپنے ترجموں میں بے احتیاطی برتی ہے اور ادب کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مگر فاضل بریلوی نے احتیاط و ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہ کتابچہ تبصرے کیلئے آیا تو ماہ مارچ ۱۹۷۶ء کے ”فاران“ میں اس پر مفصل تبصرہ کیا گیا۔ راقم الحروف کے اس تبصرے سے برہم ہو کر ”ضیائے کنز الایمان“ بہ جواب آں غزل کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس کتابچہ ”ضیائے کنز الایمان“ پر مولانا عنایت اللہ چشتی نے مقدمہ لکھا ہے :-

”میں نے پوری غیر جانبداری سے اس (یعنی ماہر نقادری)

کے تبصرہ کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے وقت 'کانڈ اور سیاہی کا بڑا ذخیرہ انتہائی بے دردی سے ضائع کرنے کے بعد اپنے لئے کوئی توشہ آخرت تیار نہیں کیا بلکہ اپنی گمراہی 'فکر و نظر اور کجروی' عقیدہ کا بھونڈا مظاہرہ کیا۔ ایک ایک سطر ان کی علمی و فکری بے مانگی اور گروہی تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (ص ۵۴)۔

نیوٹن کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ مولانا چشتی نے "قاران" کے تبصرے کا جانبداری سے مطالعہ فرمایا ہے یا غیر جانبداری سے۔ مگر ان کے مقدمہ کا تلخ لہجہ اس کی غمازی کرتا ہے کہ وہ خود گروہی تعصب میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے راقم الحروف کو جی بھر کے ملاخیاں سنائی ہیں۔ بریلوی حضرات ذات رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں بلکہ اولیاء اللہ تک سے الہی صفات منسوب کرتے ہیں۔ جس کیلئے کتاب و سنت میں کوئی دلیل اور نظیر نہیں ملتی..... راقم الحروف نے ان کے ان فاسد عقائد پر قرآنی آیات کی روشنی میں گرفت کی ہے..... تو کیا یہ گمراہی فکر و نظر ہے؟

مولانا عنایت اللہ چشتی کے ذہن میں شاید یہ بات وہم بن کر بھی نہیں آئی ہوگی کہ ان کے "اعلیٰ حضرت" کے ترجمہ قرآن میں زبان کی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں..... مگر راقم الحروف نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی ہے..... میں نے اپنے تبصرے میں "عصمت انبیاء" کی تفصیل کے ساتھ تعریف کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ:

"قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ (اللہ یستہزئ، وهو خادعہم، نسبہم اللہ، ومکر اللہ) جو استعمال فرمائے ہیں وہ بلاغت کا معجزہ ہیں اور ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ان کرتوتوں (خدع و استہزاء) کو "جزء" کی صورت میں انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نقائص سے

پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یا کلون اموال
الیتامی ظلما انما یا کلون فی بطونہم ناراً (۱۰=۳) اس
آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والوں کے فعل
کو ”آگ“ کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ
دراصل آگ نہیں مال کھا رہے ہیں۔ اس تشبیہ میں وہ
سزا (نار) بیان کی گئی ہے جو ان کو ملے گی۔“

مولانا چشتی نے اگر قرآن کریم کی تفاسیر غور و فکر کے ساتھ پڑھی
ہیں..... تو انہیں راقم کی اس قرآنی فکر کی قدر کرنی چاہئے تھی۔ مگر انہوں نے
اسے ”علمی و فکری بے مانگی“ قرار دیا ہے۔ مولانا کے ہاتھ میں قلم ہے۔ ان کی
تخویروں کو چھاپنے کیلئے مرکزی مجلس رضا موجود ہے۔ وہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں
لیکن اہل علم کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ راقم الحروف نے ”محاسن
کنز الایمان“ پر مفصل تبصرہ کرتے وقت، کاغذ اور سیاہی کا بڑا ذخیرہ بے دردی
سے ضائع نہیں کیا۔ میرے اس تبصرے کو ہر طبقہ کے علماء اور اہل نظر نے سراہا
ہے۔

مولانا چشتی نے میری شاعری کے بارے میں لکھا ہے :
”اگرچہ وہ طویل عرصہ سے شعر و شاعری کی وادیوں میں بھٹک
رہے ہیں لیکن آج تک ان کی شاعری کو نہ اعلیٰ ادبی حلقوں
میں قبولیت حاصل ہوئی ہے اور نہ عوامی حلقوں میں۔“
اور۔۔۔۔۔

”... وغیرہ صف اول کے نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں مگر ذکر تو
ماہر صاحب کا ہے جن کا شمار دسویں درجہ کے نقادوں میں
بھی نہیں ہے۔“

مولانا موصوف کی رائے کی اگر میں تردید کروں اور اپنی مداخلت میں کچھ
کہوں تو خود ستانی کا الزام مجھ پر عائد ہو سکتا ہے۔ تحسین و ستائش کے جھوم میں
ایسی تنقیدیں شاعر و نقاد کے پندار پر ضرب لگاتی ہیں۔ اس لئے میں چشتی صاحب
کا ممنون ہوں۔

مولانا چشتی نے طنز کی ہے کہ اب میری نعتیہ شاعری کا اور رنگ ہے۔

”اور اب دیکھئے کہ ماہر القادری صاحب شان رسالت کے انکار کے سلسلہ میں کہاں سے کہاں جا پہنچے۔“

یہ مجھ پر تہمت ہے، 'افترا' ہے، 'سراسر کذب بیانی' ہے۔ شان رسالت کا انکار تو کفر ہے۔ دنیا میں اس ظلم کی کس سے فریاد کروں۔ ہاں! قیامت میں شافع محشر کے حضور چشتی صاحب کا گریبان پکڑ کر عرض کروں گا کہ حضور اس شخص نے شان رسالت کے انکار کی تہمت مجھ پر جوڑی تھی۔

جہاں میں اور کیس بھی سکوں ملے نہ ملے مگر مدینہ پہنچ کر ضرور ملے گا ہے اللہ کی ہیں آخری حجت مرے حضور سارا جہاں مجاز حقیقت مرے حضور رسول جہنمی کئے، عمر مصطفیٰ کئے

خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کئے

—اور—

خاتم الانبیاء، رحمت دو جہاں، حامی بے کساں شافع عاصیاں
نور کون و مکاں، ناز روحانیاں، غمخت قدسیاں، فخر پیغمبراں
ذلت پر جس کی اتمام نعت ہوا، ساتھ ہی ختم دور نبوت ہوا
ہر شرف آپ ہی کو ودیعت ہوا، قاسم کوثر و سلسیل و جہاں
بحر جود و سخا، کان بڈل و عطا جس کا شیوہ رہا فضل و مروت و وفا
طاقت بے کساں، قوت بے نوا، جس کا دست کرم ابرگو ہر فشاں
جس کے وصف صباحت میں گرم سخن لالہ و گل، حنا، یامین نسرین
روئے اقدس سے کرتے ہیں کب ضیا انجم و ماہ قوس قزح نکشیں

اس قسم کی تمام نعتیں پاکستان بننے کے بعد اس دور کی کہی ہوئی ہیں جس دور کو مولانا چشتی میرا ”دور وہابیت“ کہتے ہیں اور یہ جو آخری چار اشعار ہیں یہ نعت میں نے آج سے پانچ ماہ قبل کہی تھی۔ اس نعتیہ غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے:

جس کا پیغام، پیغام توحید تھا، کوئی حاجت روا ہے نہ مشکل کشا
صرف تما خدا، صرف تما خدا، ہے وہی کار ساز اور وہی غیب داں

چونکہ بریلوی حضرات اللہ تعالیٰ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ”غیب واں“ مالک کون و مکان اور اولیاء اللہ تک کو، ”آتا“ فریادرس ‘بندہ نواز‘ غریب نواز اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ اس لئے غیر اللہ کی اس شان الوہیت کی نفی سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ نفی و انکار دراصل شان رسالت کا انکار اور اولیاء کرام کی تنقیص ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ”ابن اللہ“ ٹھہرا لیا ہے تو جو کوئی حضرت عیسیٰ کو ”ابن اللہ“ نہیں مانتا اس کو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر اور تنقیص کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ذات رسالت ماب کیلئے اہل بدعت نے متعدد القاب و مناصب تجویز کئے ہیں مثلاً مالک دو جہاں..... کار ساز و مشکل کشا..... فریادرس..... دافع مصائب و آلام..... کونین کے مختار و مالک اور شہنشاہ..... دغیر خالق..... احمد بے میم..... تو جو کوئی بریلویوں کے تراشے ہوئے القاب و مناصب کی نفی و تردید کرتا ہے کہ دو جہاں کا مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہے اور وہی سب کا فریادرس اور مشکل کشا ہے..... اس پر یہ حضرات شان رسالت کے انکار کی طفر کرتے اور تہمت جوڑتے ہیں۔ ان القاب و مناصب اور اختیارات کا کتاب و سنت میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ ان حضرات کی اس مفرط عقیدت کے مظاہر ہیں جن سے عبدیت‘ الوہیت کے مشابہ ٹھہرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے رتبہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ! اور حضور کا رتبہ سے زیادہ بڑھانا یہی ہے کہ الوہیت کی صفات ”عطا“ کے نام پر حضور سے منسوب کر دی جائیں۔ حضور نے نہیں فرمایا کہ..... میرے رتبہ کو نہ گھٹانا۔ اس لئے کہ پچھلی امتوں کے احوال آپ کے سامنے تھے۔ انہوں نے اپنے بعض نبیوں کے مرتبہ کو گھٹایا نہیں تھا بلکہ حد سے زیادہ بڑھا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نبی کا امتی اپنے نبی کے رتبہ کو گھٹانا ہے تو اس کا ایمان ہی کب سلامت رہتا ہے۔ خوف الحاد و بے دینی سے نہیں ہے کہ وہ تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ محل خطروہ عقیدت ہے جو اس شخص کو جس سے عقیدت ہوتی ہے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کا ہسر بنا دیتی ہے۔ ایسی مفرط عقیدت خوفناک اور پر خطر اس لئے ہے کہ عقیدت مند اتنی کچھ زیادتی کرنے کے بعد بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے اور جس کی محبت و عقیدت میں کیا ہے اس کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جس مفرط عقیدت سے امت کو روکا تھا بریلوی حضرات اسی مفرط عقیدت میں مبتلا ہو گئے۔ اس لئے حضور ﷺ کی خوشنودی آخرت میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو کوئی ان کے فاسد عقائد کی اصلاح و تصحیح کی سعی کرتا ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح صحیح دو ٹوک بات کہتا ہے اسے وہ منکر شان رسالت سمجھتے ہیں۔

نگہ کی نا مسلمانی سے فریاد
چشتی صاحب نے راقم الحروف کی مشہور نظم ”ظہور قدسی“ کے دو شعر نقل کئے ہیں۔ میں نے ایک مصرع میں ”الفقر فخری“ نظم کیا تھا مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا:

قال العسقلانی هو باطل موضوع امام عسقلانی نے فرمایا کہ یہ باطل موضوع ہے۔ (موضوعات کبیر ملا علی قاری)

”ضیائے کنز الایمان“ دراصل ”محاسن کنز الایمان“ پر میرے تبصرے کا جواب ہے۔ مولانا غلام رسول سعیدی اس کے مصنف ہیں۔ انہوں نے میری زبان کی غلطیوں پر گرفت کی ہے۔

”ماہر صاحب! اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں پانچ چھ برس سے جب سے جمعیت العلماء سیاسی میدان میں آئی ہے اس جملہ میں ”سے“ کا تکرار ذوق لطیف پر بار گزرتا ہے۔ یوں لکھنا چاہئے کہ ”پانچ چھ برس ہوئے“ جب سے جمعیت العلماء اس اصلاح کا شکریہ۔ مگر میرے جملہ میں کوئی ایسا ستم نہیں ہے جس کی تکرار ذوق لطیف پر گراں گزرتی ہو۔ لیکن مولانا صاحب راقم الحروف کے جملہ کو حسین بنانے کی فکر میں خود جو غلطی فرما گئے ہیں اس کو کیا کہئے گا۔ ”تکرار“، بالاتفاق مونث ہے مگر انہوں نے ”تکرار“ کو مذکر لکھا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار مستند ادیب اور زبان دان ہیں۔ وہ اپنے مشہور ناول ”سیر کسار“ جلد دوم، ’مطبوعہ نول کشور پریس‘ کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

”اسی وجہ سے صاحب نے نواب صاحب سے دریافت کیا تھا۔“

اس جملہ میں ”سے“ کی تکرار ملتی ہے۔ یہ جملہ یوں بھی لکھا جاسکتا تھا:

”یہی وجہ تھی کہ صاحب نے نواب صاحب سے دریافت کیا تھا۔“

مگر پنڈت جی نے اس مفہوم کو اسی طرح ادا کرنا مناسب سمجھا کہ راقم الحروف کے جملہ کی طرح سرشار کی عبارت میں بھی ”سے“ کی تکرار پائی گئی۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ اس طرح ایک ہی جملہ میں ”سے“ وغیرہ کی تکرار کا مستند اہل قلم اور زبان دانوں کے یہاں رواج رہا ہے۔ ”ذوق لطیف پر بار گزرنے“ کی بجائے مولانا صاحب یوں بھی فرما سکتے تھے کہ ”سے“ کی تکرار نہ رہنے سے جملہ زیادہ رواں اور حسین ہو گیا۔

اعتراض: اور صوبائی اور مرکزی اسمبلی (فاران ص ۲) ”مرکزی اور صوبائی اسمبلی“ لکھنا چاہئے تھا۔ اس قسم کی بے ترتیب عبارت ذہنی انتشار اور ناچنگی کی علامت ہے۔

جواب: مولانا موصوف نے یہ اعتراض اس اصول کے تحت کیا ہے کہ جملہ میں پہلے بڑی چیز کو لانا چاہئے۔ مگر عام طور پر اس طرح بولتے اور لکھتے ہیں..... ”چاند سورج اس پر گواہ ہیں“..... ”اس کا اثر صوبے میں بھی ہے اور مرکز میں بھی“..... چہرہ اسی اور گورنر دونوں سرکار کے ملازم ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھتے ہیں:

”یہ استے بنگلے اور کوٹھیاں اور سرٹکیں.....“ (سیر کسار جلد دوم ص ۹۷)۔

”کوٹھیاں“ ”بنگلے“ سے بڑی ہوتی ہیں۔ مگر سرشار ”بنگلے“ پہلے لائے

ہیں۔ تو کیا پنڈت رتن ناتھ سرشار جیسے مسلمہ زبان دان اور ادیب کی یہ عبارت ان کی ذہنی انتشار اور ناچنگی کی علامت ہے۔ بہت ہی معمولی سی بات پر نقد و احتساب کی یہ شدت و برہمی مولانا صاحب کے ذہنی تشنج کا آقا پتا دیتی ہے۔

اعتراض: صاحب جن کے نام کے پہلے ”علامہ“ لکھا جاتا ہے..... (فاران ص ۲۱)..... ”نام کے پہلے“ کی جگہ ”نام سے پہلے“ لکھنا محاورہ ہے۔

جواب: ”سے“ کی جگہ ”کے“ بھی بولتے اور لکھتے ہیں۔ اس قسم کے جملوں میں معاملہ رائج و مرجوح کا ہوتا ہے۔ غلط اور صحیح کا نہیں ہوتا۔

اعتراض: ”مدع‘ مدع‘ ادعوا کا ترجمہ.....“ (فاران ص ۲۴) ”مدع‘ مدع‘

عربی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ اصل میں ”مد عوا اور ید عوا“ ہے۔
 جواب : مجھے ”مد عو“ اور ”ید عو“ ہی لکھنا چاہئے تھا۔ اصل تسامح کا سبب یہ
 ہوا کہ لغات القرآن میں ”یدع“ نظر سے گزرا مگر آگے کی عبارت
 ”واحد مذکر غائب امر“ پر غور نہیں کیا۔ راقم الحروف نے ”فاران“
 میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی میں
 راقم الحروف تھوڑی شدہ بدھ رکھتا ہے مگر جسے جانتا کہتے ہیں۔ اس
 کا تعلق اردو سے ہے اردو کے مستند ادیبوں اور مشاہیر شاعروں کے
 تسامحات پر میں نے گرفت کی ہے۔ ہاں! دینی علوم اور فلسفہ و کلام
 وغیرہ جن مسائل کو میں ابھی طرح سمجھ لیتا ہوں ان کی تشریح اس
 انداز میں کرتا ہوں کہ پڑھنے والے مجھے نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔
 میرا سارا سرمایہ مطالعہ ہے۔

راقم گزار دی ہیں سارے چرخ کے
 حیرت ہے کہ مولانا غلام رسول سعیدی کو یہ نہیں معلوم کہ اردو زبان
 نے دوسری زبانوں کے تلفظ، معنی بلکہ بعض لفظوں کے املا تک کو بدل دیا ہے۔
 انگریزی کا ”اینجن“ (Engine) اردو میں ”فجن“ بولا جاتا ہے۔ انگریزی کی
 لیٹرن کو اردو میں لائٹن بنا لیا گیا، ہندی کے ”مندر“ کی ”د“ پر کسرہ ہے مگر
 اردو میں عام طور پر مندر (د پر فتح) بولتے ہیں۔ عربی میں پیچنے لگانے والے کو
 حجام اور ٹائی کو ”حلاق“ کہتے ہیں مگر اردو والے ”حجام“ ٹائی (باربر... حلاق)
 کے معنی میں بولتے ہیں۔ ”فوق البصرک“ عربی قاعدہ سے بالکل غلط ترکیب ہے
 مگر اردو میں اس کی حیثیت ”غلط العام“ کی ہے۔ اس لئے اردو میں ترکیب کا
 چلن ہے۔ ”خواہشات“ کی جمع عربی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ ”خواہش“ فارسی
 لفظ ہے۔ مگر یہ جمع بھی ”غلط العام“ بن چکی ہے۔ ہم عربی اور فارسی کے مت
 سے الفاظ اردو لب و لہجہ اور روز مرہ کے تحت بولتے اور لکھتے ہیں۔ مثلاً عربی
 کے ”ہش اش“ کو اردو میں ”عش عش“ لکھا جاتا ہے۔ عربی کے ”ازدحام“ کا
 اردو میں ”اژدہام“ املا کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے ”اہل سنت والجماعت“ لکھا تھا۔ اس پر مولانا سعیدی
 نے اعتراض وارد کیا ہے :

”اہل سنت والجماعت“ میں نکرہ پر معرّفہ کا عطف بھی غیر مانوس ہے۔
 ”اہل السنّت والجماعت“ یا ”اہل سنت و جماعت“ لکھنا چاہئے۔“
 جو اباً عرض ہے کہ اردو میں عربی کے نکرہ معرّفہ مذکر و مونث اور دوسرے
 قاعدوں کا عام طور پر لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اردو مستقل زبان ہے۔ جو اپنی قواعد
 روز مرہ و محاورہ اور مزاج کے مطابق بولنے اور لکھنے کا چلن رکھتی ہے اردو میں
 اہل سنت والجماعت ہی لکھا اور بولا جاتا ہے ”اہل سنت و جماعت“ بولنے اور لکھنے
 کا عام رواج نہیں ہے۔ ”اہل سنت و جماعت“ کے تلفظ ”اہل سنتو جماعت“ اور
 ”اہل سنت و جماعت“ (ال کے بغیر ”و“ پر فتح) دونوں زبان پر گراں گزرتے
 ہیں۔ ماہنامہ ”الرشید“ کا دیوبند نمبر ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۸ پر
 ذیلی سرخی ہے۔

”علمائے دیوبند اپنے مسلک کے اعتبار سے حقیقتاً اہل سنت والجماعت
 ہیں۔“ یہ عنوان جو اردو زبان و املا کے عین مطابق ہے صاحب تہخیص صوفی محمد
 اقبال قریشی صاحب کا قائم کیا ہوا ہے اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تقریر
 کی تہخیص ہے۔ خود قاری صاحب کے الفاظ ہیں :
 ”علمائے دیوبند نہ صرف اہل سنت والجماعت کے تمام اصول و قوانین کے
 پابند رہے ہیں۔“

مولانا قاری محمد طیب صاحب عربی بھی مولانا غلام رسول سعیدی صاحب
 سے زیادہ جانتے ہیں اور اردو بھی۔ اردو میں ”اہل سنت والجماعت“ ہی لکھا اور
 بولا جاتا ہے۔

اردو میں ”الراونندی“ کو ”راونندی“..... الراغب الاصفہانی کو راغب
 اصفہانی یا راغب الاصفہانی لکھتے ہیں۔

الربیع بن زیاد العنسی 'جاہلی شاعر ہے۔ اس کو ربیع بن زیاد عنسی یا
 ربیع بن زیاد العنسی ہی لکھا جائے گا۔ ”الربیع الخالی (جغرافیہ) کو اردو میں ”ربیع
 خالی“ یا ”ربیع الخالی“ لکھتے ہیں۔

اعتراض : ”ذات اقدس“ (فاران ص ۲۸) یہ صاحب عربی الفاظ میں مذکر و
 مونث کا فرق نہیں جانتے ورنہ ذات اقدس کی بجائے ذات مقدسہ
 لکھتے ذات عربی کا لفظ ہے۔ اس کیلئے صفت ہمیشہ مونث کے صیغہ میں

لائی جاتی ہے۔

جواب : فاضل معترض اردو ٹھیک طرح چلتے ہوتے تو وہ ایسا بے سرو پا اعتراض نہ فرماتے۔ اردو میں ”ذات اقدس“ لکھنا نہ صرف یہ کہ فصیح ہے بلکہ ”ذات مقدسہ“ کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔

● ”ایک دفعہ حضرت حنظلہ خدمت اقدس میں آئے۔“ (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۳۴ باب مجالس نبوی)۔

● ”ایک عورت بچہ کو لے کر خدمت اقدس میں آئی۔“ (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۷۲ باب عبادات نبوی)۔

● ”اکثر نوکر چاکر لونڈی غلام خدمت اقدس میں پانی لے کر آئے۔“ (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۹۳)

علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد اور پھر کے مثال میں پیش کیا جائے۔ یہ دونوں حضرات عربی اور اردو کے مسلمہ انشاء پرداز اور عالم ہیں۔

”نفس“ عربی میں مونث ہے تو مولانا سعیدی کے اصول زبان کی رو سے کیا یوں لکھا کریں: ”نفس ہدایت چمکی“ عربی میں ”نفس“ مونث بھی ہے تو مولانا سعیدی کی ہدایت و انتباہ کے مطابق یوں لکھنا چاہئے:

”اس کی نفس امارہ زوروں پر ہے اور نفس مطمئنہ دب کر رہ گئی ہے۔“.....

فافہم فندبر۔

اعتراض : تمام اولیاء دنیا کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ (فاران ص ۲۳) فی نفساً دنیا کوئی عقیدہ یا مصیبت تو ہے نہیں جس کی کشائی یا عقدہ کشائی ہوگی۔ یوں لکھتے ”تمام اولیا دنیا کے حاجت مند مصیبت زدہ لوگوں کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔“

جواب : کتابت کی غلطی کے سبب ”مشکل“ لکھنے سے رہ گیا ورنہ تھا ”کشائی“

محمل ہے۔ پھر یہ اعتراض؟ کوئی کسے تو کیا کہے؟ جس طرح راقم الحروف نے لکھا ہے ”اس طرح لکھنے اور بولنے کا تو عام رواج ہے۔“

”نادر شاہ کی فوج نے دلی کو خوب لوٹا“..... دلی سے دلی کے رہنے والے مراد ہیں اور ”آدھے شہر کو قتل کر دیا“ شہر کے قتل سے در و دیوار کوٹھے

چھپر اور حویلیاں نہیں شر کے باشندوں کا قتل مراد ہے۔ ایسے موقعوں پر ظرف مکانی بول کر منظور مراد ہوتا ہے اور شعرو ادب میں اس کی ہزار مثالیں موجود ہیں۔

نور اللغات میں ”دنیا کے معنی جہان، عالم، دہر“ اور ”دنیا کے لوگ“ لکھے ہیں۔ میرے جملہ میں بھی ”دنیا“ سے دنیا کے وہ لوگ مراد ہیں جو مشکوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور حاجت مند ہیں۔

”مجھ پر کیا موقوف ہے تم پر تو دنیا تھوکتی ہے۔“

اس جملہ میں ”دنیا“ سے دنیا کے لوگ مراد ہیں۔ ”دنیا کی آنکھوں میں“ کے معنی ہیں ”سب کی نظروں میں“..... مرزا یاس یگانہ کی غزل کا مشہور مصرع ہے :

”دنیا بھی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی“

اس میں دنیا والوں کو بھی ”دنیا“ کہا گیا ہے۔

اعتراض : یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نکوینی کی حکمت ہے۔ ”فاران ص ۲۸“ حکمت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ مشیت کی نہیں مشیت کیلئے ثمرہ لکھتا مناسب تھا اور نکوینی کی جگہ نکوینیہ ہونا چاہئے تھا۔ صحیح جملہ اس طرح ہوگا ”یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نکوینیہ کا ثمرہ ہے۔“

جواب : گرفت کا شکریہ، مگر زور دینے اور عبارت میں فورس پیدا کرنے کیلئے یوں بھی بولتے ہیں :

”یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمت ہے“..... یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت

ربوبیت ہے۔“

میں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نکوینی محض جبر نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بھی حکمت ہے۔ میری اصل عبارت یہ ہے :

”اور اللہ تعالیٰ ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نکوینی کی حکمت ہے۔“

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے جو اصلاح دی ہے :

”اللہ تعالیٰ کی مشیت نکوینیہ کا ثمرہ ہے۔“

اس طرح تو میری عبارت عجیب سے عجیب تر ہو جائے گی۔ ”ثمرہ“ لانے



شروع کی۔“

اعتراض : ”جو ان الفاظ کے معنی ہیں“ (فاران ص ۲۸)..... ان صاحب کو واحد اور جمع کا فرق نہیں معلوم، ورنہ جو ”ان الفاظ کے معانی ہیں“ لکھتے۔

جواب : وہ جو ضرب المثل ہے ”شعر مراد مدرسہ کے برد“ مولانا سعیدی کی تنقید کا یہی رنگ ہے۔ نور اللغات میں لکھا ہے ”معنی“..... اردو میں بطور جمع مستعمل ہے، فعل بھی جمع آتا ہے۔“
ڈھونڈے سے بھی نہ معنی باریک جب ملے
دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اس کی کمر نہ ہو
(امیر مینائی)

مشہور استاد سخن ناسخ لکھنؤی فرماتے ہیں :

معنی یہ ہیں کہ باغ میں ہم سے کشی کریں جنت میں گر شرب خدا نے حلال کی
حیرت ہے کہ لائق معترض کو اردو کے عام اور مشہور لفظوں کے بھی معنی
اور ان کا طریقہ استعمال معلوم نہیں ہے۔ کیا انہوں نے نہیں سنا :
”اس لفظ کے معنی بتائیے۔“

یوں کوئی نہیں بولتا :

”اس لفظ کا معنی بتائیے۔“

اعتراض : عصمت کی بحث میں لکھتے ہیں.... سو و تسامح۔ قادر نبوت نہیں ہے..... ”سو و تسامح قادر عصمت نہیں ہے“ یوں لکھتا چاہئے تھا کیونکہ منگلو نبوت میں نہیں عصمت میں ہے....!

جواب : ”قادر نبوت“ کہنے میں کیا خرابی ہے؟ عصمت کا تعلق بھی نبوت سے ہے۔ میری عبارت کا سیاق و سباق یہ ہے کہ سو و تسامح سے نبوت کو بندہ نہیں لگتا اور نبوت پر حرف نہیں آتا۔

اعتراض : ”ہم فسق و فجور کی پستی تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔“ (فاران ص ۲۸) پستی میں لوگ جا کر گرتے ہیں پہنچتے نہیں۔ اس طرح لکھتے :

”ہم فسق و فجور کی پستی میں بھی جاگرتے ہیں۔“

جواب : ”پستی تک پہنچنے“ میں آخر زبان و روز مرہ کی کیا خرابی ہے۔ جو آدمی پستی میں گرتا ہے تو وہ گر کر پستی تک پہنچ جاتا ہے۔ ”پہنچنے میں“ تدریج پائی جاتی ہے جو ”گرنے“ میں نہیں پائی جاتی، میرے کہنے کا یہی مفہوم ہے کہ ہم ایک گناہ کرتے ہیں۔ پھر دو سرا گناہ کرتے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ اور تدریجاً ”فسق و فجور کی پستی تک“ بھی پہنچ جاتے ہیں۔ دلفتا“ پستی میں نہیں گر جاتے۔

اعتراض : ”تو حضور محبت کے لہجہ میں فرماتے ہیں“ (فاران ص ۳۸) ”محبت بھرے لہجے میں“ لکھنا محاورہ اور روز مرہ ہے۔

جواب : ”اس نے محبت کے لہجہ میں کہا“..... اس طرح بولنے کا عام رواج ہے۔ یہ جملہ ”بھرے“ کا متقاضی نہیں ہے۔ مولانا صاحب کو روز مرہ اور محاورہ کا وہم ہو گیا ہے۔

اعتراض : ”غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو جز کا نہیں کل کا نام ہے۔“ (فاران ص ۴۴) صفت غیب کا اللہ عز و جل میں حصر کرنا غلط ہے۔ جنت و دوزخ جن اور ملائکہ بھی تو غیب ہیں۔ نیز غیب مصدر ہے۔ اور یہ ”کل“ جز نہیں بنتا بلکہ مصدر جنس ہوتا ہے اور اس کا اپنے تمام افراد پر خواہ قلیل ہوں یا کثیر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔

جواب : میری عبارت میں ”غیب“ سے ”علم غیب“ اور ”غیب دانی“ مراد ہے۔ میں نے آگے چل کر یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو ”عالم الغیب والشہادہ“ فرمایا ہے.....!

مولانا سعیدی نے جنت و دوزخ کا جو ذکر کیا ہے وہ بے محل ہے۔ جنت و دوزخ ہمارے لئے غیب تو بے شک ہیں مگر جنت و دوزخ ”علم غیب“ نہیں رکھتیں۔ صفت غیب کا اللہ عز و جل میں حصر کرنا غلط کیوں ہونے لگا۔ جب کہ ”ذاتی اور کل غیب“ اللہ تعالیٰ کو ہے۔ انبیاء کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ انبیاء ”مخبر صادق“ اور ”ترجمان اخبار غیوب“ ہیں۔ عالم الغیب نہیں ہیں۔

اعتراض : ”دین و دانش کی کتنی درد ناک ٹریجڈی ہے۔“ (فاران ص ۴۴) ٹریجڈی میں خود درد و الم کے معنی ہیں۔ یہ جملہ تو ایسا ہے جیسے ان

پڑھ لوگ کہتے ہیں۔ ”یہ سن لائٹ سوپ صابن ہے“ یا کوئی کسے ”یہ کوہ ہمالیہ پہاڑ ہے“ صحیح جملہ اس طرح ہوگا ”دین و دانش کی کتنی زبردست ٹریجڈی ہے“۔

جواب : ٹریجڈی کا اردو میں ترجمہ ”الیہ“ کیا گیا ہے جس میں ظاہر ہے ”الم“ شامل ہے۔ مگر راقم الحروف نے ”ٹریجڈی“ میں فورس پیدا کرنے کیلئے ”دردناک“ استعمال کیا ہے۔ ”سن لائٹ سوپ صابن“ اور ”کوہ ہمالیہ پہاڑ“ کی پھبتی اس جملہ پر چست نہیں ہوتی کیونکہ ”سوپ“ کے بعد ”صابن“ اور ”کوہ“ کے بعد ”پہاڑ“ لانے سے الفاظ میں فورس پیدا نہیں ہوتا۔ بادی النظر میں مولانا کا اعتراض درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں اس سلسلہ میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بہت نازک باتیں ہیں!..... یہ کہ درد و الم اور غم مترادف بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں۔ ”چوٹ لگنے سے اس کے جسم میں درد ہو رہا ہے“ بولتے ہیں یوں نہیں بولتے ”چوٹ لگنے سے اس کے جسم میں الم ہو رہا ہے“ وہ بڑا بے درد ہے“ بولتے ہیں ”وہ بڑا بے الم ہے“ نہیں بولتے۔ اس لئے بہت بڑے حادثہ اور الیہ کو ”دردناک الیہ“ بولنا غلط نہیں ہوگا۔ ”تیدن“ برق کی سرشت میں داخل ہے جو ”تپاں“ نہیں ہوگی۔ وہ ”برق“ نہیں ہوگی۔ مگر ”برق تپاں“ Ephasis یعنی زور بیان کیلئے بولتے ہیں۔ اس طرح ”انتہائی نشاط انگیز طریقہ“ بھی بول سکتے ہیں۔ ”دردناک ٹریجڈی“ کا ”شب لیلة القدر کی رات“ یا ”کوہ ہمالیہ کا پہاڑ“ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ”مرثیہ“ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کی وفات اور الم و مصائب کا ذکر ہو مگر اس طرح بولتے ہیں ”اس نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے“ حالانکہ خود مرثیہ میں غم و الم شامل ہیں۔

اعتراض : ”جو خدا کے بندے توحید و سنت کی دعوت دیتے ہیں“۔ (فاران ص ۴۷) توحید کے ساتھ سنت کا ذکر بے جوڑ ہے۔ ”توحید و رسالت“ یا پھر ”کتاب و سنت“ لکھتے۔

جواب : میں نے اپنی تنقید میں شرک و بدعات کا رد کیا ہے اور اس کے مقابلہ

میں ”توحید و سنت“ کی اہمیت بتائی ہے۔ لہذا ”توحید و سنت“ میری عبارت میں بے جوڑ نہیں ہے۔

اسے بات کوں، کرتب کوں، یا حرکت..... بہر حال اسے جو بھی نام دیا جائے، ہے عجیب اور افسوسناک کہ کتابت کی غلطیوں کو فاضل ناقد نے میرے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ موصوف عالم دین ہیں، اردو کی سینکڑوں کتابیں انہوں نے پڑھی ہوں گی۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ کتابوں اور رسالوں میں کتابت کی غلطیاں بھی رہ جاتی ہیں۔ ہاں بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ناواقف اور کم سواد لکھنے والے کرتے ہیں۔ مثلاً ”غیظ“ کا املاء ”غیض“ اور ”بے نیل مرام“ کو ”بے نیل و مرام“ لکھنا۔

”محاسن کثر الایمان“ پر مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا پیش لفظ ہے۔ اس میں لکھا ہے:

”لب و لہجہ کے پیش و خم کو جس حد تک ترجمہ میں ڈھالا جاسکتا ہے۔“

(ص ۹)

میں مولانا موصوف کے اس جملہ کو مہمل کہہ کر اپنی کم فہمی اور بد نیتی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ یہ کاتب کا سو ہے کہ ”پتچ و خم“ کی جگہ ”پیش و خم“ لکھ دیا..... اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ کی عبارت ہے..... ”اس دور میں جہاں لاگ پٹ کے بغیر۔“

یہ غلطی مضمون لکھنے والے کی ہو سکتی ہے کہ ”لاگ پٹ“ تحریر فرمایا۔ ”پیش لفظ میں مولانا عنایت اللہ چشتی نے یہ شعر درج فرمایا ہے:

آئینہ دیکھ اپنا سامنہ لے کے رہ گئے
صاحب کو اپنے ”حسن“ پر کتنا غور تھا

(ص ۸)

مولانا غلام رسول سعیدی نے راقم الحروف کی تحریر پر جس انداز میں تنقید کی ہے اس انداز میں راقم الحروف اعتراض جڑ سکتا ہے کہ مولانا چشتی موزوں اور ناموزوں مصرعوں میں امتیاز نہیں کر سکتے..... کیونکہ یہ مصرعہ:

صاحب کو اپنے حسن پر کتنا غور تھا

ناموزوں ہے۔ مگر میں ان کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں کہ کاتب

نے (حسن پہ) کو ”حسن پر“ لکھ دیا۔ جس سے مصرع ناموزوں ہو گیا۔ یہ کتابت کی غلطی ہے مضمون نگار کا سو نہیں ہے۔ ”سیارہ“ لاہور کا خاص نمبر جولائی کے آغاز میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۲ پر میرے مضمون کا ایک جملہ یوں چھپا ہے..... ”اس کی صنف ملاحت نہیں حلاوت ہے“..... یہ کاتب کی غلطی ہے کہ ”صفت“ کی جگہ ”صنف“ لکھ دیا اور پروف پڑھنے والوں کی نظر سے بھی چوک ہو گئی۔ کوئی معمولی سمجھ رکھنے والا بھی کتابت کی اس غلطی کو جس نے جملہ کو مکمل بنا دیا مجھ سے (یعنی مضمون نگار) سے منسوب نہیں کر سکتا۔
اعتراض : ”مولانا تھانوی“ نے ترجمہ کے قوس میں ”قوس کی بجائے قوسین لکھنا تھا۔“

جواب : یہ کتابت کی غلطی ہے۔ میں نے ہمیشہ بریکٹ کیلئے قوسین ہی لکھا ہے۔ چنانچہ میرے جس تبصرے (مارچ ۱۹۷۶ء) پر مولانا سیدی نے تنقید فرمائی ہے اس کے صفحہ ۳۳ پر میری عبارت درج ہے :
”مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کے قوسین میں جو (میرا کہنا) لکھا

ہے.....“

اعتراض : جو لوگ جو اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں“ (فاران ص ۲۲) ”جو لوگ جو اہل سنت“ یہ کس خطہ کی زبان ہے۔ یہ عبارت نہ صرف غلط بلکہ کافی حد تک مضحکہ خیز ہے۔

جواب : ایک معمولی لکھا پڑھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس جملہ میں دوسرا ”جو“ کاتب کا سو ہے۔ کیونکہ دوسرے درجہ کا بچہ بھی ایسا مکمل جملہ نہیں لکھ سکتا۔ یہ نقد و احتساب نہیں ہے۔ اس فن کے ساتھ مذاق ہے۔

اعتراض : ”یہ تاثر جو کتابوں کے ذریعہ عوام و خلوص.....“ (فاران ص ۴۱) ”عوام کے ساتھ خلوص نہیں خواص لکھا جاتا ہے۔“

جواب : یہ تو کتابت کی اس قدر واضح غلطی ہے جس کو مضمون نگار کے سرکسی طرح بھی نہیں چپکایا جاسکتا جو حضرات زبان و ادب کے بارے میں اس قدر غیر حقیقت پسند ہیں ان سے دینی مسائل میں حق پسندی کی کس حد تک توقع کی جاسکتی ہے۔

اسی کتاب میں مولانا موصوف لکھتے ہیں :

”واؤ گر جاتی ہے۔“ (ص ۱۴) حالانکہ ”واؤ“ مذکر ہے۔

مولانا عنایت اللہ چشتی ”پیش لفظ“ میں رقم طراز ہیں :

”اور انتہائی خوش ہے وہ گھرانہ جس کے.....“ (ص ۲)

چشتی صاحب نے (خوش نصیب، لکھا ہوگا۔ کاتب نے ”نصیب“ نہیں لکھا۔

”برسوں کی محنت شاقہ اور سعی عمیق درکار ہے“ (ص ۲)۔

سعی کو ”عمیق“ کوئی نہیں بولتا۔

”یہ رسالہ کاسہ وہابیت کیلئے گرز البرز شکن ثابت ہو گا“ (ص ۱۰)

یہ انہی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہابیت کسی مسلک کا نہیں

”کاسہ“ کا نام ہے۔ اور اس ”کاسہ“ کو توڑنے کیلئے ”گرز البرز شکن“ چاہئے۔

یعنی وہابیت کا ”کاسہ“ کیا ہوا ایک پہاڑ ہوا۔ جن صاحب کی تحریر میں جا بجا جھول

پایا جاتا ہے اور جو بر محل الفاظ استعمال نہیں کر سکتے ان سے ”ضیائے کنز الایمان“

پر پیش لفظ لکھوایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں :

”علامہ سعیدی صاحب نے ماہر القادری کی زبان و بیان کی

اغلاط کی نشاندہی کر کے ان کے دعویٰ زباندانی کی دھجیاں اڑا

دی ہیں۔“ مگر

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے

دیکھئے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

حضرت مولانا غلام رسول سعیدی اگر زبان و روز مرہ کے ذکر کو نہ چھیڑتے

تو ”بند مٹھی“ کا بھرم قائم رہتا۔ ان کے اعتراضات نے ان کی ”اردو دانی“ کو بے

نقاب کر دیا۔ پیش لفظ کے حاشیہ میں لکھا ہے :

”فاضل محرم علامہ سعیدی صاحب مدظلہ نے یہ جواب قلم

برداشتہ لکھا ہے۔ ”فاران“ ان کی خدمت میں روانہ کیا گیا

تو تیسرے دن انہوں نے جواب لکھ کر دفتر مرکزی مجلس رضا

لاہور میں بھیج دیا۔“

آخر اتنی جگت میں جواب لکھنے کی کیا مار پڑی تھی۔ مولانا صاحب کو پوری

تحقیق اور غور و فکر کے ساتھ جواب تحریر فرمانا چاہئے تھا، جگت کا تو یہی نتیجہ ہوتا

ہے جو سب کے سامنے ہے۔ زبان و بیان کی غلطیوں سے راقم الحروف محفوظ

نہیں ہے۔ انہیں میری عبارتوں سے ایسی غلطیاں نکالنی چاہئے تھیں جن کی راقم الحروف مدافعت یا تاویل ہی نہ کر سکتا۔

”محاسن کنز الایمان“ میں ”تعارف صاحب کنز الایمان“ کے عنوان سے ایک مضمون ملتا ہے۔ لکھنے والے کا نام درج نہیں ہے۔ اس مضمون کے چند نمونے:

”سورج کروڑوں مرتبہ تجلہ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدہ

مغرب کی کاجلی تاریکیوں.....“ (ص ۲۱)

”کاجلی تاریکیوں“ کا بھلا کوئی جواب ہے۔

”اس کا نام خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ

آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ ثبت کر دیا ہے۔ اب

حادثات حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی سنگدل ٹھوکر

اسے مٹا نہیں سکتی۔“ (ص ۲۵)

”وسیع البسط چھاتی“ یہ آخر کیا انداز بیان ہے۔ اس عبارت میں

”چھاتی“ کا استعمال وجدان کیلئے اذیت دہ ہے۔ ”حادثات حیات کا جھونکا“ ہی

میں خاصہ تکلف پایا جاتا ہے مگر یہ ”بیداد جھونکا“ کیا ہوتا ہے؟ پھر ”ٹھوکر“ کو

سنگدل کہنا اس پر مستزاد!

ڈاکٹر مولانا فضل الرحمن انصاری مرحوم خود کو بریلوی کہتے تھے۔ مگر بریلوی

دارالتکفیر نے دیوبند کے جن علماء کو کافر ٹھہرایا ہے ان کے ناموں کے ساتھ

مولانا انصاری ”حضرت“ اور ”رحمۃ اللہ علیہ“ استعمال کرتے تھے۔ مولانا مرحوم

کی انگریزی کتابیں بے شک فکر انگیز ہیں..... ورنہ عام طور پر بریلوی حضرات

کے یہاں فکر کے ساتھ اشتا پردازی بھی خاصی کمزور ہے۔ یہی سبب ہے کہ سو

برس کی مدت میں سیرۃ النبی (علامہ شبلی نعمانی) ”ارض القرآن“ (مولانا سید

سلیمان ندوی) حکمائے اسلام (مولانا عبدالسلام ندوی) النبی الخاتم (مولانا مناظر

احسن گیلانی) ترجمان السنہ (مولانا بدر عالم میرٹھی) قصص القرآن (مولانا حفظ

الرحمن سیوہاروی) خطبات مدراس (مولانا سید سلیمان ندوی) دعوت و عزیمت

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) الجہاد فی الاسلام اور پردہ (سید ابوالاعلیٰ

مودودی) جیسی کوئی کتاب مکتبہ بریلی پیش نہ کر سکا۔

گزشتہ تبصروں کی عبارتیں دہراؤں تو یہ تنقید پوری کتاب بن جائے گی۔ مختصراً عرض ہے کہ راقم الحروف نے ”محاسن کثر الایمان“ کی عبارت جس کا تعلق مولانا بریلوی کے مدح و توصیف سے ہے نقل کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ ”واقعہ ہے یا مبالغہ“..... مولانا سعیدی نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”..... رہے ابن عابدین اور سید طحطاوی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں ان لوگوں کی متعدد فقہی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس لئے ان کو اعلیٰ حضرت کے مظلومہ کے منزلہ میں ذکر کرنا واقعہ کے مطابق ہے۔ مبالغہ نہیں ہے۔“

امام ابو یوسف نے اپنے استاد امام اعظم کے بعض اجتہادات سے اختلاف کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ اختلافات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے تسامحات ہی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس بنا پر کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ زندہ رہتے تو امام ابو یوسف کی شاگردی کرتے۔ راقم الحروف نے مرزا غالب کے بعض شعروں کی کمزوریاں بتائی ہیں..... کیا کوئی میرا مدح اہل قلم اس طرح لکھنے کی حماقت کر سکتا ہے کہ مرزا غالب ماہر کے زمانے میں ہوتے تو ماہر سے شرف تلمذ کی آرزو فرماتے۔ بریلوی علماء تاویل و توجیہ کے فن میں کتنے کمزور ہیں اور لطف یہ ہے کہ الم غلم بعید از قیاس تاویلیں کر کے مطمئن بھی ہو جاتے ہیں۔ مبالغہ آرائی تو بریلویوں کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔

نظام حیدر آباد کو حکومت برطانیہ نے ”ہراگز الینڈ ہائی نس“ کا خطاب دیا تھا۔ جس کا ترجمہ ”اعلیٰ حضرت“ کیا گیا۔ پھر نظام دکن کے علاوہ نواب حمید اللہ خان والی بھوپال کو بھی ریاست کے لوگ ”اعلیٰ حضرت“ کہنے لگے۔ یہ لقب کسی عقیدت یا روحانی منصب کی بنا پر نہیں دیا گیا تھا اس کا تعلق دنیوی جاہ و منصب سے تھا۔ مگر بریلوی رسول اللہ ﷺ دو سرے انبیاء کرام اور صحابہ کے ناموں کے ساتھ ”حضرت“ لکھتے ہیں اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کو ”اعلیٰ حضرت“

یعنی اس عبارت کا آخری جملہ یہ تھا ”اگر ابن عابدین اور سید طحطاوی کے سامنے یہ فقہی آئینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔“

کے لقب سے پکارتے ہیں۔ کیا یہ مبالغہ نہیں ہے؟ یہ بات اس لئے کھٹکتی ہے کہ حضرت اور اعلیٰ حضرت سے دینی علم و فضل، روحانیت اور عقیدت وابستہ ہے اور یہ پڑھ کر دکھ ہوتا ہے کہ سید المرسلین و الاخرین جن کے فعلین کی دھول پر ہزاروں ”احمد رضا خان“ نچھاور کئے جاسکتے ہیں وہ صرف ”حضرت“ اور مولانا احمد رضا خان ”اعلیٰ حضرت“۔ بریلوی علماء اور اہل قلم کی کتابوں میں صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ملتے ہیں لیکن ناموں (ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابوذر، سعید بن عبادہ..... رضی اللہ عنہم) کے ساتھ۔ مگر فرط ادب سے یہ لوگ ”احمد رضا خان“ نہیں لکھتے ”اعلیٰ حضرت“ یا ”فاضل بریلوی“ لکھتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ان کے پیشوا (مولانا احمد رضا خان) کا نام کیس کیس ملتا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جن کے احترام و عقیدت سے ہمارے ذہن و قلب لبریز ہیں ان کی مشہور کتاب ”التکشف عن مہمات التصوف“ پر ”فاران“ میں مفصل تبصرہ کیا گیا اور جہاں جہاں تسامح نظر آیا اس پر گرفت کی گئی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ”تفہیم القرآن“ (جلد ششم) پر ”فاران“ میں مفصل تبصرہ آچکا ہے اور جہاں زبان و روز مرہ کا تسامح ہمیں کھٹکا ہے اس کا اظہار کر دیا گیا ہے۔

فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، (از پروفیسر محمد مسعود احمد) یہ لکھا ہوا بھی ملا کہ:

”فاضل بریلوی نے جن علوم و فنون میں دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ سے متجاوز ہے۔“

یعنی ۵۴ کے بعد بھی تعریف سے جی سیر نہیں ہوا۔ اس پر ”متجاوز“ کا اضافہ کرنا پڑا۔ اس طرح ان علوم و فنون کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہونی چاہئے۔ ان علوم میں۔

”ارٹھاطیقی“ لوگارشیات، مثلث، مسطح، جغز، ریجات، نجوم، اوقاف.....

بھی شامل ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے جب بریلی میں رہ کر درس نظامی پڑھا ہے تو یہ علوم آخر انہوں نے کن علماء سے پڑھے؟ پھر ساٹھ کے قریب علوم و فنون کی تعلیم کیلئے ساٹھ برس تو چاہئیں۔ علوم و فنون کی یہ تعداد کتنی مبالغہ آمیز ہے۔

خود مولانا احمد رضا خان اپنی تعلیم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں :

”میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب‘

تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں

ان کی ضرورت پڑتی ہے۔“

جمع، تفریق اور ضرب و تقسیم تو دوسری جماعت کا طالب علم بھی جانتا

ہے۔

”شرح جعفری شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا کہ

کیوں ان میں وقت صرف کرتے ہو۔“

مولانا احمد رضا خان صاحب ہی کے بیان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے

درس نظامی کے عام طالب علموں کی سطح پر ”شرح جعفری“ بھی نہیں پڑھی۔

مگر..... ”یہ تمام علوم بارگاہ رسالت میں تمہیں خود بخود

سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے

ہیں اسی بارگاہ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان

کی چار دیواری میں بیٹھا ہوا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل

حل کرتا رہتا ہوں۔“

(محاسن کنز الایمان ص ۲۳)

مولانا احمد رضا خان کے والد کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے لائق

فرزند کو ہیئت، ریاضی، جفر..... وغیرہ علوم بارگاہ رسالت میں سکھا دیئے جائیں

گے۔ کیا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قبر مبارک یا برزخ میں کوئی درس

گاہ قائم فرمائی ہے۔ جہاں حضور ﷺ اپنے امتیوں کو تعلیم دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا

ہوتا تو صحابہ کرام کو حضور فلسفہ و منطق کے علوم پڑھا دیتے۔ حالانکہ صحابہ کرام

کے درمیان فقہی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا تو ان مسائل کے بارے میں ان کا

یہ عقیدہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مقدسہ کی جانب متوجہ ہونے سے ان

مسائل کا حل مل جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے رسول

اللہ ﷺ خواب میں تشریف لا کر کسی مسئلہ میں تعلیم و ہدایت اور رہنمائی فرما

دیں۔ افسوس ہے کہ لوگ حقائق و واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور محض

خیالی تیر سکے لڑاتے ہیں۔ اگر سرکار ﷺ کی وفات کے بعد حضور کی بارگاہ سے

مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے تو حضرت فاطمہؑ فذک کا مسئلہ بارگاہ رسالت سے دریافت کر سکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ جنگ جمل میں روح رسولؐ سے رہنمائی حاصل کرتیں، اور صفین میں امیر معاویہؓ پوچھ لیتے کہ حضور میرے لئے کیا حکم ہے؟ ہم دونوں (علی و معاویہ) میں کون حق پر ہے۔

پھر کتنے اکابر علماء ہیں جنہوں نے علوم دینی حاصل کرنے کیلئے کسی کسی ریاضتیں اور مشقتیں کی ہیں۔ انہوں نے بلا وجہ یہ پاڑ پیلے۔ مولوی احمد رضا خان کی طرح بارگاہ رسالت سے یہ علوم حاصل کر لیتے۔ اہل بدعت اپنے محض خیال سے ایک عقیدہ تراشتے ہیں اور اس کی کوئی تردید کرتا ہے تو اسے شان رسالت کا منکر قرار دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کے والد نے جو بات علوم و فنون کی تعلیم کے سلسلہ میں کہی ہے ان میں ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ دینی علوم تو اپنے والد سے حاصل کئے اور ”ہیت“، ”جفر“، ”ارٹھاطیقی“ جیسے علوم جن کے بارے میں انہوں نے خود کہا ہے :

”..... ان میں کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔“

ان علوم کی تعلیم مولانا احمد رضا خان نے بارگاہ رسالت سے حاصل کی۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں دین و اخلاق کے علاوہ کسی سخاوت کو فلسفہ و منطق، ریاضی اور ہیت و فلکیات کی تعلیم نہیں دی..... جب حضور نے اپنی زندگی میں یہ کام نہیں کیا تو کون شخص اس کو باور کر سکتا ہے کہ حضور وفات پانے کے بعد ان علوم کی تعلیم عالم قدس میں دیا کرتے ہیں۔

بعض اولیاء اللہ کے ملفوظات میں اس قسم کے واقعات کہیں کہیں ملتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف وہ متوجہ ہوئے اور احادیث کی صحت یا کسی مسئلہ کے حل کی طرف رہنمائی مل گئی۔ مگر ہم ایسے واقعات کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ کھذیب بلکہ اگر کوئی مسلمان ان واقعات کو نہ مانے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ بارگاہ رسالت سے کسی

ایسے واقعات کے سلسلہ میں ہم اصولی بات عرض کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام کا یہ معمول نہیں رہا۔

عالم دین یا مسلمان طالب علم نے ریاضی و منطق، اقلیدس، ٹرگنومیٹری اور فلسفہ و ہیئت کے مسئلے سیکھے ہوں۔ یہ عجوبہ صرف مولانا احمد رضا خان کے سوانح حیات میں ملا اور خدا جانتا ہے کہ راقم الحروف ششدر ہو کر رہ گیا اور بریلوی مکتبہ فکر کی خرابی عقائد اور مبالغہ آرائی پر یقین اور زیادہ محکم ہو گیا۔

بعض مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل ایک اصولی بات عرض کر دوں.....
تفاسیر، احادیث، فقہ اور تصوف و تاریخ میں ہر طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ کسی نہ کسی کتاب میں ہر غلط سے غلط عقیدے کی تائید میں کوئی نہ کوئی قول ضرور مل جائے گا۔ تفاسیر میں بعض مفسرین نے ایسی اسرائیلی روایات پر اعتماد کیا ہے جن سے انبیاء کرام کے اخلاق و کردار پر حرف آتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سے کبھی کبھار سمو و تسامح بھی ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بروقت گرفت کے بعد درست ہو گیا۔ مگر کسی نبی نے ہوائے نفس کے تحت (معاذ اللہ) کوئی اخلاقی غلطی نہیں کی..... اس لئے وہ روایتیں جن میں کسی نبی کے کردار پر حرف آتا ہے رد کر دی جائیں گی۔ ملت اسلامیہ یا یوں کہئے سواد اعظم کا ہر دور میں یہ عقیدہ رہا ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے مگر اسرائیلی روایتوں سے متاثر ہو کر بعض مفسرین نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح مانا ہے۔ ان مفسرین کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے انبیاء اور اولیاء کو دنیا کی دنگیری اور مشکل کشائی کے اختیارات تفویض فرما دیئے ہیں..... اور میں نے ان بزرگوں کو یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ دور و نزدیک سے مصیبت زدوں کی فریاد سنتے ہیں اور ان کی مصیبتوں کو دور کرتے ہیں..... اس لئے جن پچھلے بزرگوں کی بھی کتابوں میں ایسے اقوال ملیں گے جن میں انبیاء و اولیاء کیلئے اختیارات و قدرت ثابت ہوگی۔ تو ان اقوال کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی بتایا ہے۔ اس لئے بدعات کی قسمیں قبول نہیں کی جائیں گے۔ جیسا کہ فاضل ناقد نے اپنے کتابچہ میں لکھا ہے کہ فلاں فلاں بزرگوں نے بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ان بزرگوں کا قول نہیں مانا جائے گا۔ ہرگز نہیں مانا جائے گا۔ بدعت حسنہ ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ ”سینہ“ ہی ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بڑی اچھی بات کہی کہ مجھے تو بدعت میں حسن نظر سےیں آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس چیز کو ”اچھی بدعت“ کہا ہے وہ لغوی اعتبار سے کہا تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں صحابہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی بار ایسا کیا۔ ہاں! حضور نے ہمیشہ اس پر عمل نہیں فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ باجماعت تراویح کو مسلمان فرض نہ سمجھ لیں۔ حضور کی وفات کے بعد یہ اندیشہ جاتا رہا اور جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خود پسندیدہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر مسلمانوں کو جمع کر دیا اور تراویح باجماعت پڑھی جانے لگی۔

”اس پر بعض لوگوں کو جب بدعت ہونے کا شبہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ نئی بات تو ہے مگر اس نوعیت کی نئی بات نہیں ہے جسے شریعت میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ نے بالاتفاق اس رواج کو قبول کر لیا اور اس کے بعد ساری امت اس پر عمل کرتی رہی۔ ورنہ یہ کون تصور کر سکتا ہے کہ شرعی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں اس کو رائج کرنے کا ارادہ حضرت عمر کے دل میں پیدا ہوا تھا اور صحابہ کی پوری جماعت بھی آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیتی۔“ (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ”توحید نمبر“ فاران)۔

مزارات پر میلے ٹھیلے، عرس، قبروں کی گل پاشی، چادروں کے جلوس، قبروں پر چراغاں، نذر و نیاز، فاتحہ اہل قبور سے استمداد اور استغاثت، تجا، دسواں، بیسواں، چالیسواں..... ان بدعات پر ”تراویح“ کا جسے حضرت عمر نے ”نعمت البدعہ“ فرمایا تھا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ان میں کون سا ایسا طریقہ ہے جسے ”تراویح“ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام نے اختیار کیا تھا۔ یا جس کا کوئی تصور یا دھندلا سا نقش عہد صحابہ میں پایا جاتا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بزاروں روایات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو ہم تکمید پہنچی ہیں۔ یہ ”میرت رسول“ کا ذکر نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ وہ اپنی محفلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

طیبہ کے واقعات بیان کرتے تھے اور ہر صحابی اپنی ذات سے سنت رسول پر عامل تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ہر صحابی ”سنت رسول“ کا ذکر اور مبلغ تھا۔ اس لئے ”سیرت النبی“ کے جلسوں کا انعقاد ”بدعت“ کیوں ہونے لگا۔ دیوبندی اور اہل حدیث کے یہاں سیرت النبی کے جلسے منعقد ہوتے ہیں اور ایک ایک دیوبندی عالم نے اپنی زندگی میں سیرت مقدسہ پر ہزاروں تقریریں کی ہیں۔ ان حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی کہ ذکر رسول سے وہ جلتے ہیں تہمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضور کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اپنی محفلوں میں حضور کی سنت اور سیرت کا بیان تو کرتے تھے کہ سیرت رسول کا ذکر ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ مگر خلفائے راشدین نے بارہ ربیع الاول کو جشن نہیں منایا نہ اس دن جلوس نکالا نہ چراغاں کیا نہ ”محفل میلاد“ قسم کی کوئی رسم ان کے یہاں پائی جاتی تھی نہ وہ حضور ﷺ کی ولادت کی روایتیں بیان کرتے وقت ”قیام“ کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ نہ تھا کہ جہاں صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے وہاں حضور تشریف لاتے ہیں۔ نہ وہ درود و سلام میں رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کرتے تھے۔ اپنے پیشواؤں اور اوتاروں کے دن ”ہندو“ عیسائی اور یہودی“ مناتے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلق حضور کی ذات اقدس سے ایک دن کا نہیں ہے ہر لمحہ اور ہر لحظہ کا تعلق ہے۔

اک لمحہ ان کی یاد سے غفلت ہے معصیت انہوں پر تصور جانا چاہئے جب پی لیا ہے بادۂ حب نبی کا جام پھر اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہئے (راقم الحروف)

شروع شروع میں جب میلاد کی محفلوں کا ہندوستان میں آغاز ہوا تھا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نکیر کی تھی کہ یہ کیانسی چیز رواج پارسی ہے۔ جو حق پسند علماء محفل میلاد اور قیام پر نکیر کرتے ہیں وہ معاذ اللہ ذکر رسول کے مخالف نہیں ہیں اور نہ ذکر رسول کی اہمیت افادیت اور برکت کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین نے اس رسم کو اختیار نہیں کیا۔ اس لئے ہم بھی ان کے اتباع میں اس رسم کو دین میں شامل نہیں سمجھتے۔ بارہ ربیع الاول کو ذکر رسول کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ مگر یہ

عجیب بات ہے کہ ماہ ربیع الاول کے علاوہ سیرت پر جو جلسے ہوتے ہیں ان کو بھی ”محفل میلاد“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ ”محفل میلاد“ اسی اجتماع کو کہتے ہیں جو بارہ ربیع الاول کو منعقد کیا جائے۔ یا پھر جس محفل میں حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر ہو۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بریلوی اور بدایونی علماء سیرۃ النبی کے جلسہ میں بچے ان سے پہلے سیرت پر تقریریں ہو چکی ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ کیا قیام ہوا؟ جواب ملا نہیں ہوا۔ بس پھر وہ اسٹیج پر آکر وعظ فرمانے لگے:

”جب حضرت آمنہ کا نکاح حضرت عبداللہ سے ہوا تو دو سو

عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں..... ایام حمل میں

حضرت آمنہ کو عام عورتوں کی طرح کوئی تکلیف نہیں

ہوئی..... جبرئیل نے کہا اظہر یا سید المرسلین..... اظہر یا

رحمت للعالمین.....“

اور اس کے بعد کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے لگے۔ اگر برسیل تنزل ذکر ولادت کے وقت قیام مباح اور مستحب بھی ہو تو مباح اور امر مستحب کو لازم اور واجب و فرض قرار دینا اور اس کے ترک کرنے والے کو مبغوض سمجھنا شرعاً درست نہیں ہے۔

انبیاء کرام کو رسول اللہ ﷺ نے ”علائی بھائی“ فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام انبیاء محترم ہیں اور ہم نفس نبوت کے لحاظ سے انبیاء کرام کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر ذکر ولادت کے وقت انبیاء کرام کی شکریم و تعظیم کیلئے قیام کرنا باعث ثواب ہوتا تو جب بھی ولادت مسیح سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت ہوئی تو حضور صحابہ کرام کو ”قیام“ کا حکم دیتے اور اپنے ”علائی“ بھائی کی تعظیم کیلئے خود بھی کھڑے ہو جاتے۔

محفل میلاد اب سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک بادشاہ کی نکالی ہوئی رسم ہے۔ اسی طرح قبروں پر قبوں کی تعمیر، مزارات کے اخراجات کیلئے جاگیروں کے عطیے، چراغاں کا اہتمام، مزاروں کی زیارت کیلئے پیادہ شدہ رحال، قبروں پر ازھانے کیلئے قیمتی غلاف..... ان تمام بدعات کا آغاز بادشاہوں نے کیا ہے۔ یہ بادشاہ بے تحاشہ دولت خرچ کر کے اس بہانے اپنی نجات و مغفرت کی توقع رکھتے

تھے۔

پھر ان بادشاہوں اور امیروں نے تعظیم و عقیدت میں اولیاء اللہ کو صحابہ کرام پر ترجیح دی ہے۔ عراق میں متعدد صحابہ کرام کے مزارات بے چراغ و بے غلاف ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مزار بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ راقم الحروف ۱۹۳۲ء میں وہاں حاضر ہوا تو وہاں نہ کسی متولی اور مجاور کو پایا اور نہ چراغ رکھے ہوئے دیکھے نہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے پائے گئے۔ نہ وہاں فاتحہ پڑھنے کیلئے لوگوں کو آنا جانا دیکھا۔ اس کے برخلاف حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر زائرین کا میلہ لگا رہتا ہے۔ اس مزار کے متولی اور صاحب سجادہ کے اقربا جو ”نقبا“ کہلاتے ہیں وہ مترفہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ بادشاہوں نے مزار شیخ کیلئے جاگیریں بھی وقف کی تھیں۔ عقیدت مند شیخ کے مزار کو چومتے ہیں، اس پر پھول چڑھاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ہر مہینہ کی ”گیارہویں“ کو تو مزار کے احاطہ میں میلہ اور نمائش لگی ہوتی ہے۔ حالانکہ حضور نے خود اپنی قبر مبارک پر میلا لگانے کی ممانعت فرمائی تھی۔ باب الشیخ میں حضرت شیخ جیلانی کے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ حضرات صحیح العقیدہ ہیں مگر نذر و نیاز اور ہدیوں کی وجہ سے ان باتوں کو گوارا کر لیتے ہیں۔ یہ بات میں اس بنا پر کہہ رہا ہوں کہ ۱۹۳۲ء میں سید محمد نقیب الاشراف تھے۔ میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی ہمراہی میں عراق گیا تھا۔ مولانا مرحوم کے اس خانوادے سے کئی پشت سے نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ اس لئے مزار شیخ کے سامنے کی عمارت جو ”کافی شریف“ کہلاتی ہے وہیں ہم نے قیام کیا۔ پیر ابراہیم صاحب جو ۱۹۳۵ء میں بمبئی سے عراق جانے کے بعد نقیب الاشراف ہو گئے تھے ان کے بڑے صاحبزادہ پیر شمس الدین صاحب ہمارے میزبان تھے۔ بمبئی کے ایک صاحب ”سینٹھ محمد موسیٰ“ سے شرکانہ عقائد اور بدعات پر میری بحث رہتی تھی۔ ایک دن میں نے پیر شمس الدین صاحب کی خدمت میں اس بحث و نزاع کا ذکر کیا۔ وہ سینٹھ موسیٰ کو مخاطب کر کے اور مزار شیخ جیلانی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے :

”یہ ہمارے جد شیخ عبدالقادر جیلانی کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ ان کی تعلیمات کو ہم تم سے بہتر جانتے ہیں.....“

مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنے کتابچہ میں لکھا ہے :
 ”اگر سرے سے بدعت کی یہ تقسیم ہی آپ کو تسلیم نہیں تو
 مصحف شریف میں جو سورتوں کے نام آیات کی تعداد اور
 رکوع وغیرہ لکھے جاتے ہیں اس کو کیا کہئے گا۔ مسجد کی محراب
 پر کیا حکم لگائیں گے، گھڑیوں کے حساب سے مقررہ وقت پر
 نماز پڑھنے کو کس کے کھاتے میں رکھئے گا؟“

ماشاء اللہ کیا دینی فکر ہے۔ کیا اسلامی دانش و حکمت ہے اور کیسی عجب سمجھ

ہے.....!

خود رسول اللہ ﷺ کے دور مقدس میں بعض صحابہ کرام پا جائے پہنچتے تھے
 اور حضور ہتھمہ! تو صحابہ کا یہ عمل بدعت اور خلاف سنت نہ تھا اور نہ حضور ﷺ
 نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس سے سامنے کی بات ہر شخص کے ذہن میں آسکتی ہے
 کہ تمدن و تہذیب کی چیزوں اور طریقوں پر بشرطیکہ ان کے استعمال سے شریعت
 کا کوئی اصول نہ ٹوٹتا ہو۔ اللہ اور رسول نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ خود حضور
 نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے ایک غزوہ میں خندق کھدوائی تھی۔
 جنگ میں یہ مدافعتی طریقہ اہل فارس کے یہاں مروج تھا۔ اس سے معلوم ہوا
 کہ تمدن کی ضرورتوں کیلئے دوسری قوموں کے مفید طریقے بھی مسلمان اختیار
 کر سکتے ہیں۔ دفاتر ہیں، اسمبلیاں ہیں، ہر طرح کی مشینیں اور فیکٹریاں ہیں۔ درس
 گاہیں اور تعلیمی ادارے ہیں، ان میں داخلے کے قواعد و ضوابط ہیں، دفاتر اور
 کارخانوں کا Routine ہے، ہوائی جہاز اور ملیں ہیں..... ان میں کسی چیز میں
 ”بدعت“ کی ادنیٰ سی جھلک بھی نہیں پائی جاتی۔ ان ایجادات سے اور انتظامی
 امور سے کسی قسم کی کوئی عقیدت وابستہ نہیں ہے۔ لوگوں کی سہولت کیلئے قرآن
 کریم میں اعراب لگانا اور سورتوں اور رکوعوں کی تعداد کا تعین اور تقسیم بھی
 بدعت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا جیسا لباس میں پہنتا ہوں ٹھیک ویسا ہی
 لباس امت کو پہننا چاہئے یا جس وضع کی مسجد مدینہ میں تعمیر ہوئی ہے بس اسی
 نمونے پر تمام مسجدوں کا بننا ضروری ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں مختلف
 شہروں میں مختلف نمونے کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ہاں! ان میں دو چیزیں مشترک

تھیں کہ تمام مساجد کا رخ کعبۃ اللہ کی سمت تھا اور کسی مسجد میں کوئی بت یا تصویر نہیں تھی۔ نئی نئی وضع کی مسجدوں کی تعمیر پر صحابہ نے نکیر نہیں کی۔ ہاں! ایک شخص جو عید کی نماز سے پہلے نوافل پڑھ رہا تھا اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ٹوکا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید سے قبل نوافل نہیں پڑھے۔ اس لئے! اے شخص رسول مہتمم کی مخالفت پر کیا عجب ہے تجھے عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ اس مثال سے ”بدعت“ کے کہتے ہیں؟ سمجھ میں آسکتی ہے بشرطیکہ کسی کے دل میں بدعت سے نفرت ہو اور سنت رسولؐ سے محبت۔

بدعتی سے فاسق و فاجر بہتر ہوتا ہے کہ وہ فسق و فجور کو برا سمجھتا ہے۔ اس لئے زندگی کے کسی نہ کسی دور میں تائب ہو جاتا ہے مگر بدعتی چونکہ بدعت کو خیر و برکت کا باعث سمجھتا ہے اور اپنے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی توقع رکھتا ہے اس لئے بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ شرک و بدعت سے انتہائی بیزاری اور نفرت دل میں پائی جائے اور توحید و سنت سے دلی لگاؤ اور فطری محبت ہو! شرک آمیز عقائد کے جواز کیلئے بعید از قیاس تاویلیں اور نکتہ چینیاں اور بدعات کو جائز و حسین ثابت کرنے کا داعیہ..... اور اس پر عشق رسول کا دعویٰ بالکل زبیب نہیں دیتا۔

بدعت کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اس کیلئے دو واقعے بیان کرتا ہوں۔ راقم الحروف جس گاؤں (کسیر کلاں، ضلع بلند شہر یوپی) کا رہنے والا ہے وہاں کے مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے مگر بی بی فاطمہ کی صحنک اور کوندوں کی رسموں سے کوئی واقف نہ تھا۔ قصبہ ڈبائی سے ایک عورت ہمارے یہاں بیاہ کر آئی۔ اس نے اپنے یہاں سب سے پہلے ”کوندوں“ پر فاتحہ دلائی۔ اس کے بعد یہ بدعت چل پڑی اور پھر گھر گھر میں ”کوندے“ ہونے لگے۔

پاکستان بننے کے بعد کراچی میں سیرۃ النبی کے جلسے بکثرت ہوتے تھے۔ راقم الحروف کو اکثر و بیشتر جلسوں میں مدعو کیا جاتا۔ اب جلسوں میں یہ ہونے لگا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو لوگ کھڑے ہو جاتے۔ کئی جلسوں میں یہ صورت دیکھنے میں آئی۔ ایک جلسہ میں مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اسٹیج پر آکر کہا کہ عیسائیوں کی نکالی ہوئی رسم ہے کہ جب بائبل گرجاؤں میں پڑھی جاتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتاب و سنت، آثار صحابہ اور ائمہ فقہ و حدیث بلکہ

صوفیوں تک کے اقوال میں اس فعل کیلئے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ میری گزارش کا لوگوں نے اثر قبول کیا اور یہ بدعت ٹھپ ہو کر رہ گئی۔ میں نکیر نہ کرتا تو ”قیام میلاد“ کی طرح قرأت قرآن کے وقت ”قیام“ بھی باعث ثواب اور مستحب سمجھا جاتا۔ یہ بدعت ”تعمیم قرآن“ کے نام پر چل پڑتی۔

راقم الحروف نے جو یہ لکھا تھا:

”قرآنی لغات میں دعوت کے معنی پوجنے کے نہیں بلکہ بلانے کے دیئے

گئے ہیں۔“

تو یہ لکھ کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مفردات امام راغب اصفہانی ترجمہ کے ساتھ میرے یہاں موجود ہے۔ اس میں ان لفظوں (ادعو، یدعو، تدعو، ندعون، ندعو) کے معنی میں ”عبادت اور پوجنا“ نہیں ملا۔ اسی طرح لغات القرآن میں جس کی شروع کی چار جلدیں مولانا عبدالرشید نعمانی نے مرتب کی ہیں اور بعد کی دو جلدیں مولانا دائم جلالی نے! اس میں بھی اس لفظ کے مشتقات کے معنی ”بلانے“ پکارنے“ ہی کے لکھے ہیں۔ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی ”قاموس القرآن“ میں بھی یہی صورت نظر آئی..... تو جتنی قرآنی لغات میرے پاس ہیں ان میں یدعو، تدعو..... کے معنی پوجنے کے نہیں بلانے کے دیئے گئے ہیں۔ میں نے ”قرآنی آیات“ کا حوالہ دیا تھا۔ یہ نہیں لکھا تھا کہ تفاسیر اور قرآن کے ترجموں میں بھی ان الفاظ (یدعو، تدعو، ندعو) کے معنی میں صرف ”بلانا“ لکھے ہیں ”پوجنا“ نہیں لکھے۔

مولانا سعیدی صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ المند کے ترجمے اصل آیات کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ ان میں بے شک بلانا نہیں ”عبادت“ ہی لکھا ہے۔ فاضل معترض نے تحریر فرمایا ہے کہ حافظ سیوطی اور علامہ آلوسی ”ندعون“ کی تفسیر ”تعبدون“ سے کرتے ہیں اور شیخ ابو السعود علامہ اسماعیل حقہ اور محمود آلوسی نے بھی ”انما ادعو ربی“ کی تفسیر ”انما اعبد ربی“ کے ساتھ کی ہے۔ ان کی یہ تحقیق معلومات افزا ہے۔ مگر ہم نے مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کے بارے میں یہ لکھا تھا:

”مولانا احمد رضا خان نے اپنے مزمومہ عقائد کو ذہن میں رکھ کر قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے متعدد آیات کا ترجمہ صحت معنوی اور قرآن کے منشاء

کے اعتبار سے خاصہ محل نظر ہے۔“

”محل نظر“ اور ”غلط“ مترادف المعانی نہیں ہیں۔ بعض مقامات پر مولانا بریلوی کا ترجمہ ہمیں کھٹکا ہے۔ اس لئے ہم نے غلط نہیں ”خاصہ محل نظر“ کہا اور اس طرح تنقید میں احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھا۔

فاضل ناقد کی یہ بات درست ہے کہ شیخ الہند نے اور خود مولانا اشرف علی تھانوی نے بعض مقامات پر ”مدعون“.... من یدع مع اللہ..... وغیرہ آیات کے ترجمہ میں ”عبادت“ ہی لکھا ہے۔ مگر شیخ الہند نے..... فلا مدع..... الہا آخر کا ترجمہ ”عبادت“ نہیں ”مت پکارو“ ہی کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس آیت کے ترجمہ میں تو بے شک ”عبادت“ ہی لکھا ہے مگر یہی آیت سورۃ القصص (پارہ ۲۰) میں آئی ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ ”الشعراء“ کی آیت میں ”فلا“ ہے اور اس آیت میں ”ولا“ ہے۔ ”ولا تدع مع اللہ الہا آخر..... (القصص ۲۸=۸۸)“ کا ترجمہ مولانا تھانوی نے ”مت پکارو“ ہی کیا ہے۔

مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے ”الشعراء“ کی آیت کے ترجمہ میں ”فلا تدع“ سے عبادت نہیں ”مت پکارنا“ ہی مراد لیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کا ترجمہ قرآن بڑی اہمیت اور وزن رکھتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ قرآن زبان کی صحت اور پیرایہ بیان کی خوبی کے لحاظ سے بھی اپنا آپ ہی جواب ہے۔ انہوں نے بھی ”مت پوجو“ نہیں ”مت پکارو“ ترجمہ کیا ہے۔ اردو کے اکثر و بیشتر قرآنی ترجموں میں ”لا تدع.....“ کا ترجمہ ”مت پکارو“ ہی ملتا ہے اور یہی ترجمہ اقرب الی الصحت ہے۔ عبداللہ یوسف علی نہ دیوبندی تھے نہ بریلوی۔ انہوں نے اس آیت (فلا تدع....) کا ترجمہ ”مت پوجو“ نہیں کیا ”مت پکارو“ ہی کیا ہے۔

”So call not any other god with God.“

”فلا تدع..... الہا آخر“ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو دور و نزدیک سے استدعا و استعانت کیلئے پکارتے ہیں وہ اس طرح ان کو معبود بنا دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی چونکہ انبیاء و اولیاء کو مدد کیلئے دور و نزدیک سے پکارنے کے قائل ہیں اس لئے یہاں اور جس جگہ

بھی ”یدعو“ اور ”یہدعو“ کا ترجمہ ”پکارنا“ اقرب الی الصحت ہوتا وہاں انہوں نے ”پوجنا“ ترجمہ کیا ہے تاکہ غیر اللہ کو عرض غم اور بددعا استعانت کیلئے پکارنے کا عقیدہ صحیح سالم رہے۔ جس کسی کا وجدان اور ضمیر توحید کے تقاضوں کو پہچانتا ہو گا وہ قرآن کے ترجمہ میں توحید کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے گا اور جو کوئی انبیاء و اولیاء کو حلال مشکلات اور فریاد رس و دہکس..... سمجھتا ہو گا وہ ترجمہ قرآن میں اپنے عقیدے کی ضرور رعایت رکھے گا۔

جہاں صرف خالص ”عبادت“ کہنا مقصود ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے ”یعبدون... تعبدون“ فرمایا ہے۔ اس لفظ کا اصل مادہ ہی ”ع ب د“ ہے مگر یہ عموماً... حدعو کی اصل ”د ع و“ ہے اور ”الدعا“ کے معنی ندا ہی ہیں۔

”..... ارئیتکم..... ما تشکون (الانعام ۶۱-۶۲)“

”ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو۔ بولو! اگر تم سچے ہو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے، پھر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔“

ان آیتوں میں صحیح ترجمہ قرآنی منشاء کے مطابق ترجمہ عبادت کرنا اور پوجنا نہیں ”پکارنا“ ہے۔ خود قرآن کریم میں ”یعبد“ اور ”یدعو“ کے معنی میں جو فرق ہے اس کو بتایا گیا ہے۔

”قل انی نہیت ان اعبد الذی تدعون من دون اللہ (الانعام ۶۱-۵۶)۔“

”اے نبی! ان سے کہو کہ تم اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی عبادت کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔“

مگر اس آیت کا ترجمہ بھی مولانا احمد رضا خان نے یوں کیا ہے :

”تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہوں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔“

اس آیت میں مولانا بریلوی کے علاوہ جس کسی نے بھی ”یہدعون“ کا

ترجمہ ”پکارتے ہو“ کی جگہ ”پوچھتے ہو“ کیا ہے صحیح نہیں کیا۔ مولانا احمد رضا خان نے ”کہو“ کے بجائے ”فرماؤ“ لکھ کر رسول ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ عقیدت و تکریم کا پہلو ملحوظ رکھا ہے مگر اس طرف ان کی نگاہ نہیں گئی کہ بادشاہوں کے خطاب و کلام کے بھی آداب و مراتب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو ”ملک الملوک“ ہے۔ بادشاہ اپنے کسی وزیر، قاصد، ایچی اور نائب و نمائندہ سے یوں نہیں کہے گا..... ”فرعایا میں جا کر میرے منشور کا اعلان فرما دو.... یا.... تم میری طرف سے یہ ارشاد کر دو۔“

”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ کی مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جو تفسیر کی ہے اس پر ”فاران“ میں نقد و احتساب کیا گیا تھا کہ یہ قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ مگر مولانا سعیدی صاحب نے اپنے کتابچہ میں ناقص عبارت نقل فرمائی ہے :

”..... باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الہی کے

مظہر ہیں، بندے کو چاہئے اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں

دست قدرت کو کار فرما دیکھے۔“

اس عبارت پر کون احسن معترض ہو سکتا ہے..... محل اعتراض بریلویوں کے صدر الافاضل صاحب کی یہ تفسیر ہے :

”اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے

استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوئے جو

وہابیہ سمجھتے تھے تو قرآن پاک میں اعینونی بقوة و استعینوا

بالصبر و الصلوٰۃ کیوں آتا۔“

یہ تفسیر غلط اور قرآن کے منشاء کے خلاف ہے۔ مولانا غلام رسول سعیدی کو بھی مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی مندرجہ بالا عبارت میں کھٹک محسوس ہوئی۔ اس لئے اپنے کتابچہ میں اسے حذف کر دیا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز کی عبارت کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے اس میں یہ کب لکھا ہے کہ ”اولیاء اور انبیاء“ سے مدد چاہنا ”جائز ہے“ مظہر عون الہی سے شاہ صاحب کا یہی مطلب ہے کہ آلات، خدام اور احباب اور دنیوی حکام اہلکاروں اور کارپردازوں سے مدد چاہنا شرک نہیں ہے۔

”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ کی جو تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے کی ہے وہ شدید قابل اعتراض ہے اور وہ آیت جو استغاثت اور عبادت میں خاص اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے اس میں بھی انہوں نے غیر اللہ سے استغاثت و استغاثہ کے جواز کیلئے نکتے پیدا کئے ہیں۔ (معاذ اللہ)

”بریلوی حضرات کا مسلک وہ نہیں جو گول مول انداز میں ماہر

صاحب نے لکھا ہے۔ اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ کسی

بزرگ کے ایصالِ ثواب کیلئے جانور کو نامزد کر دیا جائے تو

جائز ہے۔“ (ص ۲۲)

”ایصالِ ثواب“ کیلئے کسی بزرگ کے نام سے جانور کو نامزد کر دینا جائز

نہیں ہے۔ دیوبندیوں کا یہ مسلک درست ہے۔ یہی مسلک شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تھا۔

علماء بریلوی نے ”عطاء“ اور ذاتی و غیر ذاتی کا ایسا پکر چلا رکھا ہے کہ وہ آیات جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے محکمات کا درجہ رکھتی ہیں ان میں بھی یہ حضرات اپنے غلط مسلک کے جواز کیلئے نکتے پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کونین کے خزانے عطا فرما دیئے تھے بلکہ اس کی نفی آئی ہے کہ:

قل لا اقول لكم عندی خزائن اللہ (الانعام ۵۰)

مگر اس آیت کے معنی مولانا سعیدی نے کس طرح محرف کئے ہیں۔

”تم کو کہ میں ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں۔“

اس آیت کے معنی میں ”ذاتی طور پر“ کا اضافہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔

مولانا صاحب کے اس نظریہ کی بنیاد پر تو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ

”حقیقی اور ذاتی رب“ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، ہاں انبیاء اور اولیاء ”عطائی رب“

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار عطا کرنے سے ”رب“ بنے ہیں۔

مولانا موصوف نے جو معنی بیان کئے ہیں اس کے بعد اس آیت کی تفسیر

ملاحظہ کیجئے:

”..... تاکہ جب آپ کی قدرت اور تصرف کے عظیم مظاہر

لوگوں کے سامنے آئیں تو ان کے نزدیک آپ کی ذات

الوہیت سے مشتبہ نہ ہو اور وہ یہ سمجھ لیں کہ آپ اپنی قدرت کے ان تمام کمالات کے باوجود اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور آپ سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہی ہوتا ہے۔ آپ کی ذاتی قدرت کار فرما نہیں ہوتی۔“

جس چیز کی اللہ تعالیٰ ”دلفی“ فرما رہا ہے مولانا صاحب اس کا اثبات کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس جسارت کو کیا کہا جائے جس طرح قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ میں اس کائنات کا مالک ہوں، رب ہوں، ناصر و کارساز ہوں، سب کچھ میرے دست قدرت میں ہے، میں ہی ہر کسی کی مصیبت کو دور کرتا ہوں، مجھی سے مانگو اور دعا کرو۔ اسی طرح کسی آیت میں یہ بھی فرما دیا جاتا کہ میرے دیئے ہوئے خزانوں اور قدرت و اختیار کی بنا پر میرے رسول دنیا کو خزانے بانٹا کریں گے اور ہر مصیبت زدہ کی مصیبت دور کیا کریں گے اور ان سے استغاثہ کیا کرنا کیونکہ میری عطائے ان کو مشکل کشا، خلق کا حاجت روا اور ذاتی نہیں عطائی سمیع و بصیر بنا دیا ہے۔

انبیاء کے پاس دیئے ہوئے خزانوں کا ہونا، یہ کافروں اور مشرکوں کا انداز فکر ہے۔ کفار قریش یہی کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی اور رسول ہے جس کے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔

”.... ان يقولوا لا انزل عليه كنز“ (سورۃ ہود: ۱۲)

”اس بات پر وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر خزانہ کیوں نہیں اترا۔“ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خزانہ ہوتا تو حضور کفار و مشرکین کی اس طغیانی تردید فرما دیتے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خزانے دے رکھے ہیں۔ (مگر تم کو دکھائی نہیں دیتے)۔

مولانا غلام رسول نے انا اعطینک الكنوز کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی کی عربی عبارتیں درج کی ہیں کہ :

”ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے“ (مولانا سعیدی ص ۲۲) مگر ”کوثر“ کو تو عام طور پر ذکر بولا جاتا ہے۔

”کوثر سے مراد خیر کثیر اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیں۔“
 حالانکہ صحیح تفسیر ”حوض کوثر اور خیر کثیر“ ہے۔
 مگر قرآن کیا کہتا ہے :

قل لا املك بیومنون (الاعراف ۷: ۱۸۸)

”اے محمد! کو کہ میں اپنی ذات کیلئے کسی نفع اور نقصان کا
 اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔
 حالانکہ اگر مجھے علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے
 حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو ایک
 خیردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“

کیا اس کا ترجمہ اور تفسیر اس انداز میں کی جائے گی کہ ”میں اپنی ذات
 کیلئے ذاتی طور پر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، ہاں! اللہ نے ویسے مجھ ہر شے پر
 قدرت و اختیار دے رکھا ہے.....“ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب
 اور اللہ کے دیئے ہوئے خزانوں کے مالک ہونے کی نفی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ
 خود نبی کی زبان سے کہلاتا ہے کہ اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں
 ہوں۔ مگر اہل بدعت نے ان آیات حکمت کے مقابلہ میں اپنا ”علم کلام“ ایجاد
 کیا ہے جس کی دلیلوں کے بل بوتے پر اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایسی عجیب و
 غریب تاویلیں کی جاتی ہیں کہ قرآن کے مفسوم و منشاء کی تائید و اثبات کی جگہ
 ”نفی“ کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ خود اللہ
 تعالیٰ نے کہلویا ہے کہ میں کیا ہوں؟..... یعنی ”مذیر و بشیر“ ہوں، مالک دو
 جہاں اور عالم الغیب نہیں ہوں۔

معجزات برحق ہیں مگر ان معجزات سے یہ مفسوم پیدا کرنا کہ دونوں جہاں
 میں تصرف اور تمام عالم کی دہگیری، کارسازی اور مشکل کشائی کے تمام
 اختیارات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرما دیئے تھے۔ یہ عقیدہ قرآن کے
 مطابق نہیں ہے۔

لے ”السوء“ کا ترجمہ عام طور پر ”برائی“ کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی نے ”نقصان“ کیا ہے۔

غزوہ خیبر میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ حضور نے لعاب دہن لگایا اور آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ لیکن دوسری طرف یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ کے زخم کو خود حضور نے دست مبارک میں مشفق لے کر دافا لیکن زخم اچھا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عالم بالا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عالم قدس کی سیر کرا دی اور حضور وہاں پہنچے جہاں کسی نبی اور فرشتہ کی رسائی نہیں ہوئی۔ اور یہ سب تھوڑی سی مدت میں ہوا:

در کی زنجیر بھی جنبش میں ہے بستر بھی ہے گرم
رک گئی گردش افلاک و زمین آج کی رات
(راقم الحروف)

مگر ہجرت کی شب میں یہ نہیں ہوا کہ پلک جھپکتے آپ اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر مدینہ پہنچ جاتے۔ اس سفر میں حضور کو مشقت اٹھانی پڑی۔ غار ثور میں کفار قریش کی پیچل سن کر حضرت ابوبکر ﷺ کو تشویش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ”میں تمہارے ساتھ ہوں“ پھر تم کیوں فکر و ملال کرتے ہو بلکہ حضور نے ”ان اللہ معنا“ فرمایا کہ ہم دونوں کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہماری حفاظت بھی وہی فرمائے گا اور دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ مکہ میں بیٹھ کر حضور کے خلاف سازش کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مدینہ میں اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ مگر ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں کہ حضرت یحییٰ کو کافر سمجھ کر مسلمان شہید کر دیتے ہیں اور حضور بھی وہاں موجود ہیں لیکن حضور کو بھی صحابہ کی طرح اس کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک عورت جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیتی تھی جب شب میں وفات پا گئی اور اس کا کفن دفن بھی ہو چکا تو دوسرے دن حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ وہ عورت کہاں ہے جواب دیا گیا کہ رات اس کا انتقال ہو گیا۔ حضور نے فرمایا مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔

غزوہ تبوک میں یہ معجزہ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیت دیکھنے میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے دھارے رواں ہیں اور حضور ﷺ کے معجزہ ”خیر کثیر“ کا یہ واقعہ شاہد ہے کہ چھوٹے سے پیالہ کا دودھ دس صحابہ نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر بھی پیالہ کا دودھ کم نہیں ہوا..... مگر یہ بھی دیکھنے میں آیا

کہ حضور کے گھر میں ایک وقت کے کھانے کا بھی غلہ وغیرہ نہ تھا اور حضور کو تین وقت کا فاقہ کرنا پڑا۔ بعض صحابہ کو پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہ آتا تھا اور حضور کو ان کی ناداری کا علم تھا مگر آپ ان کیلئے طعام و غذا کا بندوبست نہ فرما سکے۔ جب مال قیمت آتا تھا تو حضور انتہائی فیاضی کے ساتھ مال تقسیم فرماتے تھے کہ نادار غنی ہو جاتے تھے اور خود اپنے یہاں فقر و ایثار اور بے غرضی اور للہیت کی یہ کیفیت کہ آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر اقدس پر لوزہنی بھی ثابت نہ تھی۔ ایک سائل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور کے پاس دیئے کیلئے کچھ نہ تھا۔ سرکار نے اس سائل سے فرمایا کہ تم میرے نام پر قرض لے لینا میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔

پورے قرآن میں ہر نبی کے صاحب اختیار اور غیب داں ہونے کی نفی ہے۔ فرشتہ آتا ہے تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسے پہچان نہیں سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو گھونہ مارا اور وہ شخص مر گیا۔ آپ گرفتار ہو جانے کے خوف سے برسوں باہر رہے۔ حضور دنیا جہان کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے مگر قرآن کتا ہے کہ ہدایت کا دینا اور سیدھی راہ پر چلانا یہ رسول اللہ ﷺ کے قبضہ اختیار سے باہر تھا۔ ہدایت کا دینا یا نہ دینا اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حضور مستجاب الدعوات تھے۔ مگر قرآن یہ بھی کتا ہے :

”اے نبی! تم ایسے لوگوں کیلئے معافی کی درخواست نہ کیا کرو“
 اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔

(التوبہ ۹: ۸۰)

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ کون و مکان میں تصرف کا کامل اختیار اور اقتدار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دے رکھا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ رسول کی ہر دعا کا قبول ہونا بھی لازمی نہیں تھا۔ اگرچہ حضور مستجاب الدعوات تھے۔
 - بریلوی حضرات اول تو قرآن کی محکم آیات سے اپنے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کیلئے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں جو قرآنی مفہوم و خشاک کے مطابق نہیں ہوتے۔ یہی کرتب وہ احادیث میں دکھاتے ہیں : مثلاً

”انما انا قاسم واللہ يعطي“

کا کس زور شور سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانے رسول اللہ ﷺ کو عطا کر دیئے ہیں۔ معطیٰ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، رسول اللہ اس عطا کے قاسم ہیں۔ اصل حدیث کی ابتدائی عبارت یہ لوگ حذف کر دیتے ہیں۔

”من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین انما انا قاسم واللہ یعطی۔“

(جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا

ہے اور میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے۔)

یہاں عطا سے مراد مال اور رزق و دولت کی عطا اور تقسیم نہیں ہے بلکہ تفقہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ علم و حکمت حضور کو عطا فرماتا تھا اور حضور صحابہ کرام کو حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی جو حکمت عطا فرمائی تھی وہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ، مرقوم اور منسطور ہے اور کوئی شخص نبوی تعلیم و حکمت سے بے نیاز ہو کر دین میں فلاح و سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔

”الکوثر“ کی تفسیر میں مولانا سعیدی لکھتے ہیں :

”کوثر سے مراد دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مراد ہیں۔ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو خیر کثیر اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں دی ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ”انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض“ مجھے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔“ (بخاری جلد اول)۔

ایک طرف یہ حدیث دوسری طرف قرآن کریم کی یہ آیت :

”قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔“

اے نبی تم کہہ دو کہ میرے پاس اللہ کے (دیئے ہوئے) خزانے نہیں

ہیں۔

ظاہر ہے جو حدیث قرآن کی مخالف ہوگی اسے قبول نہیں کیا جاسکتا اور وہ بھی کسی فقہی مسئلہ میں نہیں بلکہ بنیادی اعتقادی مسئلہ میں..... مگر حدیث صحیح بخاری کی ہے اور قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ ہاں! قرآن کی مخالف اس وقت ہوگی جب اس کے وہ معنی کئے جائیں جو اہل بدعت کرتے ہیں اور عام طور پر یہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں

کی کنبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔ حالانکہ قرآن جس کی نفی کرتا ہو حدیث اس کا اثبات کرے یہ ناممکن ہے۔ پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور رب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور جب میں سو رہا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ زمین کے خزانوں کی کنبیاں مجھے دی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔“

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا زمین پر اپنے امتیوں کے قبضہ و تسلط اور حکومت کی طرف اشارہ اور پیش گوئی ہے جو عالم مثال میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔ خود حضور کے مبارک دور میں عرب پر آپ کا قبضہ ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ایسا دور گزرا ہے کہ اس وقت کی دنیائے معلوم کا بہت بڑا رقبہ نبی آخر کی امت کے زیر نگیں تھا اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی حکومت بلکہ حکومتیں رہی ہیں۔

مکواۃ کی حدیث کے اس نکلے:

واحلّت لی الغنائم و جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً۔

(اور میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں اور زمین میرے لئے مسجد اور

پاک کرنے والی جگہ بنائی گئی ہے۔)

”احلّت لی“ ”میرے لئے حلال کئے گئے“ میں وہ تمام غنائم شامل ہیں جو آپ کے امتی جہاد کے ذریعہ حاصل کریں گے اور ”زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی“ میں وہ تمام رقبہ زمین شامل ہے جو حضور کے امتی قیامت تک اپنے سجدوں سے معمور کریں گے۔ اسی طرح ”او تبت بمفاتیح خزائن الارض“ میں عرب کے سوا وہ تمام رقبہ زمین شامل ہے جو آپ کے امتیوں کے قبضہ میں آیا اور قیامت تک آباد رہے گا۔

اگر یہ حدیث خواب کا واقعہ نہ ہوتی تو بھی اس کے یہی معنی لئے جاتے کہ کتاب اللہ سے نکلے ہوئے ہو مگر حضور کا یہ فرمانا ”انا دائم رائی“ ”جب میں سو رہا تھا تو مجھے دکھایا گیا“۔ حدیث کے اس نکلے نے مسئلہ کو آسان تر بنا دیا۔ اس پر شاید یہ اعتراض وارد کیا جائے کہ انبیاء کرام کے خواب سچے (رویائے صادقہ) ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہوا ہے کہ انبیائے کرام کو واقعات عالم مثال میں دکھائے

گئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں اور چاند سورج کو خواب میں دیکھا کہ وہ انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ مثالی واقعہ اس طرح سچا ہو کر رہا۔

ورفع ابوہ علی العرش وخر والہ سجدا۔

شاید کہا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے جب خواب دیکھا تھا تو وہ اس وقت کمسن تھے۔ نبوت کہاں ملی تھی اس کے جواب میں حدیث پیش کی جاتی ہے 'خواب میں جو شے نظر آئی اس کی خود حضور ﷺ نے تاویل فرمائی۔

عن انس قد طاب۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک رات اس حالت میں کہ سونے والا دیکھا کرتا ہے۔ دیکھا، گویا کہ میں عتبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور ہمارے سامنے رطب (نازہ کھجور) لائے گئے تو میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ ہمارے لئے دنیا میں رفعت اور آخرت میں انجام (اچھا ہے) اور ہمارا دین مکمل اور احسن ہو گیا۔“

مولانا سعیدی کی درج ذیل عبارت پڑھئے اور ان کی ”فکر عجیب و غریب“ کی داد دیجئے۔

”یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشتباہ الوہیت دور کرنے کیلئے اپنے آپ کی زبان سے کہلویا کہ تم کو میرے پاس (ذاتی طور پر) اللہ تعالیٰ کے خزانے میں ہیں.....“

قرآن کریم کو ان لوگوں نے کھیل بنا لیا ہے (استغفر اللہ..... معاذ اللہ)۔ اگر قرآن میں صرف ”خزائن“ آتا تو بھی اس کے یہی معنی لئے جاتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے پاس خزانے ہونے کی نفی کر رہا ہے۔ مگر آیت میں ”خزائن اللہ“ آیا ہے یعنی وہ خزانے جو اللہ تعالیٰ کے (ذاتی) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں دیئے!

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے اور ہر طرح کے اختیارات ہوتے تو کوئی صحابی نادار نہ رہتا۔ کسی صحابی کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی..... کیونکہ حضور پر صحابہ کی تکلیف گراں گزرتی تھی (..... عزیز علیہ ما)

اور آپ صحابہ کی بھلائی کیلئے بہت حریص تھے۔ (حریص علیکم)۔

اگر صحابہ کرام کا بریلویوں کی طرح یہی عقیدہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانے اور اختیارات عطا فرما دیئے تھے..... تو در اقدس پر ہر وقت سالکین کی بھیڑ لگی رہتی۔ کیا صحابہ نے مال غنیمت کے علاوہ حضور کے حجرہ مقدسہ میں سونے، چاندی، زر و جواہر کے ڈھیر لگے ہوئے دیکھے کہ حضور ضرورت مندوں کو تقسیم فرما رہے ہیں، وہ بعض صحابہ جن کے پاس پہننے کیلئے پورا لباس بھی نہ تھا ان کو حضور کیا لباس عطا فرمایا کرتے تھے۔ یا آپ کی نگاہ کے تصرف سے ان نیم برہنہ صحابہ کے جسم آپ ہی آپ لباس سے مزین ہو جاتے تھے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرح تمام اولیاء کے صاحب تصرف اور صاحب اختیار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جس طرح رسول اللہ ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کیلئے قدرت و اختیار آخر کہاں سے ثابت کیا جاتا ہے؟

ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

کا ترجمہ مولانا احمد رضا خان نے یوں کیا ہے:

”یہ رسول تمہارے نمکبان و گواہ۔“

ترجمہ میں ”نمکبان“ کا اضافہ یہ مولانا بریلوی کا اپنا ذوق اور عقیدہ ہے۔ ”نمکبان“ صرف دیکھنے والے کو نہیں ”محافظ“ کو بھی کہتے ہیں۔ بسوں اور لاریوں پر ”اللہ نمکبان“ لکھا ہوتا ہے جس کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے کہ وہی نمکبان ہے، کائنات کا نگران، نمکبان اور حفاظت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ غلط

نہیں کیا۔ مگر مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ جامع اور صحیح تر ہے۔

”اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔“

مولانا مودودی کا ترجمہ:

”اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو دراصل یہ دنیا والوں کے حق میں

ہماری رحمت ہے۔“

محل اعتراض کیوں ہے اس ترجمہ سے یہی مترشح اور ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ مولانا سعیدی نے اس پر طنز کی ہے:

”کیا سبب ہے کہ مودودی صاحب حضور ﷺ کو سرے سے رحمت مانتے ہی نہیں۔“

مولانا موصوف کا یہ الزام درست نہیں ہے۔ اس ترجمہ کے حاشیہ میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

”دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”ہم نے تم کو تمام دنیا والوں کیلئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔“

دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ ”نبی ﷺ کی بعثت دراصل نوع انسانی کیلئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے.....“

فان يشاء الله يحتم على قلبك -

شاہ عبدالقادر: سو اگر اللہ چاہے مرکز دے تیرے دل پر۔
 مولانا محمود حسن: سو اگر اللہ چاہے مرکز دے تیرے دل پر۔
 مولانا اشرف علی تھانوی: سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔
 مولانا مودودی: اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مرکز دے۔
 مولانا احمد رضا خان: اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرما دے۔

مولانا بریلوی کے ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے فاضل معترض لکھتے ہیں:
 ”خود فیصلہ کر لیجئے کہ روح قرآن اور اس کے مطالب و مقاصد اور بارگاہ نبوت کے آداب کے مطابق کس کا ترجمہ ہے۔“

حالانکہ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ سیاق و سباق آیات کے لحاظ سے غلط ہے۔ ان کے ترجمہ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) خالی کی رحمت و حفاظت سے دور تھے۔ اللہ جب چاہے گا آپ پر رحمت و حفاظت کی مہر لگا دے گا۔ پھر یہاں ”قلبك“ کا ترجمہ ”تمہارے اوپر“ نہیں

”تمہارے دل پر“ ہی کرنا چاہئے تھا جیسا کہ دوسرے فاضل مترجمین نے کیا ہے۔

یا معشر الجن..... الا بسلطن (الرحمن)

مولانا اشرف علی تھانوی: اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ (تو ہم بھی دیکھیں) نکلو، مگر بدوں زور کے نہیں نکل سکتے“ (اور زور ہے نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں)۔

مولانا سعیدی صاحب نے اس پر تنقید فرمائی ہے :

”تھانوی صاحب کے اس ترجمہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ چند سال پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نکل کر چاند پر جا پہنچا تھا۔ اس قسم کے ترجموں سے بنی نسل کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن کریم کو ترجمہ کی مدد سے سمجھنا ہے اور جب سائنسی مشاہدات کے خلاف ان کا ترجمہ نظر آئے گا تو قرآن پر ان کا ایمان اور ایقان ڈگرگانے لگے گا۔“

یہ تنقید حقیقت میں تنقید برائے تنقید ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے مندرجہ بالا ترجمہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جسے پڑھ کر بنی نسل کا ایمان قرآن کریم کے بارے میں مذہذب ہو جائے۔ مولانا تھانوی نے ترجمہ میں ”کرۂ ارضی“ کہاں لکھا ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے.....

”آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ“ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ آسمان کی قید بھی لگا دی تو چاند پر پہنچنے والے آسمان کی حدود سے باہر کہاں نکلے ہیں۔ قرآن کریم میں ”سموات“ آیا ہے۔ سائنس دان ”آسمانوں“ کے بارے میں بھی عجیب خیالات رکھتے ہیں۔ وہ اسے حد نظر کہتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے :

”اے جن و انسان کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔“

”الاسلطن“ کا ترجمہ ”اسی کی سلطنت“ ہے محل غور ہے۔ سلطان کے معنی سلطنت کے بھی ہیں۔ مگر اس آیت میں زور اور قوت مراد ہے اور ”اس کی سلطنت“ اس عبارت کے آخری لفظوں کا ترجمہ صحیح مفہوم نہیں تھا۔ مولانا سعیدی نے اس ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔

والذین ہم للزکوۃ فاعلون۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خان: اور وہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔

مولانا بریلوی کے ترجمہ کی طرح اکثر و بیشتر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ مگر علامہ شبیر احمد عثمانی حواشی میں لکھتے ہیں:

”بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو طہارت (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں بھی لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو ”قد افلح من تزکی“ اور ”قد افلح من زکاکھا“ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے۔ جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہے۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک طرح کی مالی تطہیر ہے۔“

خذ..... وتزکیہم (التوبہ..... رکوع ۱۳)

مولانا غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے:

”لیکن ہمیں سخت حیرت ہوئی جب ہم نے دیکھا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت میں زکوٰۃ کا ترجمہ ”تزکیہ“ کیا ہے۔“

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر پڑھ کر شاید مولانا سعیدی صاحب کی حیرت دور ہو جائے۔ مغرب زدہ نوجوان کو مطمئن کرنے کیلئے مولانا سعیدی صاحب ”جن“ کا کیا ترجمہ کریں گے جب کہ مغرب زدہ نوجوان کسی ایسی مخلوق کا وجود ہی نہیں مانتے جو نظر نہیں آتی۔ سرسید احمد خان نے ”جن“ کا ترجمہ ”وحشی اور پہاڑی انسان“ کیا اور بالکل غلط کیا۔ قرآن کریم کے ترجمہ میں نئی نسل کی سمجھ کی رعایت، بعض مقامات پر شدید غلطی کا سبب بن سکتی ہے اور بنی ہے۔

اعتراض : نسو اللہ ففسیہم..... اعلیٰ حضرت اس ترجمہ میں لکھتے ہیں
 ”وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔“

ماہر صاحب لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کسی بندے کو چھوڑ دینے کی نسبت بھڑکھٹکی ہے۔“

اس جملہ کی اردو بہت کمزور ہے۔ یوں لکھنا چاہئے تھا :
 ”اللہ تعالیٰ کی طرف کسی بندے کو چھوڑنے کی نسبت بھی کھٹکی ہے۔“ اب اس طرز نگارش پر کوئی کہے تو کیا کہے۔ اردو کا یہ حال ہے اور قرآن کریم کے ترجمہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔
 (مولانا سعیدی)

فاضل ناقد نے اپنے جملہ میں ”طرف“ بڑھا کر آخر جملہ کے حسن میں کیا اضافہ کر دیا۔ اور راقم الحروف کے جملہ میں ”طرف“ نہ ہونے سے کیا کمی رہ گئی۔ مقصود اعتراض کرنا ہے چاہے وہ کتنا ہی پوچ کیوں نہ ہو..... ”کسی نقص کی اللہ تعالیٰ سے نسبت کفر ہے۔“ اس جملہ میں کیا غلطی ہے؟ کوئی یوں کہے ”کسی نقص کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کفر ہے۔“ تو ”طرف“ نے کس خوبی کا اضافہ کر دیا۔

جہاں ”سے“ آسکے وہاں اللہ تعالیٰ سے ”طرف“ اور ”جہت“ کی نسبت سے گریز کرنا ہی اولیٰ ہے۔

ماہر صاحب لکھتے ہیں :..... اردو میں دوست نے دوست کو چھوڑ دیا، خاوند نے بیوی کو چھوڑ دیا، اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا بولا جاتا ہے۔“ (فاران ص ۲۸)

بجا ہے لیکن ثابت کیا ہوا۔ ارے صاحب دوست نے دوست کو چھوڑ دیا کیا مطلب؟ یہی تاکہ اس پر نظر عنایت کرنا چھوڑ دی، اس پر مہربانی کرنا چھوڑ دی۔

کیا دوست دوست سے ”ترک تعلق“ نہیں کر سکتا کہ اس سے دوستی کا کوئی واسطہ ہی نہ رکھے۔ راقم الحروف نے یہی عرض کیا تھا کہ جس طرح دوست دوست کو چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس طرح مخلوق کو نہیں چھوڑ سکتا..... ہم نے لکھا تھا کہ ”بھول گئے سو وہ بھول گیا ان کو“ (ترجمہ شیخ الحداد) ”انہوں نے خدا

کا خیال نہ کیا، بس خدا نے ان کا خیال نہ کیا، (ترجمہ مولانا تھانوی) پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہی اعتراض مولانا بریلوی کے ترجمہ :

”وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ ان کو چھوڑ بیٹھا۔“

پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ ”رب“ اپنے نافرمان بندوں کو کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔

تفہیم طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاری ہے۔ ”ضالاً“ ”استغفار“ اور ”ذنب“ کے بارے میں ہم اپنے تبصرے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اب کہاں تک کہی ہوئی باتوں کو دہرائیں۔ مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے ان آیتوں کا لفظی ترجمہ کر کے شان رسالت میں معاذ اللہ بے ادبی اور تنقیص نہیں کی۔ ان حضرات نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں کوئی عیب نہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی نے راقم الحروف کو چیلنج کیا ہے :

”اگر ماہر صاحب کی بات میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو وہ اکابر مفسرین میں سے دو چار کے ہی حوالے پیش کر دیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو ”گناہ“ یا ”خطا“ قرار دیا ہو۔“

یہ عبارت عام قارئین کو متوحش کر سکتی ہے کہ ماہر القادری حضور کے حال کو ”گناہ“ یا ”خطا“ قرار دیتا ہے حالانکہ بحث قرآنی ترجمہ کی چلی تھی کہ مولانا تھانوی اور شیخ السند نے قرآنی لفظ ”ذنب“ کا جو ترجمہ ”گناہ اور خطا“ کیا ہے..... اس پر ملک شیر محمد خان اعوان نے شدید اعتراض وارد کیا تھا کہ کیا ان تراجم سے عصمت انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا..... یہ سوال تو اعوان صاحب کو اللہ تعالیٰ ہی سے کرنا چاہئے کہ اس نے انبیاء کیلئے ”استغفار کرنے“ اور ”ضال و ذنب“ کے الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں۔ ماہ مارچ ۷۶ء کے شمارے میں ”محاسن کفر الایمان“ پر تنقید کرتے ہوئے راقم الحروف نے ”عصمت انبیاء“ پر تفصیل سے بحث کی ہے..... اور لکھا ہے :

”ان تمام تصریحات کے بعد عرض ہے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو خطا کار اور گنہگار سمجھنے والا کافر ہے۔“

اس کے بعد راقم الحروف پر طنز کرنے اور ہدف تنقید بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ بریلوی حضرات مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ان کے ترجمہ سے وہ خرابی دور ہوگئی جو شیخ المند اور مولانا تھانوی کے ترجموں میں پائی جاتی ہے..... مگر جو حضرات اردو نہیں جانتے عربی جانتے ہیں وہ انبیاء کے استغفار اور ”ذنب“ کے وہی معنی سمجھیں گے جو قرآن کریم کے متن میں اصل الفاظ آئے ہیں۔ ہاں! انہیں کھٹک محسوس ہوگی تو اہل الذکر سے دریافت کریں گے۔

مولانا سعیدی صاحب نے راقم الحروف کو چیلنج کیا ہے :

”اگر ماہر صاحب کی بات میں ذرہ برابر صداقت ہے تو وہ اکابر مفسرین میں سے دو چار حوالے پیش کر دیں جنہوں نے حضور ﷺ کے افعال کو گناہ یا خطا قرار دیا ہو۔“ (ضیائے کنز الایمان ص ۴۱)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہی معنی لئے ہیں اور اس کی شرح و تفسیر میں حضور ﷺ کی دو دعائیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک دعا ہم نے ”محاسن کنز الایمان“ پر تبصرے میں نقل کر چکے ہیں۔ دوسری دعا یہ ہے :

اللهم اغفر لي خطيئتي وجهلي و اسرافي في امري و ما انت اعلم به مني....“

اے اللہ میری خطاؤں کو، میری ناواقفیت کو اور میرے کاموں میں جو مجھ سے زیادتی ہوگئی ہو معاف فرما دے۔ اور تو ہر چیز کو مجھ سے زیادہ جانتے والا ہے.....“

مولانا سعیدی صاحب نے ہم پر یہ الزام لگایا ہے :

”ابن کثیر کی نقل کردہ اس دعا (اللهم اغفر لي ما قدمت) کا جو ترجمہ ماہر صاحب نے پیش کیا ہے اس میں ”ذنب“ کا لفظ نہیں ہے۔ ماہر صاحب کے اس واضح الہدیت پر اپنی طرف سے کیا کموں۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پیش کرتا ہوں“..... ”جو

مخلص میری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں
 کسی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔“
 یعنی مولانا صاحب نے راقم الحروف کو جہنمی قرار دے دیا۔
 دراز دستی اس کو تہ آستیناں میں

پہلے تو میں یہ عرض کر دوں تفسیر ابن کثیر کے اردو ترجمہ (مطبع نور محمد اصح
 المطابع کراچی) سے حدیث نبویؐ کا یہ ترجمہ نقل کیا گیا ہے :
 ”یعنی اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے
 ہیں۔۔۔“

پھر ”ذنب“ کا لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن
 کثیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک
 دعائیں ”استغفار“ کے ساتھ ”خطیبتی“ (میری خطائیں) بھی آیا ہے۔ دوسری
 حدیث میں ”خطاء“ یا ”ذنب“ بے شک نہیں آیا مگر مغفرت ”حسنات“ کی
 چاہی جاتی ہے یا اس چیز کی جو ”حسنات“ کی ضد ہوتی ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے
 مترجم نے ”اللهم اغفر لي ما قدمت“ کے ترجمہ میں ”گناہ“ لکھ دیا تو
 کیا زیادتی کی جب کہ علامہ ابن کثیر نے اس سے اوپر وہ دعا نقل کی ہے جس میں
 ”خطیبتی“ حضور نے فرمایا ہے اور یہ دونوں دعائیں ”واستغفر
 لذنك“ کی شرح و تفسیر کے تحت درج کی گئی ہیں!..... کیا اس چیز کا
 نام ”وضع حدیث“ ہے؟ یہ لوگ اپنے عقیدے کے مخالفین کے ساتھ ایسی ہی
 زیادتیاں کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ”دشمنان رسول“ کو کیسا ذلیل کیا؟
 ”ملا علی قاری رحمہ الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم فرائض رسالت مصالح امت اور تبلیغی امور میں
 اشتغال کی وجہ سے بعض وقت مشاہدہ ذات و صفات میں
 منہمک نہ رہتے۔ بس استغفار کا حکم اس عدم انہماک کی
 طرف راجع ہے نہ کہ معصیت کی طرف۔“

مگر سوال یہ ہے کہ ”مشاہدہ ذات و صفات میں بعض اوقات حضور کا
 منہمک نہ رہنا“... اسے کیا کہا جائے گا؟ اس عدم انہماک کا ترجمہ کوئی شخص

۱۔ قرآن میں ”ذنب“ ”خلال“ ”غافل“ یا الفاظ انبیاء کرام کے مقام ارفع و اعلیٰ کی نسبت سے استعمال
 کئے ہیں۔ ان کا قیاس عام انسانوں کے حالات پر نہیں کیا جاسکتا۔

”غفلت یا عدم توجہی“ کر دے تو اس کو گردن زدنی ٹھہرایا جائے گا..... پھر ایک بست بڑے صوفی کا (جن کا نام ذہن میں نہیں آ رہا) یہ قول پڑھا تھا کہ ایک لمحہ کیلئے بھی میں مشاہدہ ذات سے غافل ہوں تو میں کافر ہو جاؤں..... اس صورت میں وہ صوفی مشاہدہ ذات میں حضور سے بڑھ کر قرار پاتے ہیں۔

پھر یہ کس حدیث میں لکھا ہے کہ حضور ہر وقت مشاہدہ ذات میں مستغرق رہتے تھے اس کا حوالہ دیا جائے۔ ہم ایسی صحیح حدیث سے اب تک بے خبر ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی کیا توجیہ کی جائے گی۔

”کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرو ذات میں غور نہ کرو۔“

پھر قرآن کی تفسیر اور فقہی امور میں صوفیاء کے اقوال سند و نظیر میں پیش نہیں کئے جاتے۔ ان کے اقوال میں بڑی پیچیدگیاں اور خطرے ہیں۔ اسی لئے اپنے کتابچہ میں مولانا نے ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے :

”انسان فطرتاً حق عبادت ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اگر وہ زندگی کا ہر سانس عبادت میں گزار دے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ پس آپ کو جس استغفار کا حکم دیا گیا ہے وہ قصور فطری کی بنا پر ہے نہ اس وجہ سے معاذ اللہ آپ نے گناہ کیا تھا۔“

اس سے بچنے کی عبارت میں حضور سے ”عجز فطری“ منسوب کیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کا کوئی انشا پرداز یا اہل حدیث اور دیوبند کا عالم یہی الفاظ لکھ دیتا تو بریلوی اس پر گمراہی، بدزبانی اور تنقیص رسالت کے فتوے داغ دیتے کہ دیکھا ان بے دینوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے جو ہر طرح کے گناہ، خطا اور عجز و قصور سے پاک ہے ”قصور فطری“ اور ”عجز فطری“ منسوب کر دیا یعنی قصور و عجز تو آپ کی گمٹی میں پڑا ہوا تھا اور فطرت میں شامل تھا.....! (معاذ اللہ)

”یہ صحیح حدیث ہے... قسم اللہ کی میں نہیں جانتا، پھر قسم اللہ کی میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہو گا۔ میرے ساتھ اور کیا معاملہ ہو گا تمہارے ساتھ...“

دوسری احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور نے دس صحابہ (عشرہ مبشرہ) کے جنتی ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور حضور کی پیشگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ قیامت کے دن حضور کو اپنے ”شافع و مشفع“ ہونے کا



ہر کسی کی فریاد سنا، ہر کسی کی مصیبت کو دور کرنا، مریضوں کو شفا دینا، مخلوق کو رزق عطا کرنا، دنیا کے کارخانے کو چلانا..... اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ وہ شخص قرآن و حدیث کی مخالفت کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ تمام اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے عطا کر دیئے ہیں۔ صحابہ کرام مصیبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا کرتے تھے۔ اور نہ تابعین اور تبع تابعین نے ایسا کیا۔ قرآن کریم میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الوہی اختیارات کی نفی آئی ہے۔ احادیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ حضور نے فرمایا ہو کہ ”اے میرے امتیو! تم مجھ سے استغاثہ کیا کرنا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلق کا حاجت روا بنا کر بھیجا ہے“ بلکہ استغاثہ کی ممانعت آئی ہے۔ علامہ ابو زہرہ مصری کی کتاب ”المذاهب الاسلامیہ“ کے صفحہ ۲۸۰ پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے :

انه لا يستغاث لي و انما يستغاث بالله -

(استغاثہ مجھ سے نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔

(امام طبرانی نے یہ روایت اپنی کتاب معجم کبیر میں درج کی ہے)۔

بریلوی حضرات کا یہی مسلک ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کرام سے الوہی صفات ”عطا“ کے نام پر منسوب کریں اور بدعات کے جواز کیلئے نکتے تراشیں اور حق پسند علماء کو جو توحید کے تقاضوں کو پھیلنے ہیں کافر ٹھہرائیں۔ یہ حضرات قرآن کریم کی آیتوں کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جن پر ”معنوی تحریف“ کی تعریف صادق آسکتی ہے۔ بریلوی علماء عام طور پر جن روایتوں سے استشاد کرتے ہیں وہ کمزور اور معلل روایتیں ہوتی ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویوں کے سب سے بڑے عالم تھے اور انہی کے دور حیات میں بریلی کو ”دار الکفر“ کہا جاتا تھا۔

شرک آمیز عقائد اور بدعات کی اشاعت و تائید کا اگر بریلویوں کو حق حاصل ہے تو کیا ہمیں توحید و سنت کی مدافعت کا حق حاصل نہیں ہے؟

تم الجلد السابع ویتلوہ الثامن ان شاء اللہ العزیز

خطبات بہاولپور

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیٹ

تقریظ: حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، شیخ الحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند

ڈاکٹر حمید اللہ کا شمار دنیا کے بہترین عالموں اور مصنفوں میں ہوتا ہے، اصلاً وہ حیدرآباد کے رہنے والے ہیں، لیکن عرصہ دار سے فرانس میں مقیم ہیں اور اس پورے ملک میں رد و تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ فرانس میں قیام پذیر مسلمانوں کی دینی رہنمائی کیلئے ان کی ذات بڑی قیمت ہے، خاص طور پر وہ ان لوگوں کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو دین اسلام قبول کر کے رہنمائی اور رہبری کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

ایک بہترین مبلغ اور داعی کے ساتھ ساتھ وہ ایک زبردست مصنف بھی ہیں، سیرت النبیؐ ان کا خاص موضوع ہے، سیرت کے اجتماعی اور سیاسی پہلوؤں پر مختلف زبانوں میں ان کی متعدد تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں اور قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہیں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت شرح اور ربط، تحقیق اور تدقیق کے بعد لکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں علمی اور تحقیقی حلقوں میں خاص طور پر پسند کی جاتی ہیں۔

خطبات بہاولپور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارہ لیکچرس کا مجموعہ ہے یہ تمام لیکچر انہوں نے پاکستان کی بہاولپور یونیورسٹی میں اس کے وائس چانسلر کی دعوت پر مسلسل بارہ روز تک دیئے۔ تمام اجتماعات میں اہل علم کی عمل حاضری رہی۔ ہر اجتماع کی صدارت کسی مشہور شخصیت نے کی۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کا وقفہ بھی ہوا یہ کل بارہ موضوعات ہیں:

۱۔ تاریخ قرآن مجید ۲۔ تاریخ حدیث شریف ۳۔ تاریخ فقہ ۴۔ تاریخ اصول فقہ و اجتہاد

۵۔ اسلامی قانون بین الممالک ۶۔ دین (عقائد، عبادات، تصوف) ۷۔ عہد نبویؐ میں مملکت اور نظم و نسق

۸۔ عہد نبویؐ میں نظام دفاع اور غزوات ۹۔ عہد نبویؐ میں نظام تعلیم ۱۰۔ عہد نبویؐ میں نظام تشریع و عدلیہ

۱۱۔ عہد نبویؐ میں نظام مالیہ و تقویم ۱۲۔ عہد نبویؐ میں تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ۔

اب یہ تمام گراں قدر علمی اور تحقیقی خطبات کتابی شکل میں اہل علم کے مطالعہ کیلئے شائع ہو چکے ہیں۔ حافظی یکڈ پونے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ کتاب شائع کی ہے۔ کاغذ، طباعت، جلد ہر چیز اعلیٰ ہے، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری نے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:۔

”ہر خطبہ جاندار، معلومات سے لبریز، تحقیقات کا مرقع، تاریک دور ان مطالعہ کچھ ایسی معلومات اس بے بضاعت کا سرمایہ ہوئے، جن سے سابق میں جیب و دامن خالی تھے۔“ اس اعتراف و شہادت کے بعد آپ حضرات اس گراں قدر کتاب کے مطالعہ سے محروم رہیں اس کی امید نہیں ہے۔

حافظی بک ڈپو، دیوبند۔ ۲۳۷۵۵۴ (یو پی)